

# غالب اور انقلابِ ستارون

ڈاکٹر سید معین الرحمن

ایم ایس پی ایچ ڈی

یادِ فیروز صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج، قاسمی پورہ



نگ میل پبلی کیشنز

چوک اُردو بازار - لاہور

[ ۱۹۷۴ء کی داؤد ادبی انعام یافتہ کتاب ]

طبع دوم: اضافہ و ترمیم: ۱۹۷۶ء

بار اول : ۱۹۷۴ء

نیا ز احمد

نئے قدرت پریس لاہور

سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت : ۱۸/۰ روپے

# مُدرجات :

صفحہ ۷	ڈاکٹر سید معین الرحمن	حرطہ چند بر طبع دوم :
۹	ڈاکٹر سید معین الرحمن	ویسا چہ بر طبع اول :

۲۳	۱۔ انقلاب ستاون کے روزنامہ انقلاب "دستبنو" کا تعارف
۷۵	۲۔ "دستبنو" کا اردو ترجمہ مع حواشی
۱۱۹	۳۔ انقلاب ستاون اور خطوطِ غالب
۱۷۳	۴۔ انقلاب ستاون اور غالب کا شعری ہوتے

۱۹۹	ضمیمہ (۱) :	غالب کا ایک نامور مضمون "غالب تباہی شہزاد"
۲۰۵	ضمیمہ (۲) :	کلرک ٹریکس کا اعلان اور یکم حضرت ممل کہ فرماں
۲۱۵	ضمیمہ (۳) :	شہزاد غالب در باب تحقیر : تا تیسریں کا انگریزی
۲۱۹	کلمات استقبال :	
۲۵۷	INDEX	اشاریہ :





استاد محترم

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب قید

کن نذر

ۛ

”بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیرے دیگری“

مصطفیٰ



## حرفے چند (برمیع دوم) :

ڈاکٹر مسید مقین الرحمن

کتاب کا پہلا ایڈیشن ایک سال کے اندر اندر ختم ہو گیا اور اعلیٰ گزشتہ اصطلاح میں مرقی عقل کے "عاقبت سوز" اور بھاری بھر کم جم پیشہ اور ان کے ایک نیم جم فو" دواز قد ناقہ" بھی کتاب کی کسی نہ کسی خوبی کے معترف ہوئے اور اسے یکسر نظر انداز نہیں کر سکے۔ اس ایک آدھ استثنیٰ کے علاوہ جہاں دل کی تنگی کا مغاسرہ ہوا، بحیثیت جبر میں اس کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

اس کتاب کو داؤد اولیٰ انعام سے ممتاز اور سرفراز کیا گیا، ریڈیو اور ٹی وی پر اسے دور و نزدیک زیر بحث لایا گیا، بزرگوں اور دوستوں نے اس پر حوصلہ افزا کلمات تحریر کیے اور ملک ہی نہیں بیرون ملک میں بھی اسے کھلے دل سے سراہا گیا۔ اس طرح کی بعض تحریروں سے چند اقتباسات اب کلمات استنباط کے تحت کتاب اور صاحب کتاب کی تو قریب چار ہے ہیں۔

اس موقع پر مجرم درجہ مجھے جناب عبدالرحمن چشتائی کی یاد بے اختیار  
 کیے دے رہی ہے جن کے کلمات استقبال کے ساتھ کتاب پہلی بار شائع ہوئی  
 تھی ماضوس کہ وہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ۱۷ جنوری ۱۹۷۵ء کو اُن  
 کے انتقال سے غالب شناسی کے ایک کلاسیک دور کا خاتمہ ہو گیا اور ایسی کتاب  
 کے نام سے کلام غالب کا جو نیا معنور ایڈیشن اُن کے پیش نظر تھا، وہ جہاں کا نشان  
 رہ گیا۔ بایں جب غالب پر اُن کا موجود کام اور غالب سے وابستہ اُن کا نام  
 امٹ ہے، جسے زوال نہیں، غالب اور انقلابِ شان پر اُن کا تاثر ان کی  
 آخری ادبی تحریر اور تبرک کے طور پر اب ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔



یہ ایڈیشن 'نئے ماخذات کی روشنی میں ضروری ترمیم اور اضافے کے بعد پیش کیا  
 جا رہا ہے۔ اس اشاعت میں سرکار انگریزی کی تائید اور تحسین میں غالب کی ایک کتب  
 تحریر: مطبوعہ: ادوہ اخبار، لکھنؤ، ۲۳۔ اپریل ۱۹۶۲ء بطور ضمیمہ سوم ایڑا  
 کی گئی ہے اس بار کتاب کا اشاریہ بھی شامل اشاعت ہے، اس کا تقاضا ہوا تھا  
 اور یوں بھی اس کی بے حد ضرورت تھی۔ امید ہے کہ بصورتِ موجودہ کتاب زیادہ  
 مفید اور پسندیدہ قرار پائے گی۔

مسک

جہاں نگر

۱۹۷۵ء اگست



پیش نظر کتاب چار صوراں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ انقلاب ۱۸۵۷ء سے خلیفہ غالب کے فانی روزنامے ”دستیو“ کے تعارف پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ ”دستیو“ کے اردو ترجمے پر مبنی ہے۔ تیسرا حصہ نئی شاہی کے بارے میں غالب کے غیر رسمی نقطہ نظر کا حال ہے۔ اس کا ماخذ غالب کے خطوط ہیں، اور آخری حصہ کتاب میں انقلاب شاہی اور غالب کے شعری رویے سے بحث کی گئی ہے۔

# (۱)

”دستیو“ اپنے مضمونی و موضوع اور انداز نگارش و گزارش ہر دو کی بنا پر تصانیف غالب میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ غالب نے یہ کتاب، ”سہ ماہی“ کے دنوں میں اردو ترجمے کے آغاز میں لکھی۔ کتاب میں بعد تو طبع ”دستیو“ (۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۸ء جولائی ۱۸۵۸ء تک) مصنف کی سرگوشٹ بیان ہوئی ہے۔ یہ حیثیت اقتصاد کے مقام، کتاب میں عام واقعات و حالات اور پر پائے

لے ”دستیو“ (دستیو، نجم، آج، پختہ، دست میں، تقریریں لے کر نکلتے ہیں، شاعر۔

(فرنگ، مامور، میں پیغام، اکبر، ۱۸۵۷ء، ص ۲۴۴)

”دست انبویہ دوست انبوی“، رک: دوست انبویہ سزا دوست انبویہ تمام داد و دہم جو گرفت۔

”دست انبویہ“ چھوڑا ہی باشد مرکب الاحسانیات کا آرا کجبت بوییدت بدوست گیرند و بہرانی شمار خواہند و بہرہ ای را کہ تو ان بوییدت بویا۔ و نہائی باشد کہ یک دگر و دہان شہید بفرزد کہ آرا دوستی گویند خصوصاً۔

(نکات قاضی جلد دوم، مرتبہ پروفیسر محمد حسین، تہران ۱۳۳۱ شمسی، ص ۸۵۶)

DASTAMBU : A Posy of Flowers.

[Ghalib—Life and Letters, London, 1969, p. 132

by : Ralph Russell and Khurshid ul Islam]

تقریباً مشہور چاہا کہ روڈاوی بھی گئی ہے اور یہ سرگندہ شے ایسی قاروی قدیم میں بیان ہوئی ہے جس میں نہ خود غالب کی کوئی اور کتاب کبھی گئی اور نہ "دستجو" کے مکسے جانے کے بعد سے آج تک پرچشم پاک مہندہ میں کسی اور نے کوئی کتاب اس زبان میں لکھی۔

روڈاوی شکاری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے، غالب نے "دستجو" میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ "اس کتاب میں شروع سے خراب کیا گیا ۱۸۵۷ء کا ذکر ہے جو جملہ پر گزردہ ہے، یہاں واقعات کا ذکر ہے جو مختصر آنکھوں میں نے جو شیدہ حالات کبھی تو کوئی یہ خیال ذکر سے کر میں نے جوت میں نہیں ہوں گی یا کچھ کم کر کے لکھی ہوں گی۔ میں دارو گیسے سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں ۱۰ اور بھائی میں بھات ڈھونڈتا ہوں۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ غالب نے خدا کی پناہ نہیں چاہی بلکہ انگریز مخالفوں کی پناہ چاہی جنہوں نے دارو گیسے کا بازو گرم کر رکھا تھا۔ غالب نے اپنی بھات ضرور ڈھونڈی لیکن یہ فی الوقت انہیں بھائی میں لکھی نہیں دیتی تھی، اس لیے انہوں نے حالات کو جہاں تھا اس نہ صرف پتہ کم کر کے "بلکہ ٹانگہ گیسے کے ساتھ بڑھ چڑھا" کہ بھی پیش کیا۔

"دستجو" پہلی بار نومبر ۱۸۵۷ء میں ملین میٹروپولیٹن، اگر متہ جی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ پریس کی آزادی مضبوط کی جا چکی تھی، ۱۳ جون ۱۸۵۷ء کو گورنر جنرل اورڈ کیٹنگ کے حکم پر بعد جب آزاد کی تائید و ترقیب کے "جوڑم" میں ایک سخت پریس ایکٹ نافذ کر دیا گیا تھا۔ اخباروں پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ انضباطی کارروائیاں عمل میں آ رہی تھیں۔ طبایع، ناشر اور ایڈیٹر دارو گیسے کا نشانہ بن رہے تھے۔ گورنر جنرل اورڈ کیٹنگ نے اپنے ایک مراسلے (نومبر ۴ جولائی ۱۸۵۷ء) میں گورنر آف ڈائریکٹرز کو بقاوت کے حالات کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا کہ،

"گلنے کے ایک ایٹھ گراؤنگ پریس کا اجازت نامہ مل گیا ہے اور مکمل کیا ہے۔  
 کہ اس پناہ خانے کا تمام سامان ضبط کر لیا جائے۔ یہ قدم ہم لباس وجہ سے اٹھا یا کہ اسی  
 پناہ خانے میں ایک قاروی اخبار... پختہ تھا جس میں... وہاں بھائی باغیہ دستاویز شائع  
 ہوئے تھے۔"

”باغیانہ مضامین“ کی اشاعت پر مقتدرات چلانے جارہے تھے، یہیں کے اجازت نامے منسوخ ہو رہے تھے۔ اخبار جبری بندش کی زد میں آ رہے تھے اور دیکھائے خود یہیں سختی سرکار ضبط ہو رہے تھے۔ ان حالات میں کسی ایسی کتاب کی اشاعت و طباعت کی بندش کی گنجائش ہو سکتی تھی جو انگریز حکام ممالیہ کی تائید میں نہ ہو۔ چنانچہ جب ہندوہم اگست ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں غالب نے اپنے عزیز شاگرد منشی ہر گوبال تھتہ کو لکھا کہ

”میں نے آٹا زباز دسم مئی ۱۸۵۷ء سے ہی وکرم جولاہی ۱۸۵۸ء تک کی رویداد و شہرہ پسندی پندرہ مہینے کا حال غرض لکھا ہے..... اگر آگے میں اس کا چھاپہ ہو سکے تو بھوکا اطلاع کرو۔“  
تو تھتہ کا تہذیب میں چڑھنا تہذیبی اور تعلیمی امر تھا، غالب ہستادشاہ تھے، کہیں نہ رویداد و شہرہ بہادشاہ کی تائید و تحسین اور کہیں بہادر کے اقدامات کی ترویج و تحسین میں نہ ہو؟ تاہم علیہ یہ پس ایکٹ کی موجودگی میں اور قسم ”باغیانہ“ کسی تحریعہ اور وہ بھی کتابی حجم کی تحریک کی طباعت و اشاعت کے لیے کسی پریس کو آسانی سے کیوں کرتا رہا کہ اس کا تھتہ؟ تھتہ نے جہاں اس نوع کے خدشات کا اظہار کیا۔ اس پر غالب نے ”خیمین دخترو“ کے اوراق بھیجے اور کتاب کے اندازہ نگارش و گزارش کی حقیقت بیان غفلوں میں بیان کی۔

”چھاپے کے باب میں جو آپ نے لکھا وہ مسلم ہوا۔ اس تحریک کو جب دیکھو گئے، تب جانو گئے، اہتمام اور محنت اس کے چھپانے میں اس واسطے ہے کہ اس میں سے ایک جلد نواب گوہر جزل بہادر (لارڈ کینگ) کی تذکروں کا اور ایک جلد ہندوستان کے جناب کا منظر انگلتی کی تذکروں کا۔ اب یہ دو طرح کی تحریک کیا ہوگی اور سماجیانی طبع کو اس کا اظہار کیوں نامعلوم ہوگا؟“

(بم، تھتہ، مابین ۷ مارچ ۲۳ اگست ۱۸۵۸ء)

اس سنی حیدر اور ایلینا بخش وضاحت کے بعد کتاب کی اشاعت میں رکاوٹ نہیں ہوتی چاہیے تھی۔ بابیہ ہمارا محتاطاً،

”صاحبہ منلی نے مشورل سی منشی ہر گوبال تھتہ (دخترو کا مسودہ) آگے کے حکام کو دکھایا۔“  
(چھاپنے کی) اجازت چاہی۔ حکام نے بہ کمال خوشی اجازت دی۔

(بم، المروج، اکتوبر ۱۸۵۸ء)

اور کتاب ”دخترو“ نومبر ۱۸۵۹ء میں چھپ گئی۔

اسلوبِ تقریریں دیکھیں کہ ”دستجو“ جون ۱۹۵۷ء کے جاہلانہ پریس ایکٹ کے باوجود چھپ سکی، صاحبِینِ ملیں کو اس کا اظہارِ نامعلوم نہ ہوا اور انگریز حکام نے پوچھی مانتے کے بعد کمال خوشی اس کے چھاپنے کی اجازت دی تو اسی بنا پر کہ ”دستجو“ میں غالب بقول شخصے انگریز کی زبان سے بولے ہیں اور انہوں نے صنعت کے قلم سے اسے لکھا ہے۔

”دیوں کے دیکھنے نہ دیکھنے میں آپ کو اختیار ہے مگر یہ چار سو کار سال (دو دستجو) جو اب بیجا ہے اس کا دیکھنا ضرور رکا ہے۔ تاریخی قلم اور پھر حسنِ معنی اور صنعتِ الفاظ، ہاں، ہر اس کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ“

(غالب، جام، نواب محمد یوسف علی خاں، دہلی، مایہ نور نمبر ۱۹۵۷ء)

حقیقت یہ ہے کہ کتاب، ایک طرف، مدحیرہ، تاریخی اور تحقیقی ہے اس میں انگریز حکام سے سربراہی بھی وفاداری کا اظہار کیا گیا ہے اور غالب کا سلاز و دیلان انگریزوں کی وکالت اور اپنی طاقت میں صورت ہوا ہے۔



”دستجو“ کی طرح تصنیف، تکرارِ سلی سے اپنے تعلق کے داغ کو شائبہ اور تحریکِ آزاد خی کو ”دستجو“ نے جان قرار دے کر انگریز حکام یا اختیار کی نظروں میں سرخو ہونا تھا۔ اور سرخو ہونا، حسنِ سرخو ہونے ہی کے لیے نہیں تھا، نکلنا وقت کو اپنی وفاداری کے تقیبن دلانے کی نایبِ اصلی، پیش کے اجساد کی آرزو اور خطاب و خلعت پانے کی ترغیب۔

”کاش! میری انجمنِ خواجوں، بین، خطاب و خلعت اور پیش کے ہزار کا حکم شہنشاہ فیروز، محنت کے صندوق سے آجاتے، جی کے تعلق میں نے اس تحریر میں دیکھی (کہ) لکھا ہے میری انجمنیں اور سیر اول انہیں کی طرف لگا ہوا ہے۔۔۔۔۔ اگر کل عالم کی بخشش سے میں کچھ حاصل کروں گا تو اس نفا سے تمام نہیں ہاؤں گا۔“ (غالب، دستجو)

انگریز حکام کے لئے ”دستجو“ کی بڑی تکلف چاندوں کے اجہام اور اندریم، تھیبہ، تبلیغ فتح ہند کی تصنیف اس کے شہرت پانے کی آرزو تدبیر، مرکز انگلستان اور مالی تمام حکام ایک کتاب پہنچانے کی تہذیب اور ذی شان صاحبان انگریز سے روابط برعزلے اور وہ دیکھیں مراسلت کی فکر تہذیب کی تفصیلات سے غالب کے خیال غیر سچے تھے۔ یہ سب سوتیں اپنے مقصد واسطی، پیش، خطاب و خلعت کے لیے راہ ہوا کرتے کی ہی کتابیں ہیں۔ چنانچہ ذاتی تحفظ اور فروغِ مراتب کی غرض سے بھی گئی اس

کتاب کے شہدات کو "حقیقتِ واقعہ" کے ہنر و نہیں بھاسا سنا سکر گزشتہ کی تسبیح و تحریف میں  
مستعمل کی تفسیر دی ہے۔ جس نے بطور کتاب تاریخ اس کی اہمیت و افادیت کو شدیداً متنبہ کیا ہے  
ہاں، جس اس کی یہ اہمیت اپنی جگہ تسلیم ہے کہ اس سے غالب کے کچھ سانچے پر روشنی پڑتی ہے اور  
بالخصوص ان کے افادہ مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔



"میں نے گیارہویں مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیسویں جولائی ۱۸۵۸ء تک کی ٹروداد و تحریف و بدارت  
فاری کا تذکرہ برعربی لکھی ہے۔" (دستخط ۳۳ کا نام رکھتا ہے۔)

(غالب، بنام، انوار اللغات و فنون، اکتوبر ۱۸۵۸ء)  
"اسی نے آئینہ شریعت لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی میں وہ فارسی قدیم کہ جس کا اس پارکس کے  
بلوچ نے لکھی نہیں رہا، تاہم چند مثالیں چھ رہیں۔"

(غلام محمد خاں، ۱۸۶۹ء جولائی ۱۸۵۸ء)

"الترجم اس کا کیا ہے کہ دوسری کی عبارت تکلفی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ  
آئے۔ جو لفظ اس عبارت میں درج ہے وہ بھی ہے آئینہ شریعت لفظ عربی ہے۔ ان اشخاص  
کے نام نہیں بدلے جاتے۔ وہ عربی، انگریزی، ہندی، جو ہیں، وہ لکھ دیے ہیں۔  
(مشقی ہرگوپال، آئینہ شریعت، اگست ۱۸۵۸ء)

"بطریق لغوی بالاطریح" اس کا التزام کیا ہے کہ زبان فارسی قدیم، جو دوسری کی زبان ہے  
اس میں نیچے لکھا ہوا ہے اور سوائے اسما کے کہ وہ بدلے نہیں جاتے، کوئی کثرت عربی  
اس میں نہ آئے۔" (چندوہری، جلد الثغور، ص ۱۸۰، نومبر ۱۸۵۵ء)

"نثر فارسی زبان قدیم میں ہے کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے۔"

(لجے سہت علی خاں عزیز، ۱۸۵۹ء)

"کتاب مستطاب تاویب زبان فارسی قدیم ہے آئینہ شریعت عربی۔"

(سرور، قی، دستخط، نومبر ۱۸۵۵ء)



کتاب کو بالخصوص اور بالاطریح قدیم فارسی میں پیش کرنا حکمت سے خالی نہیں تھا۔ اس وقت چاہے  
کو دوسری کی بنیادی زبان میں لکھ کر غالب نے دوبارہ افادہ و اصلاح پہلی بات کو کمالی فن کا اظہار و اشتہار،

ہین غالب نے دوستوں کو اپنے اس احساس کے مزہ بولتے ثبوت کے طور پر پیش کیا کہ وہ فارسی کے علم میں بیکتا و لیک نہ ہیں اور خاص فارسی زبان پر بھی قدرت اور دسترس نہیں حاصل ہے، آج اس کی تکرار و تکرار کیا جاتا ہے اور کیا پاس نہیں لیتے۔

دوسری بات یہ کہ غالب ہیں معاشرے کے فروغ تھے، وہ پرانے نظام کا حامی اور نئی عمارت سے نفرت تھے۔ جمیع اہل ہند، کیا ہندو، کیا مسلمان، بہادر شاہ ظفر سے کسی نہ کسی درجے میں عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور ان کے دل بادشاہ کی عزت اور عظمت سے کسر خالی نہ تھے۔ بہادر شاہ ظفر کی ذاتی اہمیت کے بارے میں دوراں میں ہو سکتی ہیں، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کی حیثیت ایک علامت اور ایک نشانی کی تھی۔ وہ ڈوبتا ہوا سورج سی، لیکن وہ ایک ایسی بج کی شام تھی جس میں ہندوستان نے اپنے سیاسی وقار اور تمدنی عظمت کے نادر جلوے دیکھے تھے۔ یہی وہ تھی کہ وہ طاقتیں ملک جو کچھ عرصے سے سلطنتِ مغلیہ کے مد مقابل آگئی تھیں (۱۸۵۷ء میں) بہادر شاہ کے گرد جمع ہو گئیں۔

شاہ کے مقابلے میں، فرنگیوں کے لیے، اہل ہند کھلی گویاں ہی کوئی جگہ نہیں تھی لیکن ۱۸۵۷ء کی دادر گوہر نے ان کے دلوں میں فاصلہ بہت ہی بڑھا دیا۔ انگریز حکام کی بے جا سازندہ تحقیریں میں کتاب لکھنے کا تجربہ سامنے نہیں آگشت نانی کا باعث ہو سکتا تھا اس سے بچنے کے لیے غالب نے یہ سرگزشتِ مستعار اور مژدہ فارسی میں لکھنے کے بجائے، فارسیِ قدیم میں لکھی اور نانی کی فارسیِ قدیم کہ جس کا ہندوستان کا تو کیا بلکہ پارس کے بادشاہوں میں نشان نہیں رہا تھا، ان کا کتاب کے چند بیانات بیش تر اہل ہند کے لیے سر بہتہ راز رہیں۔

مختصر یہ کہ اپنے عہد کی مستعار اور مژدہ فارسی کی جگہ، بہادری فارسی نانی سے برتری میں نہ دوا د لکھنے میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ اس نادر و بیگانہ روش تحریر کو اپنے کمال فن کے طور پر پیش کرنا مقصود تھا اور دوسری مصلحت اس میں یہ تھی کہ معاشرہ اہل ہند کے لئے کتاب قبل ایک ہو کر رہ جائے۔ انگریز حکام کو تو اس کتاب کے مقابلے تھے، بہر نوع اپنے فارسی خواں غلے کے ذریعے اس فن کو کھلانا ہی تھا، غالب کی چال یہ تھی کہ کتاب اپنے نادر و بیگانہ تحریر کی وجہ سے ہندوستان کے لیے سر بہتہ راز رہے تاکہ وہ ان میں مسموم اور مہم ملامت بننے سے محفوظ رہیں۔

غالب کو اپنا اس مقصد میں بڑی مصروفیت کا سامنا ہی ہوئی۔ ایک طرف انگریز حکام نے ان کے کمال فن کی داد دی۔ پیش کی نہالی کی سفارش ہوئی۔ عالی مقام حکام سے وہ دوسرے مسائل پر دست برداری پر گئی۔ ان کی خوشنودی اور سرپرستی حاصل ہو گئی، تھکنہ عقلی سے تعلق کی صفائی ہو گئی۔ غرض کہ گناہی سموت ہوا۔ ایک گود سکون ہوا۔ پیش کا زبردستہ سالہ۔ پانی پانی مل گیا۔ آئندہ کے لئے خرچہ خرچہ رہا کچھ غفلت بھال ہو گیا اور دوسری طرف کتاب اہل ہند میں بالعموم نہیں لکھی گئی۔

## (۲)

”یہ جو تم نے لکھا ہے کہ صاحب نے جن کراس کو پسند کیا میں جیسا کہ میں نے کون سا مقام تم نے چھوڑا ہو گا کیونکہ کبوں کہ صاحب (دوستوں کی) اس عبارت کو سمجھے ہوں گے ؟ اس کی جو حقیقت جو عقل مکسور۔۔۔“ (غالب بنام، آرام، ۱۱ اگست ۱۸۵۸ء)

”میں اس کتاب (دوستوں) کی تصحیح میں اس لئے کرتا ہوں کہ ہمارے کاؤ صلیک نیا ہے صحیح کا درست پر مبنی بڑی بات ہے اگر غلط ہو جائے تو پھر وہ عبارت فری خرافات ہے۔“ (بنام، میر، ستمبر ۱۸۵۸ء)

”یہ کتاب (دوستوں) جو مرسل الیہ کے مطالعے میں ہے۔ پھر نہ اس دوسری کتاب کے قسمت کی ابھی ہے۔ یعنی خود ملاحظہ فرما رہے ہیں اور اگر کہیں پوچھنا ہو گا تو یقیناً یہ کتاب سب کو چھوڑیں گے۔“ (بنام، ۹ ستمبر، دسمبر ۱۸۵۸ء)

”جیسا کہ اس (دوستوں) کے دیکھنے کا حکم ہوا ہے وہ اہل علم میں سے ہیں۔ لیکن یہ طرز تحریر میں نہیں لکھا کہ یہ نادر ہے، اگر لکھا نہ لکھا ہے۔ خدا کے، وہ جو اس کی بے پھر مامور ہیں ان ادا کی کو پر مشورت آپ کے دیکھ لیں۔ اور کہیں کہیں آپ سے پوچھ لیا کریں۔“

(بنام، اپنے خیر، دسمبر ۱۸۵۸ء)

غالب کا اس میں یہ حاکم ”دوستوں“ کی عبارت کو محض درست پر مبنی بڑی بات ہے۔ فیم عبارت تو بہت دور کی بات ہے۔ سودہ کی ہر ایک کے پس کی بات نہیں۔ عبارت کا ڈھنگ نیا ہے اور طرز تحریر نادر ہے، یہ لکھنا آشنا ضرور ہے۔ اس لیے اہل علم و فضل بھی اس عبارت پر سے سرسری گزر سکتے ہیں اور ایسا ہی ہوا کہ کتاب اچھے اچھوں کی بھ سے ہلا رہی۔ یہ اسی شوروی کو کشش کے

ساتھ لکھی بھی لکھی تھی۔۔۔

”دستنبو“ مشیر الدولہ رائے سید سنگھ بہادر کی مالی اعانت سے چھپنا شروع ہوئی تھی۔ وہ دہلی کالج کے فارغ التحصیل اور والی احمد پور کے تعلق تھے لیکن ”دستنبو“ کی عمارت جنی ٹاؤن کے نزدیک آن پبلک کے میں کی بات نہیں تھی، اس لیے وہ بے ضرورتی سمجھتے تھے کہ ”دستنبو“ رائے صاحب کو پا قاعدہ چڑھائی جائے۔

غالب نے منشی ہر گوبال تھتہ، مرزا حاتم علی بیگ، منشی شیخ دلائی آرام، منشی شیخ حسن حبیبر اور ان کے صاحبزادے منشی عبداللطیف پر مشتمل ایک کونسل ”تھکیل ٹوے دی تھی“ جو اگر وہ میں کتاب کی تجویز تصحیح، تزئین، تصنیف، تجمیلہ اور طباعت و اشاعت کے لئے سرگرم عمل تھی۔ قریب و کثرت اور اشاعت و طباعت کی ساری جزئیات ان اصحاب کے باہم مشورے سے طے پاتی تھیں۔ ایسی ایسی شہادت موجود ہے کہ یہ کونسل ”جو غالب کے بعد کتاب سے سب سے زیادہ متعلق تھی“ آج کی حقیقت جاننے سے حذور رہی۔

عبدالغالب میں اسب کہ ہر طرف فارسی ہی کا چلن تھا، کتاب فہمی کی یہ سطح اور شروع رہی ہو تو وہ صرف فارسی سے نا آشنا ہونے والی اردو دنیا میں ”اب اس کے بھنے والے جتنے ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مرقومہ اور غیر مشافہ فارسی میں ہونے کی بنا پر ”دستنبو“ عہد موجودہ کے لیے عملاً خزانہ و ریت کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے براہ راست استفادہ طلب کرنے والوں کی تعداد آج بہت زیادہ نہیں۔

اس اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اگلے صفحات میں ”دستنبو“ کے تفصیلی تعارف کے ساتھ ساتھ پوری کتاب کا اردو ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے تاکہ عام قاری بھی اس کتاب کے نہاں خانے میں جھانک کر یہاں کے کہ غالب نے اس میں کیا کیا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ”دستنبو“ کا اختصار منسل جانزہ اور اس کا اردو ترجمہ کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ غالب نامہ، جام، اکتھ، مؤرخہ، مارکست، ۱۹۵۸ء، ایک جزیرہ ۱۹۵۸ء

۲۔ خطوط غالب، مولانا ظفر رسول، ہر جلد ایک، ۱۹۶۹ء، حصہ ۱۔ ۱۹۶۹ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۶۹ء

۳۔ غالب نامہ، جام، کتاب، ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۸ء



(۱۳)

”صاحب! یہی دیکھی ہو (ام) تم سے اپنا ہے۔۔۔ اور پھر کام کیا، اگر جس نے میری جان لی  
 ہوئی چاہوں میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ خدا کے واسطے  
 یہاں تھی دیکھو اور بدلہ دیتے ہو ان کی جگہ پر تو تیرے بڑے“ (غالب بنام) آئندہ“ (مترجمہ ۱۸۵۵ء)

غالب نے ”دستبنو“ کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا اور بتایا، اور یہ مقاصد و  
 مطالب انگریزوں سے وابستہ تھے۔ اس لئے انہوں نے انگریزوں کی معقولیت کے گم گئے ہیں۔ ان کے  
 مطالب کے لئے جہاز پیدا کئے ہیں، زیادتیوں کو بہت کم کر کے بیان کیا ہے اور ان کی سختیوں کو غلطی و غلطی  
 قرار دیا ہے۔ جب کہ وہی سپاہیوں کو شہید ہر، دیوانہ و آوارہ، بدباہن بہرہ خاں بتایا ہے اور انہیں  
 غیرت، انصاف اور شجاعت نام فساد کی ٹھکانا ہے اور ان کے طرز عمل کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب  
 قوی غلط فہمی کی بنی ہوئی تھی۔ یہ اپنی طاقت اور انگریز حکومت کی غیر عزائم میں ہے۔

اس کے پرنس ۱۸۵۷ء کے ”قتلہ و فساد کا نام“ کی پریس تک بطور خاص خطوط غالب کا موضوع رہا  
 جو زبان تراش اس حال کے پیرے کئے گئے کہ یہ کسی بھی جگہ بھی اس لئے اس موضوع پر خطوں میں غالب نے  
 جو کچھ لکھا ہے، وہ بڑی حد تک ان کی غیر رسمی اور سچی رائے ہے جس پر مجرد سر کیا جاتا ہے۔

”دستبنو“ اور خطوط غالب میں موجود مختلف مواد کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ہم غالب کو کشمکش کا شکار  
 پا سکتے ہیں۔ جذبات کا مطالبہ اور تھا مصلحت کا تقاضا کچھ اور۔۔۔۔۔ خطوں میں انقلاب ۱۸۵۷ء سے متعلق کتاب  
 کے حقیقی جذبات اور ان کا سوز و درد چھلکا جاتا ہے۔ ”دستبنو“ میں حقیقی جذبات کا تقاضا مصلحت کے ہاتھ سے  
 دب گئے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ٹھیک کہا ہے کہ

”مومنوں و متانتیوں نے انہیں انگریز حکام اور گورنروں کی چوکت پر گرا دیا تھا اور مدعیہ تہجد  
 (نظم و خورشید) لکھوائے تھے، تاہم میرزا صاحب مشفق و مہربان کے خطابات اور ساتھ ستر  
 روپے (کی پاشی اور) خلعت اس نظم کواری کا سرجم نہیں ہو سکتا تھا، ۱۶۸۵ روپے نقد سے اس کی  
 دل پر لگا ہو گا۔ ایک حیثیت الا راہ و انسان وقت اور امتیاز سے محروم ہو کر مدعا پائیں اور یہی  
 دل سے کر جیتا ہے، مگر کچھ اس سے دل کے اعلیٰ عموماً و جذبات مٹ نہیں سکتے، علی الخصوص  
 ایسے حالات کی برائی اور تحسین سے متعلق کے موضوعوں پر۔“

(غالب اور ابوالکلام) ”حقیقی صدیقی“، دہلی ۱۹۶۹ء (ص ۶۷)

یہ شخصیات ایک ایسے شخص کے حکم سے ہیں جو نئے زور و شوق کا ایک سنگم ہے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ جن اسلامی قوتوں کے آخری ترجمان کے طور پر کام لیں۔ پھر یہ اطلاعات اس لیے ہی قابلِ توجہ ہیں اور جتنی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں کہ کھنڈے نئے دلی میں بیٹھ کر اُس وقت فراہم کیے گئے۔ جب سوچا تو ان سر سے گندہ رہی ہے۔

یہ سوچا کہ اسے خود کو اس طرح نہیں، لیکن تاریخ کے متبرخہ خد کی حیثیت سے یہ جانتی ہے۔ یہ دہلی اور اہل دہلی کی تباہی کا دنگداز مرثیہ اور اُن کے طرز احساس کا نادر مرقع ہے جس کے نقوش کی بنیاد پر انقلابِ ستاروں کی معروضی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔

بعد ازاں قادی کے ضمن میں خطوطِ غالب کے رمانات، جا بجا ”دعوتِ“ کے مندرجات سے مختلف اور مستحکم ہیں، اور یوں دونوں کے تقابلی مطالعے سے غالب کی سیرت و شخصیت کی تحقیق و تعمیل کا ایک نیا پیمانہ سامنے آتا ہے۔

۱۸۵۷ء کے حادثہ کبھری اور ”تشیبِ خطی“ پر غالب کے دلی جذبات اور اصلی عسارت کا اظہار اُن کے خطوط میں ہوا ہے۔ ————— انقلابِ ستاروں کی جو جہت جہتِ ردِ دل، خطوطِ غالب میں بھی لیکن مختصر ہونے کی بنا پر بھی ہوئی تھی اور اس انقلاب کے اشعار، اس کی جو جھلکیاں غالب کے خطوط میں محفوظ لیکن بھری ہوئی تھیں، اور ان کتاب کے حصے حصے میں، انہیں مرتب اور یک جا کر دیا گیا ہے۔

(۴)

آخری حصے کتاب میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اس حادثہ کبھری پر غالب کا فطری ردِ کیا اور اس تشیبِ خطی کا ان کے شعرا و دانشور کیسے لکھیں اور کیا اثر پڑا؟ غالب مردِ مومن میں اُردو و فارسی اور شعر و نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ میر تقی میر کے انقلابِ ستاروں نے ہم سے شاعرِ غالب کو بھی لیا، جب کہ شعر نگار غالب کا ظهور، اس انقلاب کے بعد ہوا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ غالب کو اس مقام پر پیش کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ کتاب کا یہ حصہ بھی شوقی اور دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

انقلاب ستاروں کے موضوع پر غالب نے اپنے خطوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس سے الگ دہلی کی تباہی کے بارے میں، غالب کی فقط ایک اردو تحریر ملتی ہے۔ یہ آئن کا ایک مختصر مضمون ہے جو انھوں نے دہلی سوسائٹی کے ایک جلسے منعقدہ ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء میں سوسائٹی کے سرپرست کرنل ہلٹن کشتروہلی کے رہنما پر پڑھا۔ اس نامہ تحریر کو کتاب کے ضمیمہ اول کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ مضمون نومبر ۱۹۵۵ء کو ہند میں کہن راج کا فائنل ہو گیا اور ملک و کنویر کے ایک اعلان کے مطابق بشیم براہ دوست راج برطانیہ کے زیر نگین آ گیا۔ اس پر غالب کا رد عمل ایک تہنیتی قطعہ اور تعجب سے کی صورت میں سامنے آیا جب کہ ملک و کنویر کے اعلان کے جواب میں اودھ کی ملک بشیم حضرت محل نے ایک ایسا فرمان جاری کیا جس کا ایک ایک حرف حضرت محل کی عید اور مغربی اور روشن ضمیری پر ولادت بنا ہے۔ یہ اعلان اور فرمان دیدنی ہے۔ یہ دستاویزیں جس شکل میں ملیکیس ضروری حواشی کے ساتھ بطور ضمیمہ دوم، آخر کتاب میں شامل کر دی گئی ہیں جنہیں ہے کہ برتھریں تو جیسے پڑھیں جائیں گی اور سامانی بصیرت فراہم کریں گی۔



انقلاب ستاروں سے متعلق غالب کی چار ناوردہ قلمی تحریریں کے عکس و منظر ۱۱، ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ غالب کے حوالے سے جن تصاویر و منظر ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ بھی شامل کتاب ہیں۔ یہ سب تحریریں اور تصویریں راقم کے ذاتی ذخیرہ غالبیات کی زینت ہیں اور پاکستان کی مددگاہ ہل بد شائع ہو رہی ہیں۔ یہ ہے کہ انھیں شرق اور پڑھیں سے دیکھا جائے گا۔



یہ کتاب بشیم کے نامہ اور بزرگ ترین غالب شناس، مصنفہ مشرق محمد عبد الرحمن چٹائی صاحب کے کلمات، استقبال کے ساتھ سامنے آ رہی ہے، اس لفظ خاص کا شکر کیوں کر ادا کیا جاسکتا ہے! سید عابد علی عابد نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ "وراصل یہ نزول برکات اور صد درخشاں ہے کہ ہم میں چٹائی صاحب کی موجود ہے جسے مغرب کے نقاد بھی چٹائی کا مقصد تسلیم کرتے ہیں، اور جس کی تصاویر کی نشاۃ ثانیہ دہلی کے بہت سے شہروں میں ہو چکی ہے۔"

مشرق چٹائی (۱۹۵۲ء) اور نقش چٹائی (۱۹۵۳ء) کے نام سے دہلی غالب کی ویر مقصد

اور نواب سار شامیوں کی ترتیب و ترتیب اور کلام اقبال کے مستور ایڈیشن میں چٹائی (۱۹۹۹ء) کا ساندو جلدیہ اور عارفین کھنڈار و اجلاس دینے کے بعد آج کل چٹائی صاحب کے پیش نظر یہ ہے کہ وہ اسلامی مکتبہ کے ہم سے کلام کتاب کا ایک نیا ایڈیشن شائع کریں۔ اس کا عنوان انہوں نے "کار چٹائی" تجویز کیا ہے۔ یہ کام جس کی طرح تھوڑا لچکے ہیں، انہی کی گزند کے مطابق پورا ہو گیا، اور خدا کرے پورا ہو جائے تو یہ بڑا کام ہو گا اور نہ صرف بھنوری کی تحقید اور اسلامی کتاب کی پشت پر پورا کرے گا بلکہ خود صاحب کار و کتاب کو بھی گزند و اہل تربیت دے گا۔



زہرا نے اپنے کالی کی مٹکی اور خاندان دوسری کے دو ہرے بکھیروں کے ساتھ ساتھ میرے لیے کتاب اہلیان کا ایسا ماحول فراہم کیا جس کے بغیر توجہ اور کسوٹی سے لکھنے پڑھنے کا کرنی کام کر لینا مجھ سے ممکن نہ ہوتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں فکر کے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب زہرا کی مفاہات اور اعانت ہی کا حاصل ہے۔

روشنی اس کے دم سے ہیں شام دوسری  
پڑ تو اسی کا کچھ سرے افکار میں بھی ہے



کافذ کی اس گرانی اور کیا ہی کے زمانے میں نیاز احمد صاحب کا اس نیاز مند کی کتاب چھپا  
— ہر کے کیا مدح، "فکر اچھی پر تاش ناتمام"



کتاب طباعت کے لیے جلدی ہے، یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے لیکن میں غریبے پر غلبہ کے شے سے کچھ رنگوں کی یاد لے بے چین کیے دے رہی تھی پچھلے اور اعلیٰ برسوں میں آگے پیچھے دیکھتے ہی دیکھتے سرفراہم بکول سرور دہشت ۱۹، نومبر ۱۹۹۱ء، ڈاکٹر عبد الستار صدیقی (۱۹۱۰ء تا ۱۹۹۲ء)، ڈاکٹر امین اکرم (۱۹۱۰ء تا ۱۹۹۲ء)، ڈاکٹر شوکت سبزواری (۱۹۱۰ء تا ۱۹۹۲ء)، اور پروفیسر عبد الحمید احمد خاں (۱۹۲۲ء تا ۱۹۹۲ء) راہیں مکتبہ دم بھرتے۔ کچھ انہیں اپنے دو بیان نہ پا کر دل خون ہو جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ میری صلی کے نصرت اول میں غالب شمس کے طور پر چھانٹے دس قد اور نام اچھے اُن میں مولانا غلام رسول ہر



مجھے ایک مختصر سی مدت کے لیے خراب ہو کر رہی تھی میں ان کی رفاقت کا کاشف بھی حاصل ہوا۔ ان کے دیکھ کر کھانا اور وضع دلی، تہذیب و شائستگی کی کتنی ہی پرکھیں اور پرانے کاروبار میں بھی وہی سے ذہنی متحرک اور مصروف رہا لیکن یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ غالب میری عزت ہے، یہ دریافت ہوئی کہ ایک پر فہم و فاضل اور پر فہم و فاضل حیدرآبادی تھا۔ انھوں نے مجھے کام پر لگایا، بڑھایا اور بظاہر سب کے لیے طرہ بھوکا راہ مستقیم کر دی

پر فہم و فاضل حیدرآبادی نے کم کما، لیکن جو کما، وہ کم تر نہیں، انھار میں احتیاط اور صحت و کمال اور تمام کا خیال ہمیشہ اس کا ہوا۔ یہ ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ہی تھا جس نے ان کے قدم پر ایک روک لگا دی تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ کما اس پر کہیں انگلی نہیں رکھی جا سکتی۔ غالب کی حیات، شخصیت، ان کی نظم و انضباط، محبت، غالب کے فن پر پر فہم و فاضل حیدرآبادی کا لکھا ہوا ایک ایک نقطہ صنوبت سے بھر پور ہے اور حقیقی حیدرآبادی دیکھتا ہے۔

ترقی کاروں کو دیکھا ہی ہے اپنی نفس و انگلی کے زمانے میں ڈاکٹر شریک سبزواری کے شخصی سلج پر باہم متنازع اور محبت کا جو تعلق قائم ہوا، وہ آخر دم تک بددور رہا اور قری تر ہو گیا۔ سبزواری صاحب کالم ہی ہے کہ اس نے سارا ترسیل علم کا جس انھیں ایک طرح سے ٹکڑے کی طرح کر جنون تھا، ان کی محبت اور رفاقت سے میں نے توفیق سمجھ لیا۔ ابتداً مولوی عبدالحق، ہم دونوں کا محبوب اور مشترک موضوع تھا، پھر غالب کا تذکرہ بھی رہنے لگا۔ غالب کے فلسفے اور فکر و فن پر سبزواری صاحب کو نفس مطمئنہ حاصل تھا۔ اب سچا ہوں تو غالب سے اپنی قربت میں مفید اور صاحب اور صاحب کے ڈاکٹر شریک سبزواری کی ہم نشینی کا نزاع داخل محسوس ہوتا ہے۔

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ  
کہیں دھندلے نہ پائیں گے یہ لوگ



یہی ہے کہ ہمیں کوئی کتاب بھلاہوت کے لیے عار ہی ہے، یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے، لیکن اس پر غلط فہم غالب کے دشتے سے کیے دنگوں کی یاد مجھے بے چین کیے دے رہی ہے۔

مسک

شعبہ اردو گورنمنٹ کالج، لائل پور

۱۰۔ جون ۱۹۷۰ء

## ”دستیو“ کا تعارف



- غالب کی زندگی میں ”دستیو“ کی شاعریں  
 ”دستیو“ کا موضوع اور موضوعات  
 ”دستیو“ تجویز سے طباعت تک  
 دستیو کی جا بجا ترمیم  
 انگریز حکام سے براہ درمجم مراسلت کی تجدید  
 پیشی کے اجراء کی امید  
 ”دستیو“ اور نئے انعام کی آرزو  
 ”دستیو“ میں عکس و کفریہ کی مدح کا قصیدہ  
 طبیب اول کا سرورق  
 طبیب اول کے خاتمے کی عبارت  
 مہر اور آفتاب کے قلماء کا تاریخ
- حجۃ کا کتاب سے تعلق  
 ”دستیو“ کی زبان، فارسی قدیم  
 فارسی قدیم کے اختصار میں حکمت  
 ”دستیو“ اور آؤد و خطوط کی جگہ و ترتیب  
 طبیب اول کا لکھنا اور لکھنا  
 ”دستیو“ کے چند رجحانات کی حقیقت  
 ”دستیو“ کی غرض و قصیدہ اور اہمیت  
 ”دستیو“ کے دوسرے ایڈیشن کی عبارت  
 ”دستیو“ کی تیسری اشاعت ”در کلیات“  
 آئینہ سولی صدی کی بعض دیگر شاعریں  
 ”دستیو“ کے ایک قلمی نسخہ کی نکال دہی

”دستبرد غالب کی زندگی کے تین ہر شاخ ہوئی۔ وہ بد بھلا گدا اور ایک بار ”نکیاتِ نثر غالب“ کے ساتھ ان میں انا حوالے کے کتاب کی کراکت یہ ہیں:

۱. طبع اول، طبع مفید غلامی، اگرہ، نومبر ۱۸۵۸ء

نگرانِ اشاعت، آفتہ، حلیہ، مہرا اور آرام

صفحات ۸۰، مسطر

۲. طبع دوم، طبع لٹریچر سوسائٹی رومیل کھنڈ، برہیل، ۱۸۴۵ء

پانچام، منش پند لال

صفحات ۱۱۱، مسطر

۳. طبع سوم، ”نکیاتِ نثر غالب“

طبع نو کشور، کھنڈ، جنوری ۱۸۶۸ء

پانچام، منش نو کشور

صفحات ۲۲ (صفحہ ۱۸۹ تا ۲۱۲)

۴. طبع اول (۱۸۵۸ء) کے سرورق پر کتاب کے موضوع اور عنوان کو اپنی کلمات سے ظاہر کر لیا ہے:

”کتاب مستطاب تالیف --- جس میں صنعت نے اپنی سرگزشت ایتھانے ۱۸۵۷ء

سے ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے۔“

پہلی بات تو یہ کہ غالب نے صرف ”اپنی سرگزشت“ ہی نہیں لکھی، برعکس اہم مقام کتاب



میں تمام واقعات و حالات اور برہانے تقریباً شہر و پناہ کی رودادیں درج کی ہے اور دوسری بات یہ کہ اس سرگزشت کا آغاز ۱۸۵۸ء کی ابتداء سے نہیں ہوا، بلکہ کتاب بعد از طبع و تصدیق ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتی ہے۔

”میں نے گیارہویں مئی ۱۸۵۷ء کو اپنے چچا کی روحانی ۱۸۵۸ء تک کی روداد عرض کی ہے۔

”جبکہ اس کا نام رکھا ہے اور اس میں موت اپنی سرگزشت اور شاہی کے بیان سے کام رکھا ہے۔“ (تاریخ غالب نام، انشاء اللہ شوق، اکتوبر ۱۸۸۵ء)۔

”۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا میں نے اسی دن گھر کا دروازہ بند کرنا چاہتا سو قوت کر دیا۔ بے عقل، زندگی بسر نہیں ہوتی۔ اپنی سرگزشت حسن مشورہ کی جو بنائی ہوئی تھی میرے سرگزشت کے نکالنے۔“ (چچا کی یادداشتیں ص ۱۸، نومبر ۱۸۵۷ء)

”میں نے آغا خان زادہ جم مئی ۱۸۵۷ء سے ہی دیکھ چلا ۱۸۵۸ء تک دیکھ دیا وہ میری بیٹی پندہ بیٹے کا سال بزرگی تھا ہے۔“ (مشقی برکویاں، تفریح، اگست ۱۸۵۹ء)

”مئی کی گیارہویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتوبر ۱۸۵۸ء تک پندہ بیٹے کا حال میں نے لکھا ہے۔“ (پوسٹ مل خاں، سرج، ۱۸۵۹ء)

یہ مشقی کو انہی (اگرچہ یہ کہ ”جبکہ“ میں اپنی سرگزشت اور شاہی ہے) سے کام رکھا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ فساد شروع ہونے کے پہلے دن ۱۸ مئی ہی سے انہوں نے گھر کا دروازہ بند کرنا چاہا، سو قوت کر دیا تھا تو پھر شاہی کے کیا گناہ ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ غالب نے تلخ مشقی کی مائیں پر ایک قلم چل نہیں کیا، بلکہ والی راچہ دیکھ کر ان کے ایک خاموشی غلط طور پر ۱۸ جنوری ۱۸۵۸ء سے جو پیدا ہے۔ غالب کی مصمصی طبیعت کے پیش نظر بھی یہ بات ممکن نہیں کہ انہوں نے ایک آن کرک مشق کر لیا ہوگا۔ بعض مسامحہ نویس بھی اس امر کی موجودگی کہ غالب ”فساد“ کے ایام میں لکھے جاتے رہے ہیں۔ عبدالمطیب اپنے صندوق پتے میں لکھتے ہیں کہ ۱۸ و ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء میں کے قلمبردار مسلمان خاں غالب، ایلان شاہی میں آداب بجالانے کے لئے حاضر ہوئے اور میں بوسے سے شروع کی حامل کی اور ایک غریب و پیش کی یاد دہانی کے حکم سے ہر روز کے لئے قرآن مجید پڑھا دیا۔“ یہ جو قلمبردار ہوئے، قلمبردار مطیب نے ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو ان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ قلم الدولہ غالب اس وقت خاں غالب نے ایک قلمبردار کو کہہ کر شاہی اور غلامت فریب کی کیا؟ (۱۸ و ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء) یہاں تو عبدالمطیب سرسبز قلمبردار تھے، احمد شاہی دہلی ۱۸۵۸ء) نیز جو کہ ”خدا کی بیک خیم“ حسن لکھا، دہلی ۱۸۵۹ء ص ۱۶۹۔

”میں ساری کوشش سے جولائی ۱۸۵۸ء تک کی روداد میں نے کھنچے۔ یکم اگست سے تمام اگست  
(تقریباً ستر دن) تک دیا ہے۔“

”یکم اگست ۱۸۵۸ء تک میں نے چندہ میں کمال حال لکھا، اور آخر وہ کتبہ موقوف کیا۔“

(میر محمدی مکتوبات، ۸ اگست ۱۸۵۸ء)

میں نے بعد تو طبع و تہیہ آغا زمینی ۱۸۵۷ء سے اپنی سرگزشت لکھی ہے اور یہ حقیقت انتہائی

تمام، دکان کے گلاس میں درج کیے ہیں۔“ (بام ۱۸، ستمبر ۱۸۵۸ء)

”میں نے سرکار کی فوج کا حال نہیں لکھا، مگر یہ بھی چندہ میں کی سرگزشت لکھی ہے، تقریباً  
شہر و پاد کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ اپنی سرگزشت جو میں نے لکھی ہے، سوا بتدار ۱۱ برس

۱۸۵۷ء سے ۱۳ جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے۔ شہر حرمی میں مستحق ہوا۔ اس کا بیان بھی ضرورتاً

آگیا۔“ (منشی شہدائاتی کا نام، اکتوبر ۱۸۵۸ء)

غالب کے خطوں میں ”دوسری تصانیف کے مقابلے میں“ ”دخنیو“ کا ذکر اور اس کی اشاعت  
کی روداد یا تفصیل محفوظ ہے۔ اس کا ذکر سب سے پہلے ۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں آیا ہے  
جس کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں۔ غالب کہتے ہیں:

”میں نے بعد تو طبع و تہیہ آغا زمینی ۱۸۵۷ء سے اپنی اپنی سرگزشت لکھی ہے اور یہ حقیقت

انتہائی تمام دکان کے گلاس میں درج کیے ہیں۔ شیو لوزم، مایلازم مری رکھا ہے یعنی فارسی

جہاں میرزا لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی میں وہ فارسی تدویم کر جس کا اب پارس کے بلاد میں نکلتا

ہی نہیں، تاہم چند دستاں ہیں۔ رسد؟ پائس میں لکھ چکا ہوں۔ انعام میں انگار بھی ہے کہ نہیں

نے رسالہ تصویر بہت بات کی ہے مگر یہ سب محض کھنچنے سے اس خط کا کاپی ہے۔ شمار فروری ۱۸۶۴ء میں شائع  
کیا اور لکھ کر یہ خط ان کے چہانہ کے نام سے لکھا گیا تھا۔ اس خط کے بعد چند روز بعد ہی نے اس خط کو اپنی  
تصانیف تاریخ ادب (ج ۱، ص ۲۵۰-۲۵۱) میں نقل کیا اور اس طرح یہ خط غالب کے مکتوب ”جور“ کا جواب کا حصہ بن گیا۔  
کھنوی نے ڈارڈو کے نقلی نسخہ کی آرائش، ص ۹۸۹-۹۹۰ کے شیو خان کے نام کا نام تحریر کیا ہے جو صحیحاً غلط ہے،  
اس لئے کہ انعام سے غالب کا تعلق تھو کے ذریعے ہوا اور اس خط کی تاریخ تحریر کے کچھ عرصے بعد ہوا۔ معنی داخل  
شہدائوں کی بنا پر مجھے یہ خط حکیم نظام بخشہ خاں کے نام معلوم ہوتا ہے۔ یہ جی کہیں کہیں کے نام ہیں ہے اس سے غالب کی  
پرانی مراسلت ہے، نیا نقل نہیں۔



دو خط و شیر پختی چندہ مہینے کا سال، نظر میں رکھا جا اور انعام اس کا کیا ہے کہ "مستاجر کی  
 جہاد یعنی پارس کی توکیم کھی جا سادہ کوئی خطا کرنا دیکھتے، جو نظم اس خیریت دیتی ہے  
 وہ بھی بیکار پیش خطا کرتی ہے۔ اس اشخاص کے نام بدلے نہیں جاتے۔ وہ مرنے، انگریزی،  
 جندی جو ہیں، وہ کچھ دیکھتے ہیں۔ یہی میرا خط جیسے اس دقت میں ہے، نہ چھوڑا، نہ گنہگار، مطلق  
 اپنے سطر یا اس طرح کسی سطر میں سطر اور کسی میں بائیں سطر بلکہ کسی میں بائیں سطر بھی آئے  
 جائیں سطر یعنی ہیں، دقت ہیں، اگر انہیں سطر کے سطر سے کوئی گنہگار کھے تو شاید وہ جزدی، آ  
 جائے یہاں کوئی مطیع نہیں ہے، سنا ہوں کہ ایک ہے اس میں کوئی نگار خوش فہم نہیں  
 ہے، اگر ان کے میں اس کا بھاپہ ہو سکے تو بھلا کواطلاع کرو، اس جہی دقتی اور بے توانی میں  
 ہیکن کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں۔ لیکن صاحب مطیع اس سے پہلے یوں مانے گا اور البتہ چھٹے  
 کہ اگر جزدی نہ ہوں تو نہ سواد تو بھلائی جائے، تھیں ہے کہ پان سات سو ہلا چاہنے کی صورت  
 میں میں بپا چار آنے قیمت پڑے، کوئی تو ایک ہی ہوگی، رہا کا قضا، وہ بھی بہت دھنگے گا۔

کھائی، تن کی تو ایک معلوم ہو گئی، ماحیہ پر البتہ لطافت کے معنی کھے جائیں گے، ہر ہر حال  
 اگر ممکن ہو تو اس کا گلد کرد اور حساب معلوم کر کے بھلا کر کھو — ضرور! ضرور!

تفتہ نے کتاب کا سودہ دیکھا نہیں تھا۔ غالب نے بہت کچھ لکھا، لیکن کانٹے کی اس بات کی  
 وضاحت نہ گئی کہ "دو خط و شیر" کس کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے؟ یہ نئی نگار کی تحقیق میں ہے؟  
 یا نگار نے لکھی کی تائید میں؟ جس سے نسب کا تعلق ڈھل چکی بات نہیں تھی۔ ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کے ایک  
 خط میں غالب، تفتہ کو کچھ چکے تھے کہ:

"مفضل صاحب! کچھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ نماز میں غلغلہ شدت ہے۔ باز پرس اور وار و گھر  
 میں مبتلا ہیں۔"

اور یہ باز پرس اور وار و گھر افراد و اشخاص ہی سے خاص نہیں تھی۔ بلکہ امتی ادارے اور اخبار  
 بھی شہت اور وار و گھر کا نشانہ بن رہے تھے۔ ۱۳ جون ۱۸۵۷ء کو اخبارات پر پابندی لگا دی گئی اور  
 اخباروں کے اُن قواعد و قوانین کو منسوخ کر کے جو ۱۸۳۵ء سے بلا کسی ضرورت ترمیم کے نافذ چلے  
 آ رہے تھے اور جن کے نتیجے میں آقا خاں لغات سے مئی ۱۸۵۷ء تک کے قریب بائیں برس کے  
 طویل عرصے میں "اخباروں کے ایڈیٹروں اور حکومت کے افسروں میں تصادم کا کوئی قابل ذکر

واکھیشہ دیا " ایک نیا سنت پریس ایکٹ نافذ کر دیا گیا اس کا ردوائی کے پس پشت گورنر جنرل کا یہ بھی اور احساس کام کر رہا تھا کہ :

" اس بات کو نوک دے تو ہوتا ہے اور دیکھتے ہیں کہ گزشتہ چند ہفتوں میں دینی اخباروں نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں دلدادہ مذہب بنادیت کے جذبات پیدا کر دیے ہیں۔ یہ کام بڑی مستعدی، چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا ہے۔

(گورنر جنرل لارڈ ڈکنگن، ۱۳ جولائی ۱۸۵۷ء)

جیسا کہ محدثین صدیقی نے لکھا ہے " دارالحکومت کلکتہ جو انگریزی اور دینی اخباروں کا بھی بہت جاکر تھا اور حردارو گئے کی دوشیں بھی کسی اور علاقے سے پہلے ضرور تھا۔ وہاں کے تعلق پارلیمنٹری کاقدات سے معلوم ہوتا ہے کہ :

" بہت سے ہندوستانی انڈیا پریس ایکٹ (پریس ایکٹ) کا رد میں آئے۔ باغیاد مضامین پیش کے خرم میں دور میں، سلطان الاخبار اور ساچار مدھامہرشن کے مابین دنا شریر سو پریم کرٹ میں مقدمات چلائے گئے۔۔۔۔ ایک اور اہلہ "گلش توہید" کا بھاپہ قادیانی سرکار کے خلاف لکھا گیا تھا۔"

" باغیاد مضامین کی اشاعت پر مقدمات چلائے جا رہے تھے، پریس ضبط ہو رہے تھے اور اخبار ہیری بندش کی زد میں آ رہے تھے۔ اس پہ نظر میں کسی ایسی کتاب کی طباعت و اشاعت کی ہند میں کیا گناہش ہو سکتی تھی جو کہ پنی بھادر کے حکام کی تائید میں نہ ہو۔ چنانچہ جب ہندو ہم اگست ۱۸۵۸ء کے مذکورہ خط میں اسے تادشاہ غالب نے تفتہ سے کہا کہ :

میں نے۔۔۔۔۔ دیکھا دشیرین پندہ ہیںے کا حال فخر میں لکھا ہے۔۔۔۔۔ اگر اگر سے ہی اس کا بھاپہ ہو کے تو یہ کوا کا ج کر دے۔"

تو منشی ہر گوپال تفتہ جو خود بھی غالب کے شاگرد تھے، ہندو مذہب اور شکل میں پڑ گئے ہوں

۱۔ محدثین صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی، انجمن ترقی اور ہندو، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۵۷ء، صفحہ ۳۵

2. Natarajan : History of Indian Journalism, p. 68 also :  
Barns : Indian Empire, p. 257

(مکمل ہندوستانی اخبار نویسی، ایضاً، ص ۳۵)

تو مجب نہیں کہ یہ مواد انگریز عہداری کی تنقیص میں نہ ہو؟ تازہ غاید پریس ایکٹ کی موجودگی میں اس قسم "باغیانہ" کسی تحریر اور وہ بھی کتابی حجم کی تحریر کی طباعت و اشاعت کے لئے کسی پریس کو آسانی سے کیوں کرتی دیکھا جاسکتا تھا؟ غالباً قفقہ نے اس نوع کے اندیشوں کا اظہار کیا تو سوجا یا غالب نے انہیں "دخنیو" کے اوراق پیچھے اور کھٹاکر،

"بچاپے کھاب میں جو آپ نے لکھا ہے، وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے تب ہانوغے  
اجتام اور جملات اس کے پیچھے لائے ہیں، اس واسطے ہے کہ اس میں سے ایک جلد قلاب گورنر جنرل  
بہار کی نظر سمجھوں گا اور ایک جلد قذریہائی کے جناب کھڑکھٹا انگلستان کی تذکرہ کروں گا۔ اب  
بھوکا نظر تحریر کیا ہوگی؟ اور صاحبانِ طبع کو اس کا انبیاج کیوں نہ معلوم ہوگا؟"

اس صنفِ شیر اور الیمانیانِ بخش و فصاحت کے بعد قفقہ کے عہد شامت جاتے رہے اور کتاب کا  
مسودہ انہوں نے طباعت کے لئے طبع منہ دھلائی، اگر کے مالک و جہتم منشی شیونرائی آرام کے  
سہرہ کر دیا،

"صاحب! مجب کاٹا ہے قلم سے کہے سے منشی شیونرائی صاحب کو خط لکھا تھا، سو کل ان کا  
خط لکھا اور انہوں نے "دخنیو" کی رسید بھی۔ مالک کا ہرکارہ تو ان کے پاس لئے لگ گیا ہو گا آخر  
قتوں نے کیا کیا ہو گا۔ تم نے بھوکا اس کی رسید اور میرے خط کا جواب دیا؟ بھوکا تو  
موصوفہ ایسی نظر آتی ہے کہ اگر تم مالک ہو گئے ہو، کتاب طبع میں حائل کر دی۔"

یہ صنفِ دم تھا قفقہ مالک نہیں ہوئے۔ وہ کتاب کی طباعت سے ناخوار رہے اور کتاب  
ان کی نگہانی میں چلی۔ کتاب کے متعدد جہات اور اندازِ تحریر نے قفقہ کے الیمانیان کے باصفت، صاحب  
طبع نے خچہ پانے سے پہلے استیفاء مسودہ کتاب اگر کے کے حکام کو بھی دکھایا اور کتاب حکام کے  
مشکلِ ملاحظہ کے بعد ان کی اجازت سے چھپنا شروع ہوئی،

"صاحب! طبع نے مثولی سن منشی بگر پال قفقہ، پچھنا شروع کیا، اگر کے حکام کو دکھایا، بھوکا  
چاہی۔ بھوکا تم نے کمال خوشی اجازت دی۔" (مجموعہ اکابر، ۱۸۵۸ء)

اس سے پہلے، ستمبر ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں جبر و جح کو کتاب کا نام تحریر کر لینے کی  
اطلاعت دے چکے تھے،

"کتاب ۱۴۰۰، سنو ۱۰۰ کی، اگر میں بھائی جاتی ہے۔  
اندر اور در طبع کے ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں،

”میں نے یاد ہوئی مئی ۱۸۵۸ء سے اکتوبر ۱۸۵۸ء تک کی رسد کو بھی جے اور دو پندرہ سطر سے چار سو نو کی کتاب اگر سے کو طبعی منہ ضائع میں چھپنے کو لگتی ہے ”دستجو“ اس کا نام رکھا ہے۔  
مجموع کے نام غالب کے ایک خط امر قمر اکتوبر ۱۸۵۸ء سے معاملت کی صفت اور حرجی تفصیلاً سامنے آتی ہیں۔

”میں کیا باتیں کرتے ہو؟ میں کہتا ہوں کہ اس سے چھپانا؟ روٹی کھانے کو نہیں، مغرب پینے کو نہیں۔ جاڑے آتے ہیں، امانت تو کتاب کی فکر ہے، کتابیں کیا بھیجی اور لگا؟ منشی اس پر کنگھنے لے وہ خود دیکھا، پھر جانتے کہ قصداً کیا، اگر سے میں میرا گھر رشید منشی ہر گز پال لکھتے تھا۔ اس کو میں نے کہا، اس نے اس اہتمام کو اپنے ذمہ لیا۔ سو وہ بھی جائیداد آٹھ آٹھ نے فی جلد قیمت شہری پچاس روپیہ منشی اس پر کنگھنے میں دیکھیں روپے چھاپے خانے میں بطور جملہ دوسری مجموعہ ہے۔۔۔۔۔ پانچ جلد چھاپی جاتی ہے۔“

کتاب والی امداد کے اذوق ارانے اس پر کنگھنے کی ”ان منوں میں مالی امانت سے چھپ رہی تھی کہ وہ پچاس جلدوں کے شعلی خرید کر جوئے تھے جن میں سے پچاس انہوں نے غالب کو بد بیٹا دے دینا تجویز کیا تھا۔ رائے صاحب کے اگر وہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہوئے ۲۸ اگست ۱۸۵۸ء کے خط میں غالب نے لکھ کر دیا ہے کہ:

”تم اس رقم کو دیکھتے ہی ان کے پاس حاضر ہونا اور جب تک وہاں رہیں، حاضر ہونا اگر ۱۲ اور ”دستجو“ کے باب میں جو ان کا حکم ہو بجا لانا، ”ان کو (دستجو) چھپا بھی دینا اور فی جلد کا حساب بکا دینا۔ پچاس جلد کی قیمت عاریت کر دی گئی، وہ لے لیتا، جب کتاب چھپ چکے، دس جلدیں مانگے صاحب کے پاس امداد بھیج دینا اور پچاس جلدیں جو جب ان کے حکم کے لیے پچاس ارسال کرے۔“

یکم ستمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں لکھتے ہی کو لکھتے ہیں،

”جانتا ہوں کہ تم رائے امید کنگھنے سے ہی نہ ملے ہو گے، مجا ذرا کٹا میں ان سے شرمندہ رہا کریں، نے کہا تھا کہ ان مرزا لکھتے ”دستجو“ کو اپنی طرح پڑھا دی گئے۔“

۱۸ اگست ۱۸۵۸ء کے ایک خط نام منشی شیونائن میں بھی ان رائے صاحب کا ذکر خیر

آیا ہے:

”ایک خریدار پچاس جلد کے وہاں پہنچے ہیں۔ واسطے نما کے مرزا لکھتے سے کہیں کہ ان کو نہیں“

یعنی سید منگو یا خداوند دلے، وہ پہلی انٹ میں پریس کے کچھ اڈے رہتے ہیں۔

تقدیرا نے صاحب سے مل لیا اور کارپراسی میں کامیاب ہوئے۔

”مائے سید منگو نے جہ پر غارت اور مہلج کی افلاک کی۔ حق تعالیٰ ان کو اس کارساز اور

فخر نازی کا اجر دے۔“ (تقدیر، ۳ ستمبر ۱۸۵۷ء)

۳۱ اگست ۱۸۵۸ء کے خط میں منشی شیونانجی آرام کو کتاب کی تزئین اور تصحیح کے بارے

میں کہتے ہیں:

”باخت ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ کتاب دو مجڑویا پارچوں کی ہو۔ چھ مجڑوے کم ہو سطر

وں کی گیارہ سطر کا ہو، مگر عاشرین سطر سے چار ہے۔ شیونانجی کی طرف کا کم ہو۔ اس

کے سوائے کہ کوئی کی تصحیح ہو، غلطی کی حاجت نہ پڑے، آپ خود متحریر رہیں گا اور منشی

نئی پیش صاحب کھا لگ گئے گا تو وہ بھی شریک دیں اور مرزا تقدیر تو ملک ہی ہیں۔ کا فز

”شیونانجی ری“ ہو، غیر مگر سید اور مہدی کا اور صاحب دار ہو۔ مجھ کو کہ حاجت پر جو لغات

کے معنی لکھے جائیں تو اس کی طرف نظر کیا اور تقسیم، دل پسند اور نظر فریب ہو، حاجت کا قلم اپنی

حق کے قلم کے معنی ہو۔۔۔“

یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کے خط میں تقدیر کو کہتے ہیں:

”مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ہے کہ گویا تم ملک ہو گئے ہو، کتاب، مہلج میں حوالے کر دی اب

اس کی تزئین و تصحیح سب کے فرق نہیں ہیں، مگر یوں ہے تو میں اس انعام سے درگفتار بیگانہ

مطالب و مستلزم رہ جائیں گے۔“

تیسرے نوم ستمبر ۱۸۵۷ء کا حکام قمریوز“ تقدیر کو ارشاد ہوتا ہے:

”صاحب! کہیں وہ کہیں میرا کام تم سے آچھا ہے اور میرا کام کیا کہ جس میں میری جان لگی ہوئی

ہے اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ خدا کے واسطے

پاکو چہی دکھو اور بدل تو میرا کرو۔ میں نے ہرگز نہیں کھا کہ عبادت دو مجڑو میں آجائے

میں نے نہ کھا تھا کہ عبادت اس قدر ہے کہ دو مجڑو میں آجائے لیکن میں چاہتا ہوں کہ مجڑو

جو لغات کے معنی حاجت پر چڑھیں۔ اس کی روش دل آویز اور تقسیم نظر فریب ہو۔“

تصحیح مجڑو اس وجہ سے تھا کہ ”عبادت کا ڈھنگ نیا ہے۔“ اور تزئین کی فکر اس لیے

تھی کہ کتاب کو حکام عالی مقام کی نظر گزارنا تھا۔



”بہار اس کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں کہ عبارت کا ذوق نیا ہے جس کا درست پڑھنا نثری بات ہے اگر غلط ہو جائے تو وہ عبارت نثری خرافات ہے۔ یا اسے بہت اذیت جاتی منشی نہیں صاحب کے، صحت الفاظ سے ظاہر ہے۔ متوجہ ہوں کہ وہ تکلیف نہیں اور منشی صاحب تک متوجہ رہیں۔ منشی شیونان صاحب نے کوئی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی، سب طرح میرے پسند آئی چنانچہ ان کو کھجلا ہے اگر ہو سکے تو یہاں ہی ذرا اندر ہی رنگت کی لہجی ہو۔“

(مرزا حاتم علی بیگ میر، ستمبر ۱۸۵۸ء)

”حضرت چار جلدیں یہاں کے حکام کو دوں گا اور دو جلدیں ولایت کو بھیجوں گا۔ اللہ اللہ کیا خشیت ہے اور کیا اعتماد ہے زندگی پر، بہر حال یہ ہوس تھی اور شاید اب بھی ہو کہ ان چھ جلدوں کی کچھ ترنکھن و آرائش کی جاوے، آپ اور بھائی صاحب اور ان کا فرزند رشید منشی عبداللطیف اور منشی شیونان، یہ چاروں صاحب فی ہم چل لیں اجلاس کو نسل یا مرتجی بیگ کے کر کیا کیا جائے۔“

(مرزا حاتم علی بیگ میر، ستمبر ۱۸۵۸ء)

”فلا صریح کہ ان جلدوں میں سے دو جلدیں ولایت کو جائیں گی۔ ایک جناب فیض آب کو ملاحظہ تھیں کہ اندھا و ایک آگے قدیم لاوا الی برابر اور کئی تذرا اور چار جلدیں یہاں کے چار حاکموں کی نظر کو لگاؤ۔“

(منشی شیونان، آرام، ۳۱ اگست ۱۸۵۸ء)

آرام کے نام سوم ستمبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک غالب کو یہ علم نہیں تھا کہ چھاپے شروع ہو گئی یا نہیں؟ اور اگر شروع نہیں ہوا تو کیا سبب؟ اس کے دو تین روز بعد غالب کے پیڑاں سبک دو وقت چھاپے کے پتے۔ غالب نے جنوری ستمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں تھیں، شہزادہ طور، کوئی کے حسن ضبط، صحت الفاظ، طرز، قلم، خط، طرز تفسیر اور جدول وغیرہ پر عرصہ خودی کا اظہار کیا ہے اور کاغذ، کوئی کی سیاسی اور رنگت نیز جلدوں کی تزئین اور آرائش کے باب میں مروتی بیانات دی ہیں۔

”تین دو وقت چھاپے کے پتے ہیں۔ شاید میرے دکھانے کے واسطے بھیجے گئے ہیں، اور اس کے بعد میں کہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب کا نام اور صفت کا نام اور بیچ کا نام چھاپتے ہیں اور دوسرے صفحے پر لوح ایسا لکھتے ہیں جتنی ہے اور کتاب کھ جاتی ہے اس کا کسی چھاپا اسی طرح ہو۔ غرض کہ تھیں اور شہزادہ طور اور کوئی کا حسن ضبط اور الفاظ کی صحت، سب سے پسند، صحت الفاظ کا کیا کہتے ہیں واللہ بہ انشاء کہ ان کو بھائی منشی نہیں صاحب جلد ستمبر میں تو آگیا تھا اصل خط۔“

سب کو کتاب سے نکل دیا جوتی تو اس کو جلد کیج کر دی گئے۔ خاکسار کا تمام حکم یہی تھا اور یہی خطا ہو رہی تھی۔ قریب چالیس جلدیں ہی سلجھتی تھیں۔ پہلے سنے کی صورت اور دوسرے سنے کی لوح کی خواہش پانچ تو طرہ سے تھا اور نظر فریب ہوگی۔ کاقد کے باب میں یہ عرض ہے کہ "قرضی" کا قدا چھٹا ہے۔ چھ جلدیں جملہ حاکم ہیں، وہ اس کا نظریہ ہوں اور باقی چار سو "شیورام پوری" پر اور چھ جلدیں کاقد پر چھاپا اور یہ بات کہ دو جلدیں جو ملا جلتے والی ہیں، اس کاقد پر چھاپی جائیں اور باقی شیورام پوری یا نیپٹے کاقد پر۔ یہ گفت و شنید ہے۔ یہاں کے صاحبوں نے کیا کیا ہے کہ ان کاقد کی کتابیں، اچھے کاقد پر دیوں، مگر وہ ایسا ہی مصلحت اور خوشی، "کاقد" یا جو تو ظہر، دو جلدیں اس کاقد پر اور چار جلدیں شیورام پوری پر ہوں باقی جلدیں میں تیسری مستحضر ہے۔ یاں صاحب! اگر سوچئے تو کوئی کی سیاحتی ذرا اور زیادہ اور وضاحت، جو اور آفرنگ رنگ دے دے۔

لیکن خاص جلدیں جو حکام کی تذکرہ نامتیں، ایک سرٹ پر چھ کتبہ جائے ساتھ جو گین ۳۸ کی تفصیل اور دراصل ایسے کما سادہ کی تفصیل مرزا قاسم علی بیگ سہر کے نام غالب کے ایک خط مرقوم بر سر قلمبر ۱۸۵۸ء سے معلوم ہوتی ہے:

"دعا، ایک بات اور خیال میں آتی ہے لیکن چھ کتبہ حکم و کار فرمائی ہے، کہتے ہوئے ڈرتا ہوں، کی تعداد عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ دو جلدیں ملائی لوح کی، دلائل کے واسطے تیار ہوں گی اور وہ چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے کار ہوں گی۔ ان کی صورت ہی ظہری ہے کہ یہاں حکم کی لوح اور اثر کی جلد، پھر کھٹا چھپنے کے چار جلدیں کس کس کی تذکرہ؟ فواب گو رہر جلد بہادر، چھ کتبہ سربلہ صاحب کشترباں دہلی، ٹوٹی کشترباں دہلی، بیسری کیا ہوشی ہے کہ جناب ایڈمنسٹریٹر صاحب کی قدر دیجو۔ آخر گوشت کی تذکرہ انہیں کی صورت کتبوں کا۔ دو صاحب، ایک جلد، ان کی تذکرہ بہت ضروری ہے۔ جناب گنجائش نکال کر میں یہ چار جلدیں بنوائیں یا ایک سادہ کی لاری ہی بنوائیں۔ حق میں ہے کہ آپ اس لئے کو پسند فرمائیں گے، اور چار کی جگہ پانچ بنوائیں گے۔ یہ عرض قبول اور یہ گت لکھی کہ بار بار آواز دیتا ہوں، معاف ہو۔"

کتاب کی ترتیب و لمبائیت کی اطلاع ملی تو اشتیاقی دیکھ کر اس عراں اسلوب میں اس طرح بیان کیا کہ "کتاب کا شش کاٹوں سے نہ، دل کو دیکھنے سے زیادہ بھرتی آیا....! مگر انھوں کو رشک ہے کہ ان پر اور کچھ چٹکائی کر، جس طرح انھوں پر، یہ ارشاد ہو کہ انھوں کا حق، انھوں کو کتب تک ملے گا؟"

(نامہ، نقشہ، ۱۷، اکتوبر ۱۸۵۸ء)



ہے کتاب وہ سب کہ پہنچیں اور شکر اٹھائیں۔

(نہم، شیعہ نوائی، ۹ نومبر ۱۸۵۵ء)

”محترم طبیب کا خط پڑھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ تبارہی چالیس کتابیں بدلنے میں بہت جلدوں کے اسی ہفتے میں جلدیں سہا سہی پہنچ جائیں گی۔ اب حضرت صاحب دکر کی خدمت پہنچ کر کہیں گی؟ ہر چیز کا رٹوں کے درمیان سے تم بھی مجھ کو دے دے گا۔ اگر آپ کے کہوں کہ انھوں کی نگہانی اور دل کی پریشانی دور ہو“ خدا کے ان تئیس جلدوں کے ساتھ یا دقتیں رونما کیجئے، یہ سات جلدیں آپ کی جانچ بھی آئیں، یہاں دو کام کو جانچ بھی جائیں۔ (نہم، حاتم علی بیگ، ۱۳ نومبر ۱۸۵۵ء)

کتاب باکتر چھپ گئی اور غالب کے حشر رسد کی چالیس کتابوں میں سے تئیس انہیں ۱۲ نومبر ۱۸۵۸ء کو مل گئیں۔ بے حد خوش ہوئے اور قند کو کھلا۔

”کل جمر کے دن ۱۲ مارچ نومبر کی تئیس جلدیں بھی ہوئی پر غور اور شکر نوائی کی پہنچیں۔ کاغذ خطا کیسے بڑا ہی چھاپا سب خوب، دل خوش ہوا اور شکر نوائی کو شادی“

لیکن ان کا بھی ان سات کتابوں میں گڑا ہوا تھا، جن کا طوائف کام اور انگریزی جلد کے ساتھ تیار ہونا مقصود تھا۔ ۱۳ نومبر ۱۸۵۵ء کے خط میں حاتم علی بیگ لکھتے ہیں:

”بھائی صاحب! تئیس کتابیں بھی ہوئی پر غور اور شکر نوائی کی کل جملہ کے دن ۱۲ نومبر کی پہنچیں کاغذ اور بڑا ہی اور خطا کا سب دیکھ کر میں نے اندیشہ تھا کہ طوائف کام پر یہ کتابیں خدا کو سبھت سے پہنچائیں گی، پھر یہ بھی کو دیکھ کر شواہد ملے کہ یہ تو سب درست لکھ دیجئے کہ جو کو ان کا دیکھنا ایک مہینہ ہو۔ آپ پر گمان نہ آئی گا کہ اسے یہ کہوں کہ جو ۱۰ ہاں اس وقت جلد کے جانے کی نہت سے میرے دل کا جلاؤ نہ رہی جاتے، ایسی مدت مناسب سے زیادہ نہ دے گا۔ اور ہاں حضرت! کہ ایسی پہنچ کر مال کے وقت کر لیجئے گا کہ یہ پاکر اسل آشوب صفت سے محفوظ رہے۔ بہت عرصہ اور بہت کام کی چیز ہے۔ لکھ کر وہ ایک ایک جلد اپنی جگہ سے نیا دہرے ہوئے۔ یا اللہ! یہ خطا مہی ہوا اور وہ ساتوں کتابوں کا پادریل تیرے ساتھ داماں میں جو لکھ کر پہنچ جائے اور نہ ہو تو بھلا یہ ہو کہ اس خط کا جواب کیجئے ان کے نام جو کرتا ہے ہم نے کتابوں کا پادریل روانہ کیا ہے۔“

(خطوط غالب، ۱۰ نومبر، جناب یو بیگ، ۱۱ نومبر، ۱۹۶۹ء، جلد ۱، صفحہ ۲۰۲)

غلام علی کی اپنی پہنچ۔ نہیں ہیں کہ کتاب کے ساتھ نئے تقسیم بھی ہو گئے۔ غلام علی کی پہلے ماہ بھی جاری ہے۔

”سب تہتیں کتابیں بیچ گئی اور تقسیم بھی ہو گئیں۔ سات کتابیں میرزا مہر کی بیٹی جو کی موافق  
اُن کی تحریر کے آج شام تک اور علاج خشکی شہزادوں کی اطلاع کے کل تک، میرے پاس پہنچ جائیں  
گی اور خشکی شہزادوں نے اندوہ کی نگاہوں کی دعا کی کہ جی اطلاع دی ہے۔“

(پنام، قسط ۱۸۰، نومبر ۱۸۵۶ء)

”دیکھیے میرزا مہر کا کتابی اکبر دوا کرتے ہیں۔ اگر کبھی چکے ہیں تو یقین ہے کہ آج یہاں پہنچیں  
آج آئیں، کل آئیں۔ کل سے میں شام تک دوا دیکھتا ہوں۔“

(پنام، شہزادوں ۱۸۰، نومبر ۱۸۵۶ء)

یہاں تک کہ ۱۹ نومبر ۱۸۵۶ء کو وہ سات خاص جلد بھی غالب کو مل گئے، خشکی شہزادوں  
کو مطلع کیا:

”کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر ۱۸۵۶ء کو سات کتابوں کے دو پارسل پہنچے، واقعی جیسے کہ میرزا مہر  
چاہتا تھا، اُن کو روپ کی ہیں۔“  
قسط کو لکھتے ہیں:

”کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر کو سات کتابوں کا پارسل بھیجا ہوا ۱۸۵۶ء مہر کا پہنچا۔ زبان عجمی جو  
تقریب کر دی، شاید راقش ہے۔ آفتاب کی سی نمائش ہے۔“

مہر کو ”ان جلدوں کی تزئین اور آرائش پر بہت ہی کھلے دل سے داد دیتے ہوئے لکھا کہ،  
”کل جو جبر و زہد پاک و سید تھا، گویا میرے حق میں دوزخ عید تھا۔ چار گھڑی دن رہے، ہر طرف نور  
اوپار گھڑی کے بعد، وقت شام۔“

سات جلدوں کا پارسل پہنچا

دوا کی خوب، میرزا مہر کا پارسل پہنچا

اُدنی کو موافق اُن کی تمنا کے آرزو پوری ہوئی بہت محال ہے۔ میرزا آرزو ایسی برائی کہ وہ ہر ترانہ  
دہم و خیال ہے۔ یہ جاناؤ تو میرے تصور میں بھی نہیں گزرتا تھا۔ میں صرف اس قدر خیال کرتا تھا کہ  
جلدی بندھی جوتی، دو کی دو ہیں، زہری اور پاشی کی لوحیں سیاہ، حکم کی جوتی، دلائیہ، اگر قصور  
میں کی گزرتا ہو کہ کتابیں اس رقم کی ہوں گی۔ میرا تصور یہ تھا کہ ایک کتاب ملی، اسی جادے، ہی  
جلدے دیکھ دو کتابوں کا سا رنگ دکھائے۔“

ایک جگہ سے کتاب کی رسید آئی، ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء کے خط میں تفتہ کو اس کی اطلاع دیتے ہیں نیز یہ کہ کچھ حکام کو کتاب بھیجے اور کچھ اعلیٰ حکام کی تفتہ کے پارسل آج روانہ ہوں گے:

”ہنری اسٹوڈنٹ صاحب، مالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے ڈپٹی صاحب جیساں کے دفاتر، ایک ملاقات میری، ان کی ہوئی تھی۔ میں نے ایک کتاب سادہ پہ جلد ان کو بھیجی تھی۔ کل ان کا خط، مجھے کو اس کتاب کی رسید میں آیا، بہت تعریف لکھتے تھے کہ یہ ”خیر“ ہے اس سے کہ تم جو ”طبع منفی“ لکھتے ہو، ہمارے پاس لکھی ہے اور ہم اس کو دیکھ رہے ہیں اور خوش ہو رہے تھے کہ تم ہمارا خط اس کتاب کے چٹا۔ ان کے اس کہنے سے یہ معلوم ہو کہ طبع میں سے گورنر کی تفتہ میں ضرور گئی ہوگی۔ کیا اسی بات ہے کہ وہاں بھی میرے کہنے سے پہلے ”میرا کام پیش ہاں گا۔ میں چیت کشتہ پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں اور غالب گورنر کی تفتہ اور ملک کی تفتہ اور دیگر ٹریوں کی تفتہ یہ پارسل انشاء اللہ تعالیٰ آج روانہ ہو جائی گے، دیکھیں، چیت کشتہ کیا لکھتے ہیں اور گورنر کیا فرماتے ہیں:

تا نہال دوستی کے بروحد

عالیا رستہ تم دھننے کا شقیم

۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کے ایک خط تمام منشی غلام غوث بے خبر سے پتہ چلتا ہے کہ

مدائے برخواست

”پیشہ گورنمنٹ ملکت میں جب کوئی کا تفتہ نکلا ہے، بقلم چیت سکر تر بہا اور اس کا جواب پایا ہے۔ اب کی بار دو کتابیں بھیجیں، ایک پیش کش گورنمنٹ اور ایک تفتہ شاہی ہے، خاص کے تفتہ کی اطلاع، اس کے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب ولیم پور صاحب بہادر نے بھی تفتہ دفرمائی، ان کی بھی کوئی تحریر ہے جو کوئی تفتہ“

اگلے روز پہلے خبر ہی کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ:

”پیشہ گورنمنٹ میں جو خط چیت سکر تر بہا اور سابق اور تفتہ گورنر بہا در حال دو جلد پیش کئے ہیں۔ ایک تفتہ گورنمنٹ اور دوسری کے واسطے یہ سوال کہ میری عزت بڑھائی جائے اور یہ تفتہ حضور شہنشاہی میں بھجوائی جائے۔ رد و قبول، الفرعین و آخرین، یہ کہ بھی نہیں“

جہاں تناس سے کتاب کی رسید ملی، آئے گئیں اور غالب کے لئے ایک گورنر خوشی اور خوش نفسی کا سامان فراہم کرنے لگیں:

”مجھ پر سب سے اللہ نے ایک اور عزایت کی ہے اور اس غزوہ کی میں ایک گوند خوشی اور کسی بڑی خوشی دی ہے۔ تم کو یاد ہو گا کہ ایک ”دستیو“ نواب یقینیت گورنہاورد کی تندرستی تھی۔ آج پانچواں دن ہے کہ نواب یقینیت گورنہاورد کا خط مقام الہ آباد سے پہنچ گیا تھا۔ وہی کاغذ افشائی، وہی کتاب تعلیم، کتاب کی تحریر، عہدت کی تحفیں، مہربانی کے کلمات، کبھی تم کو خدا یاں لائے گا تو اس کی نیابت کرنا، جشن کے میں ملنے کا حکم آج کل آیا چاہتا ہے اور یہی تو حق ہے کہ گورنہاورد بہادر کے اس سے بھی کتاب کی تحفیں اور عزایت کے مستحق کی تحریر آج ملے۔“

(بقلم، مخدوم، ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء)

”حقیقت یہی معلوم ہے کہ راہ و رسم مراسلت حکام عالی مقام سے بدستور جاری ہو گئی ہے۔“

نواب یقینیت گورنہاورد عزب و شمال کو ”دستیو“ پہنچ گیا تھا۔ ان کا خط فارسی محضر تحفیں، عہدت و قبول، صدقہ دارا و دفعہ پہنچ گیا تھا۔ پھر قسیدہ بہادر، اہمیت و عہدت میں بھیجا، اس کی رسید آگئی۔ وہی ”خان صاحب لیبار مہربان دوستان“، کتاب اور کاغذ افشائی، ان کا بعد ایک قسیدہ، کتاب و اہمیت منظر کی صاحب یقینیت گورنہاورد عزب و شمال کی مدد میں بتوسط صاحب کشترباورد دی گئی، اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بتوسط کشترباورد لکھ کر آگیا۔ نہیں ابھی تک نہ کو نہیں ملی۔“

(بقلم، مخدوم، ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء)

”صاحب! چند نے ”دستیو“ جناب اشرف المزار جاری فرمائی کہ آپ یقینیت صاحب بہادر، یقینیت گورنہاورد عزب و شمال کی تندرستی تھی، سو ان کا فارسی خط غزوہ و ہم مدد، اشعار و تحفیں، خوشنودی، خط خوشنودی، بطریق ذاک آگیا۔ پھر میں نے تہنیت میں یقینیت گورنہاورد کی قسیدہ فارسی بھیجا۔ اس کی رسید میں نظم کی تحریر، اور اپنی رعنائی میں یہ تحفہ خط فارسی، پہنچ گیا کہ مرقوم چھوڑا ہم آگیا۔ پھر ایک قسیدہ فارسی مدد و تہنیت میں جناب دارمیت منظر کی صاحب بہادر، دہلی بھیجا گیا تھا۔ کل ان کا مہر خط بند یہ صاحب کشترباورد دہلی آگیا۔ نہیں کے باب میں ابھی کچھ حکم میں ہوا۔ اباب تو حق فراہم ہوتے جاتے ہیں۔“

(بقلم، مہربان، ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء)

”اباب تو حق“ فراہم ہونے لگے لیکن ”دستیو“ کی غایت و تصنیف معمولی پنشن کی و اگر اشت ہی نہیں تھی۔ وہ ملکہ و کٹورہ انگلستان سے مزید خطاب و خلعت اور پنشن کے بھی امیدوار تھے، جس

کے لئے وہ انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے نہیں ہوا کہ کچھ تھوار ان کی گزارشات پر مزوری گورنر کی کاغذ پر چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قلعہ منگلی سے قلعہ کے ہند قاب کے۔

۱۸۵۰ء برس آرام سے گزری۔ جشن کے دنات سوکھاں روپے سالانہ بادشاہ سے کچھ سو روپے سالانہ شہزادہ ولی محمد میرزا افزوا آن کے شاگرد ہو گئے تھے، ان سے چار سو روپے سالانہ ۱۸۵۲ء کے آخر آخر قاب اس کی بھی پیل پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ انہیں اوہ کے علم دوست اور فقہار بادشاہ واجد علی شاہ سے بندھی ہوئی رسم مل جایا کہ سے چنانچہ دیاں سے بھی پانچ سو روپے سالانہ مقرر ہو گئے۔ رادھراؤ مرکی بیاستوں اور قدردان امیسوں کی طرف سے بھی فتوح فتح چا کر تی تھی لیکن یہ سب کچھ ٹھکانے تھے اور قاب کہ جو دربادوں کے ملازماں اور بدلتے ہوئے حالات کے تابع تھے مانگے کی طرف سے کشاکش ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اس تجویز سے مدخلیت ہوئی غراور صحت کے ساتھ اپنے مستقبل کی حیثیت کا پکا جند و بست کر لینا چاہتے تھے اور اس کی خاطر انگریزی اقتدار کا خوش رکھنا اور گورنر جنرل کے دفتر میں مقام بنانا مزوری تھا۔

۱۸۵۶ء کے ختم ہوتے ہوئے برطانوی اقتدار سے خود کو منوانے کی کوشش بنیہ ہو گئی اور انہوں نے ملکہ کوٹورہ کی تعریف میں پُر زور تہنید لکھ کر لندن بھیجا جس کا سامان اور عاجزہ کافی پر تھا اور ساتھ ایک سرمنشی بھی تھی کہ بادشاہوں کی شان و نوازی کے چلن کے مطابق بھے بھی خطاب، خلعت اور پیش سے نوازا جائے اس تہنید سے اور سرمنشی کی رسید ان کو ۱۸۵۷ء کے آغاز میں لندن سے مل گئی تھی اور وہ جانے کیسی کیسی امیدیں بندھ گئی تھیں کہ ۱۸۵۷ء کو شمالی ہند میں برطانوی اقتدار کے غلات ٹٹکتی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔

”دستہوں میں اس کی تفصیل درج کرنے کے لئے ہند قاب نے اس تھیں کا اظہار کیا ہے کہ اگر ہندوستان کا نظم و نسق (قدیم) تباہ نہ ہوگا اور بادشاہ اس اور ناٹھکے سپاہیوں کے ہاتھوں، ہاتھیں خاں جن میں تو گلستانہ انگلستان سے اپنا فرمان صادر ہوگا جس سے (خطاب، خلعت اور ٹیپس کی میری) سراوی پوری ہو جائیں اور میری آنکھیں اور میرا دل دونوں ایک دوسرے کو ہلکا کر دیتے۔“

”دستہ کے خاتمے کی عمارت سے بھی سرمنشی تصنیف پر مدد سٹنی پڑتی ہے۔“



"کاش! میری اس جی خواہش یعنی، خطاب، غفلت اور غفلت کے انجام کا حکم شہنشاہ فرزند تخت کے حضور سے آجائے تاکہ کے متعلق میں نے اس تحریر میں بھی (کچھ لکھا ہے) میری آنکھیں اور منہ لول انہیں کی طرف لگا جاتا ہے — اگر مگر عالم کی بخشش سے میں کچھ حاصل کروں گا تو اس دنیا کا کام نہیں جاؤں گا۔"

خواجہ غلام غوث نے خیر کے نام غالب کے ایک خط مورخہ ۲۳ جنوری ۱۸۵۹ء سے "دستجو" کی غرض سے تصنیف، بالکل آئینہ جو جاتی ہے:

"۲۷ دسمبر ۱۸۵۹ء کا لکھا ہوا حکم وزیر اعظم کا وزارت کی ڈاک میں بچہ کو آیا ہے کہ تھیبے کے مسئلے اور جانکے کے واسطے کہ جو توسط لارڈ (کیننگ) سائل نے بھیجا ہے وہ خطاب اور غفلت اور غفلت کی تجویز ضرور ہے جو حکم صادر ہو گا سائل کو توسط گورنمنٹ اس کی اطلاع دینی منظور ہے یہ حکم مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۸۵۹ء آخر جنوری ۱۸۵۹ء میں نہیں پہنچا یا۔ فروری، مارچ، اپریل، مئی اور اکتوبر میں گزرے۔ مئی ۱۸۵۹ء میں ملک نے یہ قضا اٹھایا۔ اب اس کتاب (دستجو) اور دوسرے قیدیے (مشمولہ دستجو) کے جاننا نذر کرنے کا یہ سبب ہے کہ سائل، حکمران لایت کو یاد دہی کرتا ہے اور گورنمنٹ سے تھیبے طلب ہے۔"

لیکن یہ یاد دہی قطعاً بے اثر رہی اور جسے انعام اور اعزاز کا تو کیا مذکورہ اشاعت کتاب کے ایک سال بعد ملک غالب کو کو مستور قدیم کی سہالی کی طرف سے بھی اطمینان نہیں تھا۔ "ڈاک کوئی غیر عادی نہیں کی جو جسے انعام کا حق ہوں۔ لیکن کوئی بے وفائی بھی سزا دہیں جوئی جو مستور قدیم کو برہم نہ رہے۔"

(انعام، غالب، مجموعہ جی خان، ۷ دسمبر ۱۸۵۹ء)

اور پھر خدا خدا کر کے جشن منقوشی مئی ۱۸۶۰ء میں مکمل گئی۔ درختہ سر سال کی خدمت پایا اور مارچ ۱۸۶۳ء میں پہلے دربار اور غفلت کے بدستور بحال رہنے کا حکم بھی آگیا لیکن مگر انگلستان کے ہاں سے مزید خطاب و غفلت اور غفلت کی تجویز دیکھ کر یک جہاں کی تہاں رہ گئی۔ کتاب کی طباعت کے دوران میں غالب کو ایک اور سوجی، ۱۷ ستمبر ۱۸۵۹ء کے خط میں مہر کو کہتے ہیں:

”ہاں صاحب ایک بات اور سچا اور وہ مل خود چہ میں نے حضرت کے مسئلہ انگلستان کی مدح میں ایک قہیدہ ان دونوں میں لکھا ہے جسہیت فتح ہند اور عسکری شاہی میں شہادت کا ہے۔ منظور یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قہیدہ ایک اور کا قلم و خطبہ کہہ کر بھیجوں۔ پھر یہ خیال آیا کہ دس سطر کے مسئلہ پر کتاب لکھی گئی ہے، یعنی پچھلایا ہوئی ہے۔ اگر یہ سچے سچے ہیں تو یہ دن ورق اور چھپ کر اس کتاب کے کما قلم میں شامل ہو جائیں تو بات ابھی ہے۔ آپ اور منشی شی بخش صاحب اور مرزا آقہ نے منشی شیونرائی صاحب سے کہہ کر اس کا طور درست کریں اور پھر لکھ کو اطلاع دیں تو میں مسودہ آپ کے پاس بھیج دوں۔ جب کتاب چھپ چکے تو یہ چھپ جائے۔ دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ مجھے ہند کتاب کے اور لکھایا جائے ہند کتاب کے، دوسری یہ کہ اس کی سیاہ قلم کی لوح الگ ہو اور پہلے سطر پر میں لکھوں کتاب کا نام چھاپتے ہیں اسی طرح یہ بھی پچھلایا جائے کہ قہیدہ در مدح جناب کے انگلستان خلافت لکھا۔“

”اگر اس میں نام کچھ ضرور نہیں، کتاب کے سطر پر تو لکھا۔ اس مطلب خاص کا جواب باصواب یعنی توفیر قبول ہوا کیجئے۔“

دوسرے دن منشی شی بخش حیدر کو اسی مضمون کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

”بھائی جان! میں نے ایک قہیدہ جناب کے مسئلہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے۔ ساتھ شریفی، پڑھنے کے لئے دن ورق پر چھپ کر دیتا ہوں پہلے شیونرائی شامل کرنے میں ہائیں تو کتاب کو قہیدہ سے غرض اور قہیدہ کو کتاب کے سبب شہرت ہو جائے گی۔ مہتمم ملیں گی اگر کہ شامل ہو تو ہو، خدا بات آسان ہے۔“

۲۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کے خط کو سومرہ قائم علی بیگ مہر میں لکھتے ہیں :

”قہیدہ کا شامل کتاب جو نام نہاد ضروری ہے پڑھ کر لکھا جائے کہ صاحب ملیں کو کیا منظور اگر وہ کا قد کی قیمت کا خد کر لیں تو ہم پانچ سات روپے سے اور میں ان کا بھرتا بھری گئے۔“

لیکن صاحب ملیں کی منظوری آگئی، ۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو آقہ کو لکھا :

”صاحب! قہیدہ کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب ملیں نے مجھ کو بھیج دی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔“

آقہ نے پوچھا تھا کہ اس قہیدہ کی کتاب کا ربا بچہ کیوں نہ بنا دیا جائے؟ لیکن یہ کتاب کے ہونے کے تحریک کے منافی تھا۔ کتاب کی نشر و قلم، قاری قلم میں تھی، یعنی بے اسیر حق نظر عربی اور قہیدہ قاری متعارف و مشرور میں تھا۔ غالب نے ان دونوں کے اجماع کی یہ صورت نکالی :

”قصیدے کا آخر سے پہلے لکھا نام ان کا نام ہے، حدیث تخریص اور صفحہ اور حکم کا اول صفحہ  
 ہے یہ اس کا ریاچہ کیوں ہو؟ بلکہ حدیث ان دونوں کے اجتماع کی ہوں جو کہ سرحدیٹ آئیں شیخ قرظ  
 دیا جانے اور قصیدے کے اور دستنبو ”کونچ میں ایک ورق سادہ چھڑا دیا جائے“

(جام، جلد ۱۰، اکتوبر ۱۸۵۸ء)

یہ ”قصیدہ برگزیدہ“ سے دستنبو ”طبع اول میں چھ سطروں پر شکل ہے اور سرحدی کے بعد آغاز  
 کتاب میں شامل ہے اور اس کے بعد نئے سرے سے سطروں کا شمار ہوتا ہے۔  
 ”دستنبو“ طبع اول کے بعد اس سرحدی کی سات سطری عبارت یہ ہے:

(سطر ۱) الصلطا قذہ

(سطر ۲) کتبہ مستطاب نایابہ دہانہ غازی تحیم ہے آئیں شیخ نقد عربی

(سطر ۳) تصنیف خود وی ہندو قاب اسطفا قذہ دہانہ غازی تحیم ہندو دہانہ

(سطر ۴) دستنبو

(سطر ۵) جس میں تصنیف نہایت نگرگشتہ ہندی ۱۸۵۸ء سے ۱۸۵۹ء جی لائی ۱۸۵۸ء تک

(سطر ۶) کلمی ہے مقبوضہ تہنیت فتح ہند کدہ دہانہ غازی تحیم ہندو دہانہ

(سطر ۷) طبع میں غازی آگرہ میں واسطے افادہ خاص و عام کہ بہا ہندو تحیم ہندو دہانہ غازی تحیم

سرحدی کی پہلی سطر ”الصلطا قذہ“ پر شکل ہے۔ یہ پہلی سطر پہلی قلم سے ہے اور صاحب طبع  
 مفتی شیونرائن آرام کی اپنی ہے۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں غالب انھیں لکھتے ہیں، ”الصلطا قذہ“  
 شوق سے لکھو، اس کے علاوہ سرحدی کی ساری عبارت جسے سات سطروں میں تقسیم کیا گیا ہے،  
 غالب کی اپنی ترتیب اور ہدایت کے مطابق ہے اس کا ابتدائی سونے آگرہ میں تیار ہوا تھا جس میں  
 غالب آگرہ میں کی فتح کے مفصل حالات کی طرف بھی اشارہ تھا۔ غالب نے اسے غلاف میں مضمون کتاب  
 قرار دیتے ہوئے آرام کو لکھا کہ خوب ہوا جو تم نے مجھ سے پہلے چھو لیا اور نہ بڑی قیامت ہوئی اور طبع  
 پر بات آتی :

لہ ”الصلطا قذہ“ کی جگہ ”الصلطا“ چاہیے تھا، مگر طبع میں غازی تحیم کی جگہ ہوئی ”دستنبو“ کی لوح پر بھی  
 الصلطا قذہ ہی چھاپا ہوا ہے۔

(ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، خطوط غالب، مالک دہانہ، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص ۲۵۰)

”میں نے شکر کی دو سطرین اور دس مثنویں سا کتاب کے مثنویوں کے غزلوں میں نہ بنے سہارا کی طرح  
کا حال نہیں لکھا مرنے والی پندہ پندہ پندہ کی سرگزشت جو میں نے بھی ہے سہا پہلے ہی ۱۸۵۷ء میں ہو چکا  
۱۸۵۸ء تک بھی ہے۔ شہر تحریر کا شیخ جہاں اس کا بھی بیان فرماتا آگیا۔ خوب چڑا جو تم نے کہ ہے بیچہ بیاد نہ  
بڑی تباہت ہوئی۔ اس میں اس طرح سے کہوں، سو کرو۔ پہلے سوچ کر تقسیم یوں ہے کہ مثنوی سطرین اور  
تین سطرین نیچا اور بیچ میں ایک سطر اس میں کتاب کا نام لکھوں یہاں انگلیس یوں بھی ہے؟ اب میں  
دوسرے صفے پر ساتویں سطر میں لکھ دوں ہوں اس کو طحطا کر ڈال دوں گا کیا تو درجہ کتاب کی حقیقت غلط  
ہو جائے گی اور طبیعت پر بات آئے گی۔“  
(شکوہ خاں آرام، اکتوبر ۱۸۵۸ء)

انوار اکبر ۱۸۵۸ء کے ایک دوسرے خط میں غالب نے آرام کو لکھا کہ :  
”دستہ“ کے آثار کی عبارت اندوئے اعیانہ دوبارہ ارسال کی ہے۔ یقیناً ہے کہ پہنچ گئی ہوگی اور  
بھرنی گئی ہوگی۔“

سرورق کی تقسیم غالب کی ہدایت کے عین مطابق ہے۔ یعنی تین سطرین اور دو تین سطرین نیچے  
اور بیچ میں ایک سطر اس میں کتاب کا نام، لیکن ۱۸۵۷ء سے پہلے ”ارزنی“ کا ٹکڑا سرورق کی  
مطبوعہ عبارت سے حذف ہے جس کی وجہ سے کتاب کی حقیقت کسی قدر غلط ہو گئی۔  
”دستہ“ (طبع اول) کے سرورق پر مصنف کا نام ”قواب اسد اللہ خاں بہادر غالب“ درج ہے  
یہ غالب کی اپنی دستاورد ہدایت کے مطابق ہے۔ صاحب طبع منشی شیخو خاں نے ایک خط کے لفظ  
پیر مرزا نوٹ صاحب غالب لکھ دیا تھا۔ غالب اس سے بد دل ہوئے اور یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کے خط  
میں مرزا نوٹ کو لکھا کہ :

”صاحب طبع نے خط کے لفظ پر لکھا ہے، ”مرزا نوٹ صاحب غالب“ اللہ عز و کر دے کہتا ہے جو  
جلد ہے۔ ”نوٹ“ ہوں کہ کہیں صفحہ اول پر بھی نہ لکھوں۔ کیا فارسی کا لڑا لڑا یا کرود یا پچا یا گنگ یا مینوڈ

لے سہوا“ اردو کے غزل میں ”آخر کے صفے“ چھاپا ہے۔ یہ غالب کا سہو حکم ہے یا کتاب کی لغزشی، یہ کہنا تو  
مشکل ہے لیکن اس میں شریعت کے نقل ”اندوئے شقی“ کی پہلی خط صحت سے ایک لکھی گئی آ رہی ہے۔  
یہ غرض کہ مثنوی کو ان سات سطروں کے ضمن میں سر بھی آجاس جو آج ہے۔ ملاحظہ کیجئے :  
”اندوئے شقی“ جس ترقی ادب کا جو دوسری صدی اولیٰ شمس ۱۲۷۱ء

چھاپکے، یہ کوئی کتاب، اس شہر میں نہیں پہنچی جو وہ میرزا مہر علیہ قلم نے ہی ان کو میرزا نام نہیں بتایا، صرف اپنی قدرت، معرفت سے، وجہ اس واقعہ کی نہیں، بلکہ سبب یہ ہے کہ وہی کے حکام کو تو عرف معلوم ہے مگر غلط سے، ولایت سندھ میں قندار کے محلے میں اور بکر خان کے حضور میں کوئی اس حال تک عرفت کو نہیں جانتا تھا، اگر صاحب طبع نے "میرزا قندار صاحب" نامی "کھنڈیا تواریخ" تہذیب کو لکھا، لکھو یا میرزا قندار صاحب لکھا، تو کیا کتاب کسی اور کی ہو گئی؟

سوم ستمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں قندار کو تاکید کھینچے ہیں کہ:

"منشی شیخ خزانہ کو بھیجنا کہ وہ قندار عرفت نہ لکھیں، تم اور شخص بس۔ ایسا خط لکھنا کہ وہ سب

بلکہ میرزا۔ مگر اس نام کے بعد قندار "بہادر"، "کا"، اور "بہادر" کے بعد لکھیں، اس واسطے کہ وہ بہادر صاحب

قندار نے پوچھا تھا کہ آیا کتاب پر نام محمد اسد اللہ خان لکھا جائے؟ نیز "میرزا"، "مولانا"، "قندار" میں سے کیا لکھا جائے؟ ۲۷ ستمبر ۱۸۵۸ء کو جواب لکھتے ہیں کہ:

"سنا صاحب! فقط ہمارے نام، عارضہ، حال (قندار) اس کے ہر حرف پر میرزا جان لکھ ہے

مگر کچھ گریہاں سے ولایت ملک حکام کے ہاں سے یہ فقط "محمد اسد اللہ خان" نہیں لکھا جائے گا، لے ہی موقوف کر دیا ہے۔ رد "میرزا"، "مولانا"، "قندار" اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ہے جو چاہو سو لکھو۔"

۲۷ ستمبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں قندار کو کھلی چٹائی دے دی کہ نام میرزا جس طرح چاہو لکھ دو۔ لیکن اکتوبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں خود شیخ خزانہ کو قندار کی ملازمت سے بھڑکتے ہیں کہ:

"سنو میرزا جان! انانی کا کہنا کہ قندار ہے، ہم اللہ کے اور اطاعت و عبادت کے آخری سبب نہ کر۔"

"قندار" لکھتے ہیں، بلکہ جس اگرچہ میں چنانچہ صاحب کشتی بہادر علی نے جو ان دنوں میں ایک سندھ کا ایک

اچھی ہے تو لکھتے ہیں قندار اسد اللہ خان، لکھا بھی یہی ہے کہ قندار کے قندار کے ساتھ "میرزا" یا

"میرزا" نہیں لکھتے۔ یہ غلطی کہ مستند ہے۔ یا "قندار اسد اللہ خان" لکھو، یا "میرزا اسد اللہ خان" لکھو

اور بہادر کا فقط کہ وہ ان حال میں صاحب اسد اللہ ہے؟

"دستجو" (پہلی بار) کا نتیجہ یہ ہے کہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ جب ہم شد کے الفاظ

کے بعد ہی جملہ ثابت ہے۔

"اس کتاب کو بغیر اجازت اہم شہر خانی کے کوئی صاحب چھاپنے کا ارادہ نہ کریں، فقط۔"

یہ سبھی خطوں میں زیر غور رہا ہے۔ آئندہ کے نام سوم ستمبر ۱۸۵۵ء کے خط میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

”آندوں کے چا پتھن کی نمائندہ موز ہے، مگر اس کی جلدت کیا بتاؤں؟ صاحبِ طبع اس امر کو رد میں آخر کتاب پر لکھ دیں۔۔۔۔۔ خاتمہ پر نمائندہ کا حکم صاحبِ طبع سے لکھا دیتا۔ اس کے بعد ایک دوسرے خط میں آئندہ بھی کو لکھتے ہیں۔“

”یعنی آئندہ میں اور منشی شیخ عثمان صاحب نے بھی لکھا۔ میں ایک جلدت لکھتا ہوں، مگر پسند آئے تو خاتمہ کتاب میں چھاپ دو۔“

”نہر نگر غالب خاک کا گویہ بیان ہے کہ یہ میری سرگزشت کی داستان ہے، اس کو میں نے طبع مفید غلامی میں لکھوایا ہے اور میری مانگے میں اس کا یہ کاغذ دستار پایا ہے کسا اور صاحبانِ مطالعہ جب تک کہ اس سے طلبِ رحمت نہ کریں، اپنے بیٹوں میں اس کے چا پتھن کی جسارت نہ کریں۔ اس کے سوا اگر کوئی طرح کی تحریر غلط ہو تو منشی شیخ عثمان صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں۔ یہ پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔“

پہلا نمبر غالب کی ”میں“ زدہ جلدت کے بجائے ”میر تقی میر غلامی“ کی جانب سے نمائندہ کا وہ مختصر اور خوش جملہ چھاپا گیا، جو اوپر نقل کیا ہے۔

”دستخط“ (یعنی قول) میں آخری صفحہ ۱۰۰ پر دو قطعہ تیار کیے ہیں۔ ایک ”آخر کتاب کا“ اور دوسرا ”انجام کتاب کا“۔

### ۱۔ قطعہ تاریخ

آغاز کتاب از میرزا اسحاق علی بیگ میر تقی میر سلامتی  
اسد اللہ خان غالب میر  
ختم از دوستم میر تقی میر  
نامہ خود سال خوش روزگار  
یہ بیضا ختم ہے دستنبو

۱۸۵۷ء

### ۲۔ قطعہ تاریخ

انجام کتاب از میرزا آقہ سلا اللہ خان غالب  
کتابی خود ختم غالب کا کرا  
بہمان دول چھاپی گشت۔ غالب  
نامہ خود سال خوش روزگار  
یہ بیضا ختم ہے دستنبو

ان خطرات کا ذکر بھی غلطوں میں موجود ہے۔ میرزا مہر کو ان غفلتوں میں غلط تائید پر داد اور اصلاح دی ہے:

”بندہ پھر آپ کا مہربانی فرمایا۔ آپ کی مہر انگیز اور محبت جیوں باتوں نے طبع پر کس ٹھہرایا۔ کہاں دیکھا ہے لڑا ہے کہاں ہے دشمنوں کی مناسبت کے واسطے ”بہرینہ“ ڈھونڈ نکالا ہے! آفسریں! تیسرا مصرع اگر یوں ہو تو تفریق کے نزدیک بہت مناسب ہے۔

نامہ خود سالِ غوثی ۱۲۸۵ء

”دشمن“ کے مطلوبہ قلم تائید میں مصرع کی یہی روایت صحیح ہے۔ میرزا مہر کو مادہ تائید کے تسمیع ہونے کے بارے میں کچھ دہم رہا ہو گا۔ قلم موزوں کرنے سے پہلے انہوں نے اس بارے میں غالباً ایک دو بار استفسار کیا۔ ۲۹ ستمبر ۱۸۵۵ء کے خط میں انہیں لکھتے ہیں:

”مادہ تائید شکیا بھائی ہے جو کہ اسے ہی میں یہ بات آئی ہے کہ کچھ سے برابر چھتے ہو؟ مادہ اچھا ہے۔ قلم کھوا اور غار کا کتاب پر لگا دو۔ ایک قلم مرزا صاحب (آکٹو) کا، ایک قلم قہدار، یہ دونوں قلم ہیں اور اگر وہاں کوئی اور صاحب شاعر ہوں تو وہ کہیں۔ اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ روئے سخن ساری غلطی کی طرف ہے، بلکہ خاصے اشارہ بھائی (دشمن بخش حشر) کی طرف ہے مولانا حشر کو تو جس باب میں چاہئے وہاں کا نام بھی اس کتاب میں چاہئے۔“

۳۰ ستمبر ۱۸۵۵ء کے ایک خط میں آکٹو کو بھی لکھا ہے کہ:

”بھائی میرا لکھو! ایک قلم حشر صاحب (عالم علی بیگ مہر) کا، ایک قلم قہدار، بلکہ ایک حشر سے بھی لکھو!۔“

لیکن حشر کا کوئی قلم ”دشمن“ میں شامل شاعرت نہیں۔ اس طرح ان کا نام تو بیجا کہ غالب چاہتے تھے کہ کتاب میں نہیں آسکا۔ لیکن اس کتاب کے سلسلے میں ان کا نام، ان معنی میں ناگزیر ہے کہ کتاب کی کاپیاں پڑھنے، تصحیح کرنے اور غلطیاں بنانے کی سرسر فرم داری“ ان ہی کی رہی۔

”کاپی کی تصحیح ہو، غلطی سے کی حاجت نہ پڑے، آپ خود مؤثر رہیں گے اور دشمن کی بخش صاحب کو لکھیں گے کہ تو وہ بھی شکر کی رہی گے۔“

(نامہ شہزادائی، ۳۱ اگست ۱۸۵۵ء)

”سبح کا دستہ بنی غلطی بات ہے، اگر غلط ہو جائے تو مجروحہ عبادت نری فرائضات ہے۔ ہائے  
 پرہیز و تقاضا بھائی منش بنی بخش صاحب کے، مصحح و الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ ملاحظہ بھی کردہ  
 تکلیف میں اور حتم کتاب تک تحریر رہی؟“

(جام حاتم علی بیگ میر، ستمبر ۱۸۵۹ء)

”کافی کی تصحیح کا دستہ بھائی منش بنی بخش صاحب کا ہو گیا ہے۔ جلدوں کی آراغلی کا ذکر بنو  
 جلد طبعیت کا کردہ۔ میری طرف سے دو مکتوب اور کہو کہ تصحیح بھائی کر رہی، تو نہیں تم کرو۔ بیچنے کی  
 دشکاری اور مٹائی اور جو شہیاد ی ان کی، میرے کس دن کا آئے گی؟“

(راجا پرگوبال تلک، ستمبر ۱۸۵۹ء)

”بھائی بنی بخش صاحب کی شفقت کا حال پر چنا مژوری نہیں۔ پھر یہ مہربان اور حسن کلام کے  
 قدوائے ہیں۔ اس کی تصحیح میں بے پروائی کریں گے تو کیا میری تصحیح (رموائی) کے روادار  
 ہوں گے؟“ (جام تلک، مابین ستمبر ۱۸۵۹ء)

”مصحح و الفاظ کا کیا کہنا ہے، واللہ یہ مبالغہ کہتا ہوں کہ بھائی منش بنی بخش صاحب بہ دل  
 متوجہ ہوں تو اگر ایسا نا امل خطے میں سہو کتاب سے غلطی واقع ہوئی تو اس کو بھی مع کر دیں گے  
 خدا کے انجام تک پہنچے جلی جائے۔“

(جام تلک، ستمبر ۱۸۵۹ء)

”بھائی صاحب (منشی بنی بخش حیدر) کو کافی کی تصحیح سے فراغت ہو گئی؟ بھائی صاحب کو  
 بعد از سلام کہیے گا کہ حضرت اپنے مطلب کی توجہ کو جلدی نہیں ہے۔ آپ کی تحفہ تصدیق چاہتا  
 ہوں، یعنی اگر کافی کا دستہ تمام ہو جائے تو آپ کو آرام ہو جائے؟“

(جام تلک، ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۹ء)

”منشی بنی بخش کی تصحیح کا دستہ منش بنی بخش حیدر کا تھا اور وہ اس میں پورے  
 اثر سے کہ ”دستہ“ غلط کام سے کی حاجت سے ہے نیا رہی۔ گو دو بین خطیاں



پھر بھی رو گئیں۔" اور یہ کوئی ایسی بات نہیں اس لئے کہ مولانا غلام رسول مہر کے تفکروں میں :  
 "ہمارے اس طباعت کے انتقادات ابھی تک اس اعلیٰ پیمانے پر نہیں پہنچے کہ کہ صحت میں کے  
 متعلق فارغ البالی کا حقیقہ مائل کر لیا جائے۔"

عالم نے "دستنبو" کو زبان فارسی قدیم کہنے کا اذعان کیا ہے، یعنی التزام یہ رکھنا چاہا ہے  
 کہ تمام کی تمام عبارات خواہی نظم ہو، خواہی نثر جو متن کتاب میں آئے ہیں، آئیں، شفقِ عربی  
 ہو۔ "دستنبو" میں اول کے سرور میں پراپنے اس کمال فن کی طرف ان تفکروں میں اشارہ کیا ہے :  
 "کتاب دستنبو، کتاب زبان فارسی قدیم، بے آئینہ شفقِ عربی ہے۔"  
 کتاب کی اشاعت سے پہلے محققانِ محلوں میں "فارسی قدیم" کی خود اختیاری قید کا اظہار  
 ان تفکروں میں کیا ہے :

"فارسی بے آئینہ شفقِ عربی کہیں ہے اور فارسی ہی وہ فارسی قدیم کہ جس کا اب پارسی کے  
 بلاد میں نشان نہیں، تیار ہندوستان پر رہا ہے۔"

(تمام، ماسلوم، ۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء)

"اتفاق اس کا کیا ہے کہ دستنبو کی عبارت میں پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی شفقِ عربی نہ لکھے، جو نظم  
 اس نثر میں درج ہے، وہ بھی بے آئینہ شفقِ عربی ہے۔ ہاں اشخاص کے نام جنوں پہلے جاتے، وہ  
 عربی، انگریزی، ہندی، لکھی، وہ لکھ دیے ہیں۔"

کریم بخش ہرگز پال لکھتے، ۷ اگست ۱۸۵۸ء

"میں نے یاد دہانی کی، ۱۸۵۷ء سے آگے سوئی جولائی ۱۸۵۸ء تک کی نووا، نثریں، عبارتیں  
 ناگزیر عربی کہیں ہے۔ "دستنبو" اس کا نام رکھا ہے۔"

(تمام، المذاکرہ، ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۸ء)

کتاب چھپ جانے کے بعد کہتے ہیں :

”بھرتی مرقہ ملا“ اس کا اصرار ایک سب کے چرچانے فارسی تھیں: ”جو دوسرے کی زبان ہے اس کی  
 میں یہ سوا تھا ہاویں اور سوائے سوائے کے کہ وہ نینا جیت جاتے، کوئی لذت عسریٰ اس میں  
 نہ آوے۔“ (جس ۱۷، ۱۸) محمد اسفند کسور (۱۹ نومبر ۱۸۵۸ء)

”نظر کا یہی زبان تھیں کہ ہے کہ جس میں کوئی لفظ نہ آوے۔“

(نظامِ اوصاف علی خاں مرقہ ۱۸۵۹ء)

”کتاب کی تمام صفت کے درجہ ہیں: ”سب کا اس میں ہوا اگر وہ ایک عربی لفظ“ ”غیب“ ”استعمال  
 کر گئے ہیں۔“ ”جہاں کے آواز نہ تھیں کہ مانی تھا جتنا تھا اچھی صبر کہاں دوسرے میں سمجھنے  
 ”نیک اور نام“ ”آپ کو نہ چاہیے رٹا یا نہ سنے سے اور میں یا جاتے تھے۔“ ”مراقبہ  
 ہے اگر وہ دم دگر بر خوب مباحثہ ہم زندہ“ ”غیب“ کا لفظ عربی ہے۔ ”سب سے صاف ہے۔“  
 ”کھیل ڈالے گا اور اس کی جگہ“ ”نوائے مباحثہ“ ”بناو کی جگہ“ ”غیب“ کی جگہ“ ”نوائے“ کا لفظ چار  
 جگہ پر صحت کیجئے۔“ (نظامِ اوصاف علی خاں مرقہ ۱۸۵۹ء)

”بہت نزدیکی ہے اور میں مرقہ خاں صاحب کو آج بیچ کر چکا ہوں۔“ ”تیسرے سنے  
 کے آخری جگہ تھے سنے کے بدلے جگہ ہے، اگر وہ دم دگر بر خوب مباحثہ ہم زندہ“ ”غیب“ کی جگہ  
 ”نوائے“ ”بناو“ ”ہر نائے مباحثہ ہم زندہ“ ”غیب“ کا لفظ عربی ہے۔ اگر وہ دھانے کا تو کس  
 جگہ پر صحت کیجئے۔“ ”تیسرے جگہ“ ”نوائے مباحثہ“ ”بناو کی جگہ“ ”غیب“ کی جگہ“ ”نوائے“ کا لفظ چار  
 جگہ پر صحت کیجئے۔“ (نظامِ اوصاف علی خاں مرقہ ۱۸۵۹ء)

”غیب“ کے لفظ کو کھیل کر ”نوائے“ ”بناو ہو گا۔“

(نظامِ اوصاف علی خاں مرقہ ۱۸۵۹ء)

”اگر جس اور کس دم بہ خوب بہ شہید آوے، اگر وہ دم دگر بر خوب مباحثہ ہم زندہ“ ”غیب“ کی جگہ  
 ”نوائے مباحثہ“ ”بناو کی جگہ“ ”غیب“ کا لفظ عربی ہے۔ اگر وہ دھانے کا تو کس  
 جگہ پر صحت کیجئے۔“ ”تیسرے جگہ“ ”نوائے مباحثہ“ ”بناو کی جگہ“ ”غیب“ کی جگہ“ ”نوائے“ کا لفظ چار  
 جگہ پر صحت کیجئے۔“ (نظامِ اوصاف علی خاں مرقہ ۱۸۵۹ء)

حکیموں کو سب بیاں چھاپا آئے کا تدارک ملے۔ ہر اصل کتاب میں غلط ہے، نہ چھاپہ میں غلط ہو، مگر  
 لڑائے اس میں اس میں صاحب کوئی تو نہیں کہے پاس جوں تو ان کو یا بھائی بنی بخش صاحب کو یہ دفتر  
 دیکھ کر سمجھا دیا اور بخوانا۔ (پہلی جلد) (نومبر ۱۸۵۸ء)

اس دادی کے باوجود مظلوم ہوا کہ "غیب" کی درستی نہیں ہو سکتی۔ وہ صرف کتاب میں  
 میں یہ لفظ آیا ہے، پھر چکا۔ اس پر اپنی تہذیب کی سستی کے باوجود غالب نے بہت حساس ہونے  
 کا ثبوت دیا:

"اچھا میرا بھائی! "غیب" والے دو دور سے چار سو ہوں، چار سو ہوں، سب بدلاؤں کا گنڈ  
 کاج نقصان ہو وہ مجھ سے ملگا لینا۔ اس لفظ کے وہ جانے میں ساری کتاب لکھی ہو جائے گی اور  
 میرے کمال کو دستہ لگ جائے گا۔ یہ لفظ اصرار ہے۔ ہر چند سودے میں بنا دیا تھا، لیکن کتاب  
 کی فکر سے رہ گیا۔ "غیب" کے غیب سے مراد جاتا ہوں اس کی درستی کی ضرورت ہو۔"

(پہلی جلد) (نومبر ۱۸۵۸ء)

یہاں تک کہ باآغراس غلطی کی درستی ہو گئی۔

"غیب" کی جگہ "قائے" میں جانے سے غلطی ہو گئی۔ بھائی! میں غلطی کا قصور نہیں ہوں، جب  
 ان ایڈیٹر کا منہ کی دوسری کپی لکھی جاتی ہے (یعنی غالب) غلطی کا عالم ہے، علم اس کا غلط لینا  
 واپس دے دی اور حکم دیا کہ وہ کئی سے زیادہ ہے جس سے غرض ہے کہ کوئی سراسر موافق، ان  
 اوراق کے جو، نہ یہ کہ غرضگوں میں دیکھا جائے۔"

(پہلی جلد) (نومبر ۱۸۵۸ء)

لیکن اس اہتمام و کاوش، حوصلہ و احتیاط اور "فرض مطلق" کے باوجود وہ اس  
 التزام میں تمام دکال پورا نہیں اتر سکے کہ "بڑا ہلو فارسی قدیم" جو دستاویز کی زبان  
 ہے۔ اس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اس کے کہ وہ نہیں بدلے جاتے، کوئی  
 لغت عربی اس میں نہ آوے۔ "غیب" کی ہر قیمت پر انہوں نے صحت کر دی  
 تھی، ہاں یہ بعض نفاذات ان کی فکر سے رہ گئے۔ جن سے یہ جلیل الدین  
 نے اپنے ایک مضمون میں جو "دستجو کا ایک خاص نسخہ" کے زیر عنوان

سرمای "فرائد ادب" بیانی کی چار اشاعتوں میں قسط وار چھپا ہے، بہت اچھی بحث کی ہے ان میں سے کچھ عربی کلمات مثلاً ماتم، زمزم، مشرو، صاحب، قلند، کبیر، حوقا، شہز کی مثال دی جا سکتی ہے۔ یہ پنجاب یونیورسٹی شہید فارسی کے صدر پروفیسر ڈاکٹر عبدالمکرم الرحمن کے بقول، "ان میں سے بعض الفاظ بظاہر فارسی کے ہیں مگر بہانہ لگ کر لفظ "قبضہ" کے ہائے میں تو دفعتاً بدایت کو لکھنا بھی نہ اگر گریہ و زاری پڑے یہی شہزادہ است، اما عربیت و دھڑا پاری آنت۔" مگر ان سب کی اصل عربی ہے۔ یہ سب اصل میں چند مشتکیات کے سوا کتب کی زبان و معنی سے بے ربط ہیں۔ لے خاص فارسی بھاشا اور جس کے لکھنے میں انہوں نے بڑی کاوش سے کام لیا ہے۔"

(مختصر، دستنبو پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۹ء، صفحہ ۲۸۰-۲۹۰)

کاوش ہی سے کام نہیں لیا "اس پر جا بجا، یا بے جا فخر بھی کیا ہے؛

"وہ ان کے دیکھنے و دیکھنے میں آپ کو اہمیت دے رہے، مگر یہ چار چیزوں کا رسالہ (دستنبو) جو اب بھیجا ہے اس کا دیکھنا ضرور دیکھ کر ہے۔ فارسی تعلیم اور پھر شہزادہ معنی اور مختصر الفاظ۔ ہاں ہر براہم کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ"

(تمام) (ادب مسدع صحت علی قان، نومبر ۱۹۸۵ء)

اس عبارت کا خط کشیدہ مقررہ لکھنے پر مجبور کرتا ہے اور مصنفیت سے منکر ہے۔ "مہر" کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ "رکھا گیا" تب ہی یہ کتاب ۱۹۵۷ء کے تازہ فائدہ صحت پر کیس ایکٹ کی موجودگی میں حکام کے چنگی ٹکڑے کے بعد چھپ چکی اور صاحبانِ طبع کو اس کا انطباع نامطلوب نہیں ہوا۔ اگر یہ حکام نے یہ کمال خوشی "اس کے چھاپنے کی اجازت دی تو انہی بتا دیے کہ اس کا طرزِ تحریر ایک طرف، اندازِ عبارت سیدھی اور حقیقت پر ہے کہ "دستنبو" میں غالب بقول لکھے، اگر یہ کی زبان سے بولے ہیں اور انہوں نے مصحف کی قلم سے اسے لکھا ہے۔

۱۔ (الف) جلد ۱، شمارہ ۱، ایفوری ۱۹۵۵ء، ص ۲۱

(ب) جلد ۲، شمارہ ۲، ۱۹۵۵ء، ص ۳۷

(ج) جلد ۳، شمارہ ۳، ۱۹۵۵ء، ص ۵۱

(د) جلد ۴، شمارہ ۴، ۱۹۵۹ء، ص ۳۱

۲۔ فرنگ، انجمن کرائی فارسی، شہزادہ ۱۲۸۰ھ

کتاب کو بقصد اور بااعمال فارسی تفسیر و تہذیب کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں تھا یہ مصطلحوں کے مسئلے ہی کی ایک کڑی ہے۔ اس روزنامے کو دیکھ کر جتنا قیاسی زبان میں لکھ کر غالب نے دوہرا فائدہ اٹھایا۔ پہلی بات تو کمال فن کا اظہار ہے۔ دوسری بات نے ”دستجو“ کو اپنے اس احساس کے مدد پر نئے شیعوں کے طور پر پیش کیا کہ وہ فارسی کے ضمیمہ بنادینگے اور خاص فارسی زبان پر جیسی قدرت اور دسترس انہیں حاصل ہے۔ آج اس کی تعمیر و ترمیم کیا جند اور کیا پارس۔ کہیں نہیں۔

اس مسئلے کی دوسری بات یہ کہ غالب جس معاشرے کے فروختے، وہ پرانے نظام کا حامی اور قومی غلامی سے غور تھا۔ صحیح اہل جند، کیا جند، کیا مسلمان بہادر شاہ ظفر کے کسی نہ کسی درجے میں عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور ان کے دل بادشاہ کی عزت اور عظمت سے یکسر خالی نہیں تھے۔ بہادر شاہ کی ذاتی اہمیت کے بارے میں دورائیں ہو سکتی ہیں، مگر اس میں شبہ نہیں کہ ”اس کی حیثیت ایک علامت اور ایک نشانی کی تھی۔ وہ ڈوبتا ہوا سورج ہے، لیکن وہ ایک ایسی سورج کی شام تھا جس میں ہندوستان نے اپنے سیاسی و تاریخی عظمت کے تار و پوسے دیکھے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ طاقتیں ملک جو کہ عربی سے سلطنتِ عثمانیہ کے تہذیبی اہلی تھیں (۱۸۵۷ء میں) بہادر شاہ کے گرد جمع ہو گئیں۔“

شاہ کے مقابلے میں فرنگیوں کے لئے ہندوستانوں کے دل میں، گو پہلے ہی کوئی جگہ نہیں تھی لیکن ۱۸۵۷ء کی وار و گیر نے ان کے لئے دلوں میں قاسمِ بہت ہی بڑا وار و۔ آخر حکام کی بے ہوشی و نااہلی نے کتاب لکھنے کا نتیجہ معاشرے میں آگشت غامی کا باعث ہو سکتا تھا۔ اس سے بچنے کے لئے غالب نے یہ سرگزشتِ متنازعہ اور مردہ فارسی میں لکھنے کے بجائے فارسی قدیم میں لکھی اور فارسی ہی وہ فارسی قدیم کہ جس کا ہندوستان کا تو کیا نہ گور پارس کے بلاد میں بھی نشان نہیں رہا تھا۔ تاکہ کتاب کے مترجمات بیشتر اہل جند کے لئے سربستہ راز رہیں۔

تقریباً کہ اپنے جہد کی متنازعہ و مردہ فارسی کی جگہ، بہادری، فارسی، نا اہلیت پر عربی میں یہ رد واد لکھنے میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ اس تار و پوس کا زور و اثر تحریر کو اپنے کمال فن کے طور پر پیش کرنا مقصود تھا اور دوسری مصیبت اس میں تھی کہ معاشرہ اہل جند کے لئے کتاب

قتل ایچہ جو کر رہا ہے۔ آخر یہ ہوتا تو جو اس کتاب کے مخالف تھے، وہ بڑے اپنے غار میں غواں  
 تھے کہ فریے اس قتل کو کھلوانا تھا۔ غالب کی جائے قتل کتاب اپنے نا آشنا طرز تحریر  
 کی وجہ سے زندہ بخشتہ آئوں کے لئے غریب و نادار تہہ آکر وہ اس کتاب میں غور و فکر و سلامت  
 بننے سے غور و فکر ہو گیا۔

غالب کو اپنے اس عقیدہ میں بڑی ذہن کا مہیا ہوا۔ ایک طرف انگریز حکام نے اس  
 کے کمالی فن کی دلوں میں، ذہنی و خیالی کی سفارش ہوئی۔ عالی مقام حکام سے وہ دوسرے مراسلت  
 بہ شہرہ ہادی ہو گئے ان کی شہنشاہی اور سرپرستی حاصل ہو گئی۔ قلمی شہسوار سے تعلق کی صفائی ہو  
 گئی غالب کی یہی صورت بنی۔ ایک گوند سکون ہوا۔ پیش کا زریعہ سرسار، پائی پائی مل گیا آئندہ  
 سے طے فرست نہ رہا۔ پچھلا فلسفہ کمال ہو گیا اور دوسری طرف کتاب الہی ہند میں بالعموم نہیں  
 بھی۔ غالب کے ایک سے زیادہ غلوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”دستنبو“ اچھے اچھوں  
 کی سمجھ سے بالا رہی۔

غالب کا اس سب سے متاثرہ ”دستنبو“ کی جہاد کو محض درست پڑنا بھی بڑی بات ہے  
 یہ آسان نہیں۔ فہم جہاد تو بہت دور کی بات ہے اور ہر ایک کے میں کی بات نہیں جہاد  
 کا ڈھنگ نیا ہے اور یہ طرز تحریر نادر و سہی، یہ لگاؤ و نا آشنا مزور ہے اس لئے اعلیٰ علم و فضل بھی  
 اس جہاد سے سرسری گزر سکتے ہیں:

”مبالغہ اس کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں کہ جہاد کا ڈھنگ نیا ہے سب کا درست  
 پڑنا بڑی بات ہے، اگر غلط ہو جائے تو پھر وہ جہاد نری خرافات ہے۔“

(نیا، امر لکھنؤ علی بیگ، ستمبر ۱۸۵۵ء)

”یہ کتاب ”دستنبو“ جو فرس البر (پیشیند) گروہ صوبہ غریب و شمال کے مطالعہ میں ہے۔ قیمت کی بھی  
 ہے مگر خود مطالعہ فرما ہے۔ اور اگر کہیں پناہ چنا ہو گا تو یقین ہے کہ آپ سے پناہیں گے۔“

(خواجہ غلام غفران، ستمبر ۱۸۵۵ء)

”میں کو اس ”دستنبو“ کے دیکھنے کا کھم ہوا ہے۔ وہ اعلیٰ علم و فضل میں سے ہیں۔ لکھنے  
 طرز و انداز میں نہیں کہتا کرتے۔ ہے، گل لگاؤ و نا آشنا ہے۔ خدا کے کہ وہ جو اس کی سہوہ







یہاں نیچے بد تو میرے ہیں، صفحات اور لفاظی کہاں؟ خیر آباد ہو کا توں آپ کو کہیں تکلیف دے گا؟  
 میں سب دیکھتی میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی۔"

(دہلی، تفتہ، سوم ستمبر ۱۹۵۷ء، جہانگیر آباد)

کتاب اپنی نظر اور اپنے شہر سے دور ضبط رہی تھی، ایک قباحت نے پھر یہ کہ ہجوم کتاب  
 کتاب کی خوبصورت، صبح اور جلد تراش و صحت کے متنی غنے اس ضمن میں سرزد ہی انہیں کوئی مذکور  
 فکر لاحق ہو جاتی تھی اور کسی دیکھی تجویز، وضاحت اور ہایت یا استفسار کی ضرورت پیش آجاتی تھی  
 ۲۲ ستمبر ۱۹۵۷ء کے ایک خط میں غالب، حقیر کو لکھتے ہیں:

یہ ہم اتم اور میرے وقت میں مراسلت ہو گیا مکالمات ہو گئی ہے۔ روزنامے کرتے ہیں۔ اللہ اللہ  
 یہ دن ہیں وادیں گئے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات افسانے بتاتے نہ مگرتے ہیں۔  
 اگر خط لکھوں گا تو لفظ بتاؤں گا۔ قیمت ہے کہ وہ اصول آدھ آدھ ہے۔ روزنامے کرتے ہیں  
 مراسلت ہو جاتا؟

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا، غالب نے اگر وہیں جہاں کتاب زیر طبع تھی، میرزا میر گویا لکھتے، مرزا  
 حاتم علی بیگ، میر منشی شیورائی آرام، منشی نبی بخش حقیر اور ان کے صاحبزادے منشی عبداللطیف  
 بدشتکل ایک "کونسل" قائم کر دی تھی۔ ایک سرسری اندازے کے مطابق "دشتیو" کی تجویز دہلی کی  
 ۱۹۵۷ء سے اس کی اشاعت (نومبر ۱۹۵۷ء) تک کی کتاب کی مدت میں غالب نے "کونسل"  
 کو چالیس بیٹیاں خط لکھے، لکھے تقریباً اس سے بہت زیادہ، لیکن محفوظ اتنے ہی رہ سکے۔

اس مراسلت بہر روزانہ نے وہ مواد فراہم کر دیا جس نے آگے چل کر "مرد ہندی" اور پھر  
 "انہ" متلی کی خشیت اول کا کام کیا۔ خورڈی سی مدت میں ایک جگہ، ایک خط میں غالب  
 کے بہت سے خط بھی ہو گئے۔ غالب کا جی کتاب کی اشاعت میں لگا ہوا تھا۔ اس لیے اشاعت  
 کتاب کے سلسلے کے یہ خط جسے بے زور ہیں اور نکلے دل سے لکھے گئے ہیں۔ مکتوب ایہم کے حق  
 میں نسبتاً کم نام اسباب تھے، غالب کی یہ تحریریں، سرٹیکٹ کا دور میر کھتی تھیں۔ انہوں نے  
 اسے اپنی جڑی پے بھی خیال کیا۔ انہیں احتیاط سے رکھا اور اس کی اشاعت کی طرف دھیان دیا۔ ان  
 کی اشاعت میں مکتوب ایہم کو اپنی شہرت کا یہ بیو بھی دکھائی دیا ہو تو عجب نہیں۔ اس طرح کچھ ان  
 غفلت کا ضمن ذاتی اور کچھ اپنے کو نامور بنانے کی غرض اور فطری کمزوری، اس خیال کا باعث ہوئی  
 کہ انہیں چھاپا ہائے۔ چنانچہ جب نومبر ۱۹۵۷ء کے پہلے جفتے میں آرام "دشتیو" کی طبعیت سے

تاریخ جو کہ تو انہوں نے خطوط غالب چاہنے کی فکر کی۔ غالب کے لئے یہ قطعی نئی اور زائد بات تھی۔ انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے نئے واضح شکلوں میں شیونرائی آرام کو لکھا کہ،

”اُردو کے خطوط بہت چھاپے پڑتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے۔ کوئی قدر ایسا ہوگا کہ جس نے نظم خیال کر اور دل لگا کر لکھا ہو گا دردِ معرفتِ قرین سرسری ہے۔ اس کی شہرت میری شیونرائی کے شکوہ کے خلاف ہے۔ اس سے قطعی نظر کا مزوہ ہے کہ اسے آپ کے مخاطب اور دل پر ظاہر ہوں۔ شکوہ یہ کہ اس وقت کا چھاپا ہیئتِ خلافت ملیج ہے۔“

یہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۷ء کا خط ہے۔ اُردو خطوط کی اشاعت کی ”اس تجویز میں منشی ہر گوبال کنتہ بھی شیونرائی کے شریک تھے اور لہذا تھے کہ خط مزور چھاپے جائیں۔ ۱۸ نومبر ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں غالب نے مختصر نوٹ لکھا کہ،

”رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے۔ لوگوں کی سی خد کو اور اگر تباہی خوشی ہی میں ہے تو صاحبِ ہرے دلی بیواؤں کو افسوس ہے کہ اس صورتِ خلافت مانے ہے۔“

اسی روز یعنی ۲۰ نومبر ۱۸۵۷ء کے ایک دوسرے خط میں غالب نے اپنے پچھلے خط کے دالے سے شیونرائی کو لکھا کہ،

”رقوں کے چھاپنے کے باب میں خلافت کلمہ چکا ہوں۔ البتہ اس باب میں میری رائے پر اتم کو اور میرا نقطہ کو مل کر لازم ہے۔“

آرام اور کنتہ کی یہ تحریک و تجویز جسے ۱۸۵۸ء میں دائرِ بات کہہ کر جنگ دیا گیا تھا۔ جنگِ دلی میں بعد ۱۸۵۸ء میں ”مردِ ہندی“ کسٹام سے حقیقت ہی کراہی اور اس کی خوشبو پکارا گنگا عالم میں پھیل گئی ”مردِ ہندی“ بارش کا یہ بلا فطرہ ثابت ہوئی اور اس کے بعد غالب کے اُردو مکاتیب کی میں و قریب کے کام کا ایک سار چھ گیا جس کا سلسلہ کسی حد تک کل میں مہذب و جود کا چھاتا ہے لیکن جب بھی اس سلسلے کے آثار کی جستجو کی جائے گی، بات و جستجو ”کلمہ“ پہنچے گی۔ ”دستجو“ کی اہمیت کا ایک یہ کہ یہ بھی ہے۔

منشی شیونرائی، کتاب باہتمام چھاپ تو رہے تھے لیکن کم و بیش ہر طبع کی طرح، انہیں یہ فکر بھی رہی ہو تو کچھ غیب نہیں کہ کتاب بڑی ہی ضرورہ مانے۔ کنتہ نے اس طرف توجہ دلائی یا خود غالب کا دھیان اس طرف گرا کہ صورتِ خواہ کی بھی رہی ہو ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں کنتہ سے پوچھتے ہیں:

”ہمارے منتقلی شیوہ نرائی صاحب اپنے مبین کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کے اشتہار کیوں نہیں چاہتے  
 تاکہ وہ جو انھیں خریداریوں کی ضرورت ہو جائے؟“  
 اشتہار! اور اس کے مضمون کی طرف اشارہ شیوہ نرائی کے ایک خط مرقومہ اکتوبر ۱۸۵۸ء میں بھی  
 ملتا ہے:

”دستبرد کشا قاندا سرورق کی عبارت از دہ کے احتیاط و دوبارہ ارسال کی ہے۔ یقین ہے کہ پہنچ گئی  
 ہوگی اور چھاپی گئی ہوگی اور آپ نے اسی عبارت سے اشتہار بھی اخبار میں چھاپا ہو گا یا چھاپے گا؟“  
 غالب کے خطوں میں ایسا کوئی سوال میری نظر سے نہیں گزرا کہ کتاب کا یہ مجوزہ اشتہار طبع مفید طریق  
 اگر وہ کے اخبار میں چھاپا یا نہیں، لیکن کتاب کے چھپ چکنے کے بعد غالب کے ایک خط بنام شیوہ نرائی کا یہ  
 مجوزہ صورت حال کو کھنسنے میں مدد دیتا ہے:

”یہ صاحب دیکھ اطراف و جانب سے نظر فرمائیں سیکھتے ہیں، ہم سے یہ قیمت کوئی نہیں ملے گی۔“

(موجودہ ۱۸۵۹ء)

غالب کے ایک خط سے ”دستبرد کشا“ کی نکاحی کے بارے میں کتاب کے طبع شیوہ نرائی کی ایک  
 تجویز ہو رہا ہے (جو مزدوری نہیں کہ نہ پانچ لے سکتا تھا ہی ہو) کہ غالب ہماری اسٹورٹ ریڈ سے جو  
 صوبہ غریب و شمال میں فکر تعلیم کے تار کڑھتے، ”دستبرد کشا“ کی خریداری کی تحریک کریں۔ غالب نے جواباً  
 لکھا کہ ریڈ صاحب نے مجھ سے اردو میں کتاب مرتب کرنے کی فرمائش کر رکھی ہے وہ پوری ہو تو ”دستبرد  
 کشا“ کی خریداری کے لئے لکھوں۔ غالب کے خطوں کے لفظ یہ ہیں:

”جب ہماری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ایسی میں خلا نہیں ملے گا کہ ان کی فرمائش ہے اردو کی نثر وہ انجام  
 پائے تو اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں۔“

(بنام شیوہ نرائی، اکتوبر ۱۸۵۸ء)

”ریڈ صاحب کے باب میں اس نے یہ کہا تھا کہ جب اردو کی نثر ان کے واسطے کمزور ہو گا تو ”دستبرد  
 کشا“ کی خریداری کی خواہش کروں گا۔“

(بنام شیوہ نرائی، اکتوبر ۱۸۵۸ء)

یہاں خریداری کی خواہش ”سے مراد ہے کہ ہماری اسٹورٹ ریڈ“ اپنے ٹھکے یعنی مدارس وغیرہ  
 کے لئے ”دستبرد کشا“ کی کچھ جلدوں کی انٹیم خریداری کا انتظام کر دیں، نہ کہ وہ ”اپنے لئے“ ایک نسخہ

خریدیں، اس کے ذاتی ملاحظے کے لئے تو شیونرائی اور غالب دونوں الگ الگ دستیوں کا ایک ایک نسخہ دیکر چکے تھے۔

"ہماری اسٹوڈنٹ ریڈ صاحبہ صاحبہ صاحبہ کے مدرسوں کے عالم اور گورنمنٹ کے پڑے صاحب تھے۔ اس کے دونوں میں ایک ملاقات، میری آن کی ہوئی تھی میں نے آپ ایک کتاب دادا بے جہاں کو لکھی تھی۔ کل اُن کا خط لکھ کر اس کتاب کی رسیدیں کیا، بہت قریب لکھتے تھے اور اُن بھی ایک ملاقات ہے۔ لکھ کر لکھتے تھے کہ "دستو" پہلے اس سے کہ تم جیسے "مطیع منید مطلق" نے اس سے کہا اس بھی ہے اور ہم اس کو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ قلمیاد اور اس کتاب کے کچھ پہلو" (نام آہستہ، ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء)

ظاہر ہے شیونرائی کو "دستو" کے ناشر تھے، تاہم طور پر اس بات کی غلطی تھی کہ کتاب چڑی مارا جائے، جلد نکل جائے۔ غالب نے ۱۸۵۹ء کے خط میں انہیں لکھا کہ، "ایک قریب سے ہوا کہ موسم بخار کے گوشہ گورنمنٹ سودا "دستو" کی خریداری کے لئے اور ان نکلنے کو دلا دیتے گی۔ کیا امید ہے کہ پہلے دو جہتے ہیں، الٹا ہوا سے قلمیاد سے اس حکم پہنچے۔" شیونرائی کو "قریبے" کی جستجو ہوئی جو نقداتی بات تھی لیکن غالب سے بات بنائے نہیں بنی، "میں اس کی استریز بتاؤں، گورنمنٹ کی خریداری کا؟ ایک بات اس سے کہ ابھی کہہ نہیں سکتا۔ خدا کے اس کا ظہور ہو جائے، ابھی مجھ سے کہہ نہ پڑا۔"

(مرقومہ ۱۸، ۱۸۵۹ء، ۲۷)

کوئی بات اگر "واقعی" تھی بھی تو اس کا "ظہور" بہر حال نہیں ہوا، اس لئے کہ شیونرائی کے نام غالب کا ایک خط رقم ۱۹ اپریل ۱۸۵۹ء اس بات کا مظہر ہے کہ کتاب کا ایڈیشن اپریل ۱۸۵۹ء میں سب کا سب نکل گیا اور اس میں غالب کی کسی کوشش کو دخل نہیں تھا، "کتبہ" "دستو" کے یک جہتے سے میں خوش ہوا، خدا کے جس کسی کو دی ہو، دو تین لیلیاں جو سلام ہیں، وہ بنا دی ہوں۔ یہ نہ سلام ہوا کہ صاحب لوگوں نے خریدی یا چند دستوں نے ہیں؟ تم مجھ کو بہت عزت و مہر دیکھو۔ میں ایسا مانتا ہوں کہ یا تو صاحبان انگریز کی خریداری آئی ہوگی، یا پنجاب کے ملک کو یہ کتابیں لکھی ہوں گی یا وہ ہیں، کم کی ہوں گی؟

غالب کا قلمیاد ۲۲ اپریل ۱۸۵۹ء کے خط میں آرام کو لکھتے ہیں،

"دستو" کی خریداری کا سلام ہو گیا، میرا بھی لکھی گئی تھیں کہ لاہور کے خط میں لکھی ہوں گی؟

کتاب کا ایڈیشن ۱۹ اپریل ۱۸۵۹ء سے پہلے نکل گیا تھا لیکن پھر اس کا ایک نسخہ ولایت بیچنے کی ضرورت پیش آگئی۔ آرام اگر وہیں سے دہلی کر رہے تھے۔ چنانچہ ۲۲ جولائی ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں غالب نے انہیں لکھا کہ:

”مگر تشریف باقی ہوں تو دو اپنے ساتھ لے آؤ۔“

آرام کے نام ۷ اگست ۱۸۵۹ء، ۲۰ اکتوبر ۱۸۵۹ء اور ۲۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء کے خطوں میں بھی کتاب ”دعوتِ شیش“ اور ولایت کے لئے انگریزی عرضی کا ذکر کیا ہے یہ دونوں جیسے ہی اس وقت تک غالب کو فائدہ نہیں ہوئی تھیں اور اگلے برس غالب اور وسط جنوری تک یہ کہیں مل سکیں، اس لئے کہ سردار خج ۱۸۶۰ء کے ایک خط میں جو غالب نے راجپور کے دو زبان قیام میں آرام کو لکھا ہے کتاب اور عرضی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

”کتاب اور عرضی اور وسط و جنوری میں ولایت کو روانہ کر سکے یہاں آیا ہوں۔“

اپریل ۱۸۶۰ء کے ایک خط میں جو راجپور سے دہلی لوٹ آنے کے بعد آرام کو لکھا گیا ہے غالب کہتے ہیں:

”۱۹ اپریل ۲۰ جنوری ۱۸۶۰ء کو کتاب اور دونوں عرضیاں ولایت کو روانہ کر کے واپس آ گیا ہوں۔“

گویا ولایت بیچنے کے لئے ”دعوتِ شیش“ کے ایک نسخے کی فراہمی کی جو فرمائش غالب نے جولائی ۱۸۵۹ء میں کی تھی، آرام اُسے چھ ماہ کے بعد لوہا کر کے۔ تاخیر لہذا سراسی بنا پر واقع ہوئی ہوگی کہ کتاب آرام کو کاشی بسا کے ہندوؤں، اس درمیان میں نہ مل سکی ہوگی، چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ ”دعوتِ شیش“ کا پہلا ایڈیشن جو نومبر ۱۸۵۹ء میں چھپا۔ اشاعت کے قریب آٹھ نو ماہ کے اندر اندر سب کا سب نکل گیا تھا اور اسی زمانے میں اس کا آٹھ آٹھ آسان نہیں رہا تھا۔



”دعوتِ شیش“ میں غالب نے انگریزوں کی چھرو دھتوں کے لئے طعنے شے کئے ہیں اور ان مظالم کے لئے ہوا زبید کر کے انہیں بے اثر اور پرہیزگار بنانے کی کوشش کی ہے۔

”غضبِ ناک شیروں (انگریزوں) نے شہری دامن ہوتے ہی بے سوساں لوگوں کو قتل کرنا اور مکوں کو ہلانا کائناتِ محمدہ ان میں حکام کو کرشمہ کہتے ہیں، لوگوں پر مایوسی ہی سبب ان کی

جاتی ہیں شہ۔“

”یہ جو گھبراہٹ اور ہان دھال محفوظ رہنے کی ذمہ داری نہیں لی گئی ہے، اس کی وجہ صرف یہ

ہے کہ بے گناہوں اور گناہگاروں میں امتیاز ہے؟

”میں جانتا ہوں کہ اس بیچارے تک ہے کہ جو شخص اظہارِ اطاعت کرے اس کو قتل دیکھا جائے، مال بھی لیا جائے اور جو شخص مقابلہ کرے، مال کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی بھی لیں لی جائے۔ مقتولین کے متعلق یہ خیال ہے کہ انہوں نے یقناً اطاعت نہیں کی، اسی وجہ سے ان کو قتل کر دیا گیا۔“

غالب نے ایک طرف تو انگریزوں کی سختیوں کو امرِ معمولی تصور دیا ہے۔ دوسری طرف ان کے لئے بہرِ فراہم کرنے اور پناہ گاہیں تلاش کرنے میں مستعدی دکھائی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ غالب نے انگریز سپاہیوں کے مظالم کو کم کر کے پیش کیا ہے اور ان کی معقولیت اور انسانی ہمدردی کے گوشے دکھائے ہیں:

”----- انگریز بے گناہوں کو قتل نہیں کرتے ہیں۔“

” (انگریز سپاہی) عموماً سامانِ لوٹ لیتے ہیں، قتل نہیں کرتے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے اور وہ بھی صرف دو تین کوچوں میں کہ پہلے قتل کر دیا، پھر سامانِ لوٹ لیا۔ (البتہ) بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کا قتل دروغ نہیں رکھا ہے۔“

”انگریزوں کو دیکھو کہ جب دشمنی (کاہل لیتے) کے لئے لڑنے آئے اور گناہگاروں کو سزا دینے کے لئے لشکرِ کامیاب کیا، چوں کہ (وہ) شہرِ دہلی سے بھی برہم تھے تو موقع تو اس کا تھا کہ شہر پر قابض ہونے کے بعد کتے ملی (جگ کو) زندہ دھوڑتے (لیکن انہوں نے) ہنہٹا دیا۔ (انگریز) ان کے سینے میں گولی کی آگ بھڑک رہی تھی، عورتوں اور بچوں کو ڈرا نہیں ستلایا۔“

غالب کے یہ بیانات سرِ سیمپسن انگریزوں کی تائید میں ہیں لیکن خود فیہر جان ہمارا انگریز سوز نہیں کی شہادتیں اس کے برعکس ہیں۔ دہلی کے شہریوں پر انگریز سپاہیوں کے جاں سوز مظالم کے بارے میں لارڈ آلفنسن، سر جان لارنس کو لکھتے ہیں کہ:

” (دہلی کے) بیماروں کے ترہ بانے کے بعد سے ہماری فوج نے جو ظلم کئے ہیں، انہیں میں کر دیں چاہئے تھے۔  
 تب بھی دو سو اداشوں میں تھوڑے کے یہ لوگ سب سے یکساں ملے رہے ہیں۔ لوٹ میں تو سخت  
 میں ہم نادر شاہ سے بھی ترہ گئے :

[Life of Lord Lawrence, by : Basilworth Smith, vol. II p. 262]

پنڈت مند لال کا بیان ہے کہ

” ہمارے کے دونوں ہی قلعے کے پچھتے میں بیمار اور زخمی سپاہیوں کا ایک اسپتال تھا۔ کچھ  
 کی فوج جس وقت قلعے کے اندر گئی رہتے زخمی اور بیمار اسپتال کے اندر دکانی دیے، ان سب  
 کو ان سب نے اپنی نگاہوں سے عبور کے لئے آنا دکر دیا۔ اسی طرح اور بھی کچھ جگہ جہاں  
 زخمی اور بیمار پائے گئے قتل کر دیے گئے۔“

(سینٹون، ص ۱۶۶، انکوار، تاریخ ہند، منشی دھرم رائے خاں، ص ۶۴۶)

دہلی دہلی کے قتل عام کے بارے میں مائٹ گری مارٹن لکھتے ہیں کہ

” جس وقت ہماری فوج شہر میں داخل ہوئی تو پچھتے ہی شہر کی دیواروں کے اندر پائے گئے۔  
 انہیں کسی جگہ نہیں سے مارا تو قید آپ لکھتے ہیں کہ ان کی تعداد کتنی زیادہ سی ہو گی جب میں  
 آپ کو یہ بتاؤں کہ ایک ایک مکان میں چار پانچ یا کس اور کچھ پاس آدمی چھپے ہوئے تھے یہ  
 لوگ بڑے تھے بلکہ شہر کے باشندے تھے۔ جنہیں ہماری شہر ذمہ دار اور مقامی پروردگار قتل  
 یہ کہنے سے کوئی ہوش ہوتی ہے کہ انہیں مار دی ہوئی۔“

[Letter in the Bombay Telegraph, by : Montgomery Martin]

ایک دوسرا انگریز مورخ لکھتا ہے کہ

” دلی کے باشندوں کے قتل عام کا کھانا ملایا گیا۔ تاکہ ہم جانتے تھے کہ انہیں سے جہت سے ہماری  
 فتح پانچتی ہے۔“

[The Chaplain's Narrative of the Siege of Delhi,

quoted by : Kaye]

اس وقت تک قتل عام کے دنوں میں صرف ایک دلی کے منظر کو بیان کرتے ہوئے ہارڈن بارش  
 لکھتا ہے کہ

” ہم پر کراہی اور آواز سے پہنچتی چک گئے تو ہمیں شہر سخت میں مژدوں کا شہر نظر آتا تھا

کوئی آواز سوائے ہمارے گونڈوں کے ٹٹوں کے سنائی نہیں دیتی تھی کوئی ذمہ داری نہیں تھیں آپ سب  
طرف مڑوں کا بھڑنا، کیا جوا تھا، کہیں سے کچھ مرنے سے پہلے بڑے سک رہے تھے۔“

”پہلے جو تھے بہت دھیرے دھیرے بات کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں ہماری آواز سے مڑے نہ چلے  
پڑیں۔ ایک طرف مڑوں کی لاشوں کو سٹکے لگا رہے تھے اور دوسری طرف لاشوں کے اس پاس گدے بھی  
تھے جہاں لاشوں کو فوج فوج کر مڑے سے کھا رہے تھے اور ہمارے چیلے کی آواز سے آواز کر تھوڑی  
دور جا بیٹھتے تھے۔“

”خاصہ کہ ان مڑوں کی حالت بیان نہیں ہو سکتی ہمیں طرح ہیں ان کے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا  
اسی طرح ہمارے گونڈے انھیں دیکھ کر ڈر سے بڑھتے اور بھنساتے تھے۔ لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔  
ان کے مڑنے سے جو ایس بھاگ کر نے والی بد بو پھیل رہی تھی۔“

[Forty Years in India, by : Lord Roberts]

ان میں سے بہت سے لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دے دے کر مارا گیا۔ انٹینڈنٹ ماجندہ  
نے اپنی انگلیوں دیکھا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ سکھوں اور گدوں نے مل کر ایک ذہنی آدمی کے سر پر  
کو پہلے اپنی انگلیوں سے بار بار پیسہ دھا اور پھر دھکیں اسی طرح کے اوپر اُسے زندہ جیون دیا  
”اُس کو گتھ پٹھا، پٹوں میں کالا ہو گیا، اور چیلے گوشے کی سڑی پہ بولے اُنہی اُٹھ کر ہوا تو

زیر پا جاتا۔“ [Up Among the Pandies, by :

Lieut. Majendie, p. 187]

”خاتم اخبار کے نامہ نگار سر ویلیئم رسل نے لکھا ہے کہ،

”میں نے اس شخص کی ملی ہوئی ٹہنیوں کی دیکھی ہے جس میں دھکیں پڑی ہوئی دیکھیں۔“

[My Diary in India in the year 1856—59, Vol. 1, p. 301—302]

گاہے گاہے نے سر جی لائی سے کہا تھا کہ وہی میں کہی مسلمانوں کو نظر کے زمین سے ہاتھ کر سر  
سے پاؤں تک پھٹے ہوئے تانے کے ٹکڑے تھے اسی طرح داغ دی گئی تھیں

[Indian and Home Memories, by : Sir Henry Cotton, p. 143]

ان لوگوں کو مارتے سے پہلے کسی بھی ہتھیار کے لئے کسی کو شش کی جاتی تھی ایک انگلی  
پاوی کی جودہ نے لکھا ہے کہ،

بہت سے لوگوں کو پکڑ کر پہلے ان سے انگلیوں کے بل گرجا میں بھاڑ دو لوائی گئی اور پھر سب



کو چھانی دے دی گئی۔“

[A Lady's Escape from Gwalior, p. 243]

رسل لکھتا ہے کہ یہی گئی۔

خاموشیوں کو دہانے سے بچتا نہیں ہو سکی گاؤں میں کسی دیا جاتا تھا، آگ پر سوز کر جہاں مل رہی جاتی تھی اور چھائی کے جسم چھائی ہاتھ تھے اور ہنڈوں کو ڈیر کھینچ دھرم سے گرا رہا تھا۔“

[Russell's Diary, Vol. II, p. 43]

پہنٹا مسکدہ لہتے چمک رہا ہے کران در دھاک و اتھات کے بارے میں زیادہ واضح میں دیا بہت تعلیم دہ ہے۔ تصویر بڑا کہ ایک بار دہائی دلی خالی اور دیر میں ہو گئی بلکہ ان نے گئے گھراؤں کو چھڑا کر تکی کے کپڑے کی قوت کو مدد مل رہی تھی وہ باقی سب شہریوں کو جو قتل یا پھانسی سے بچ سکے نہ رہ گئے شہر سے باہر نکال دیا گیا۔ مورخ جو اس لکھتا ہے:

”وہی کہ ہندوؤں نے ہاتھوں کے چروں کا کٹی لگا کر دھوا کر ڈالا۔ دھوا چڑھ رہا عورت اور بچے بچے گھراؤں کے افراد کو حرکت دلاتے ہیں انہوں نے کڑی مخالفت کی تھی۔ اپنا جو کچھ مل سکا وہ وہ خیموں میں بچے چھوڑ گئے تھے، ان سے وہ جوش کے لئے ہاتھ دھوپ کے لئے کڑی پانیوں نے لگی اور گھر گھر مار کر تھپی چڑھ کر ڈھونڈ کر نکال لیا تھا اور جو کچھ ملان وہاں خاکروٹے جا کے آئے تھوڑے عرصے میں ان کے گھر ڈالا۔“

[A History of the Indian Mutiny, by : Holmes, p. 386]

سرمجہاں لارنس نے انگریزی کمانڈر کے نام دسمبر ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں اعتراض کیا ہے کہ ”بلکہ یقیناً ہے کہ ہم نے عمل کرتے سے بلا استیصال تمام بلتوں کو لٹا دیا اس کے لئے ہم پر بیحد لعنت بھیجی جائے گی اور یہ فعل حق بیکار نہ ہو گا۔“

[Life of Lord Lawrence, by : Baswarth Smith, Vol. II, p. 138]

خود انگریزوں کے ان اعتراضات کے بعد غالب نے اسے اپنا اسے مصداق کی کیا وقعت دے جاتی ہے۔ جو مرتد تینوں میں انہوں نے انگریزوں کے ضبط و تحمل کی قدر میں دیکھ کر۔ غالب نے یہ بھی کہا ہے کہ انگریزوں نے:



موزخ سرحدوں کے تحت ہے کہ :

” فوجی اور سول دونوں طرح کے انگریز افسر اپنی اپنی عاداتیں لکھ رہے تھے یا پھر کسی طرح کے منہ  
کا منہ لگ کر پہلے اور پھر ”رو“ اور ”صیا“ چھوٹے جنسے کا خیال کئے چند دستاویزوں کا قتل عام کر رہے تھے  
ہندوستان کے گورنر جنرل نے جو خط لکھا تھا بھیجے ان میں ہماری برٹش پارلیمنٹ کے کانفرنس میں شامل  
درج ہے کہ ہندوستانی اور ان کے کسی طرح سے قریبی کیا گیا جس طرح ان لوگوں کو جو ہندوستان میں شامل  
تھے۔ انگریزوں کو فخر کے ساتھ یہ کہتے ہوئے یہ خطوط میں لکھتے ہوئے بھی جھگڑا محسوس ہوئی کہ جہت  
ایک بھی ہندوستانی کو نہیں چھوڑا اور اسے ہندوستان میں کوئی ٹیوٹوں سے اٹانے میں نہیں جڑا  
آتا تھا اور میرٹ، انگریز خوشن جو تھی۔ ہندوستان کی تاریخی کتابوں میں یا اگر کتابیں نہ ہوں تو  
کی کتابوں اور بیرونیوں میں ہمارے قوم کے خلاف یہ یادگار رہے گی کہ ہندوستان کی مائیں، بیویاں  
اور بچے جن کے نام سے ہم اپنی اسی طرح حافظ نہیں ہیں، انگریزوں کے اختتام کی پہلی پانچویں  
بے رحمی کے ساتھ لکھ رہے تھے۔“

(Kaye's History of the Sepoy War, Vol. II, p. )

غور گورنر جنرل لاؤڈ کیلنگ نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو اپنی کونسل کے اندر کہا تھا :

” ہمارے چھوٹے بڑے ہر طرح کے قلم ہی بکدہ لوگ ہیں ان کا قصور کم سے کم بہت ہی شگواں تھا  
بہتر کسی چیز کے پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ گاؤں کو ناماً طور پر جلا ڈالا گیا اور لوٹ لیا گیا۔ اس طرح قصور  
اور بے قصور مرد اور عورت بچے اور بوڑھے سب کو جاکسی چیز کے سزا دی گئی۔“

(نحوال، ص ۲۵۰)

غالب نے انگریزوں کے مظالم اور ان کی بے رحمی اور تشدد کی کاتر جھلکا کرنے کی ایک سورت  
یہ بھی لکائی کہ ”ہاتھی“ سپاہیوں کے طرز عمل کو حاشیہ آرائی کے ساتھ بڑا چڑھا کر بیان کیا  
” ۱۸ مئی ۱۸۵۷ء کو (گو) میرٹھ کی فوج کے کچے بد نصیب اور خدیوہ سرسپا ہی شہر (دہلی) میں  
آئے۔ نہایت ظالم و منافق اور تلخ حسد راجی کے سبب سے انگریزوں کے خون کے پیاے۔۔۔  
(۲) مدھوش سوار اور اکثر پیادے، دیوانوں کی طرح ادھر ادھر دوڑ پڑے۔ جو ہر کسی افسر کو  
پایا اور جہاں ان کا بلی ہاؤس (انگریزوں) کے مکانات دیکھے، جب تک ان افسروں کو نہ نہیں  
ٹھاکا اور ان مکانات کو بالکل تباہ نہیں کر دیا۔ ادھر سے رُخ نہیں پھیرا۔“

”نہیں ہر طرف گل انداموں (انگریزوں) کے خون سے رنگیں ہو گئی۔ باغ کا ہر گوشہ دریانی اور بیادری کے  
 منہ سے ہندوں کا دھن ہی گلیا، انکس اور دیگر علم و حکمت، انصاف دکھانے والے خوش اخلاقی و  
 شہادتِ احکام اور صدق و سچائی پر ہر ناک و کان ہلن تھا تو کھڑکیاں کھری ہو چکی تھیں کہ اس طرح چلتے تھے  
 انہوں کے بدن کی چاندی کی مسدود دیکھتے تھے اجماع وہ دیکھے جنہوں نے انکی دُنیا کو (انکی طرح) دیکھا  
 ہی نہیں تھا، انکی کے ہنس کھنچے سے گلاب و لالہ کے چھوٹوں کو شہادت تھے اور انکی کی خوش بقا و  
 کے ساتھ ہر گل اندام کی رفتار پر کما سلاطین ہوتی تھی۔ یہ سب ایک دم قتل و خون کے جھوٹ میں  
 چنک کر (مگر قتل نہیں) ڈوب گئے۔“

”ایک ہفت روزوں نے (اپنے) آقاؤں کے ساتھ پیش آنوار اٹھائی۔ بے چاری عورتوں اور گھبراہٹ میں  
 کھینچے ہوئے بچوں کو قتل کیا۔“

غالب کا بیان ہے کہ خود یہ مسرہ ظالم، مفسد، دلیس یہاں ہی انگریزوں کے خون کے پیاسے تھے  
 انہوں نے دیوانوں کی طرح انگریزوں کو قتل کیا۔ ان آقاؤں اور مدد و خوش انقلابوں نے یہی چہرہ، ناک و گال  
 انگریز عورتوں اور گھبراہٹ میں کھینچے ان کے جن گھر، حصوں، بچوں کے قتل عام سے وہیں دیر پہلے نہیں کیا یہاں  
 تک کہ انہوں نے گل انداموں کے خون سے رنگیں ہو گئی۔ یہ بیان یہاں لکھنا اور مقابلہ انگیز ہے اور ایک  
 مستورہ شہادت سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ انگلستان کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے یارڈ سے  
 چند دستاویزی پتہ چلی کی شہادت گری کی تحقيقات کرنے کی غرض سے خود انقلاب برطانوی کے انوں  
 میں بہت دستاویزی کا دورہ کیا اور واقعات کی اصلیت کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانے کی سعی میں لگے یارڈ  
 کے رہنما تھے اور تحقیق کے نتائج کو ان افکاروں میں بیان کیا ہے۔

”نہایت زیادہ جو شہادتیں کے بعد اچھے سے اچھے اور سب سے زیادہ اہم اور  
 سچ و سچوں اور سب سے زیادہ قابلِ استناد راجوں سے جو احوال ملے ہیں، ان سے مجھے اس بات کا  
 پورا یقین ہو گیا ہے کہ دلی، کوئٹہ، جہانپور اور دیگر سرحدی مقامات پر جو بہت ہی خوفناک مظالم کیا جاتا ہے  
 نامزد عورتوں اور بچوں کے گئے، وہ سب کے سب بلاشبہ انکی کے ہمدرد اور فرزند ہیں اور  
 کہنے والوں کے خود اپنے ہی شکر سے جو کہیں دیکھیں گے انکی کے لئے (انکی شہادتیں) آئی ہیں۔“

[Mr. Layard, M.P., in The Time, 25th August, 1858]

آرام نے قاتل کو کتاب کے نکل جانے کی اطلاع دی۔ اس کے جواب میں قاتل نے اسے یہ اطلاع دے کر ایک خط میں لکھتے ہیں :-

”دیکھو صاحب! تم کو کھاتے تھے انگریزوں کی جیڑی، اب دیکھو کہ تم کو کھاتے ہیں انگریزوں کا صندوقچہ۔“

ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے۔ جو زندہ ہیں، وہ بھی میں سیکڑوں گرفتار ہو چکا ہوں۔ جو زندہ ہے، اس میں محدود نہیں رہا۔

اور جاننا ہوں کہ یہ تو معاہدہ انگریزوں کی غرضیاری آئی ہو گی یا پنجاب کے حکام کو یہ کتابیں ملنی چاہی تھیں؟

میں نے کہا کہ انہوں نے کتابیں لے لی ہیں۔

یہ کتاب کا ایک شیش ٹکڑی ہونے کی اطلاع ملنے پر قاتل نے اس خط میں بعد کی صورت حال کے بارے میں جو غور کی باتیں دی ہیں، وہ محدود اصل اور نکل کتاب پر محدود ہیں۔ ”دستبر“ میں انہوں نے چند دستاویزوں کو شش کہا ہے اور انگریزوں کی سیکڑوں کی تعداد اور اس پر ہندوستانیوں کی تعداد کے بارے میں

”خدا کے واسطے چند دستاویزوں کا طرز (مضمون) یاد کرو، اس کے بغیر کہہ چیتے تھے دشمن کی کوئی ہمت نہ

اور صلوات کا کوئی سبب نہ (ان چند دستاویزوں نے) اپنے آقا ملک کے مقابلے میں ہمارا ہاتھ دیا۔ یہ چوری

(انگریزوں اور قاتلوں اور گناہوں سے) کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی کیا (حالا اس) سبب ہاتھ دیا کہ اپنے آقا سے

بے وفائی کرنا لگا۔ ہے (اس کے مقابلے میں) ان انگریزوں کو دیکھو کہ جب کو شش (کا بدلہ لینے) کے

لئے آئے، اٹھے اور گناہوں کو سزا دینے کے لئے شکر کا ستر کیا۔ ہو گا (وہ) شہر وادوں سے مل کر ہم

تھے تو موقع تو اس کا تھا کہ شہر وادوں کا ہل ہونے کے بعد کتنے ہی ملک کو زبردستی چڑھتے (دیکھو انہوں نے)

جنگ کیا (انگریزوں) ان کے چیتے میں تھے کہ ان کی ہر حرکت پر جیڑی ہو رہی اور ان کو اور انہیں مستحضر

اس میں شکر میں مذکور خط، تمام شہر وادوں کی خط کشیدہ سہارے کے وزن اور اس کی

قد و قامت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ :-

”ہندوستان کا گھر وہ ہے چراغ ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے، جو زندہ ہیں ان میں سیکڑوں گرفتار ہو چکا

ہیں۔ جو زندہ ہے اس میں محدود نہیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ ”دستبر“ کی غرضی تصنیف، قائد شعلی سے اپنے تعلق کے واضح کو ماننا،

اور تحریر کیا ”آدھی کو“ ”تخت پر ہے“ ”ہشت در دے“ ”انگریز حکام“ یا ”غیرت کی نظر میں سرخرو ہونا

تھ — اور سرخرو ہونا“ ”میں سرخرو ہونے ہی کے لئے نہیں تھا، حکام وقت کو اپنی دغا دہی

کے نتیجے میں دلائے کی غایت باطنی، پیش کے اجراء کی آرزو اور خطاب و غصے پانے کی تباہی۔ انگریز

حکام کے لئے یہ تصدیق چلاؤں گا، احکام، حکم و سطر کے لئے "تھیوڈور گزٹوہ" اور "تھیوڈور گزٹوہ" کی تصنیف اس کے شہر سے پناہ جانے کا آرزو قدم ہے اور ان تک کتاب پہنچانے کی عجلت اور عالی مقام سماجی فکری سے رابطہ طر حالے اور راہ و رسم مرامت کی فکر تھوڑی اپنے مقصود اہل کے لئے راہ ہموار کرتے ہی کی گزیرا لیں۔

یہ بھی ہے کہ غالب نے "خیر علی فاقین" سے جیسی سہمی بھی وفاداری کا اظہار کیا ہے، اگر ہم اس زمانے کے بے دریغ اور بے جا قتل عام کو ذہن میں رکھیں تو اس کی نوعیت کا اندازہ کرنے میں وقت نہیں ہوگی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس انقلاب سے اُن کے تعلق یا اس سے اُن کی ہمدردی کا ذرا سا بھی مشبہ انہیں دلدرد کی آزمائش میں مبتلا کر سکتا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ غالب کی گزراوقات کا وسیلہ پیشہ اور لکھی، تھی اور قتل اس کے کہ گزیرا سب کو اس کے دوبارہ آہستہ وار کے لئے رضامند کیا جائے اس کے لئے اپنے استحقاق (یعنی بے گناہی) کو ثابت کرنا ضروری تھا۔ (بلاشبہ) یہ بات ایک ایسے شخص کے لئے اور بھی ضروری تھی جن کا تعلق اُس سے رہا ہو اور جو وہی کے مثل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کا ستاد رہا ہو اور دوست رہا ہو۔ یہ بھی ہوا بھی کہ غالب نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے اور پیش کے لئے اپنا عقائد چنانچہ میں کوئی گستاخانہ نہ رکھی۔ ہر حال آدھی ان حالات میں بھی کرتا، غالب سے ہمیں روشنی اس کی توقع تھی، وہ چوری نہیں ہوئی۔ صورت حال جیسی بھی ہو، یہ حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء میں جب حالات غالب کے لئے سازگار ہوئے تو انہوں نے بھی اپنے بہت سے دوسرے اصحاب کی طرح ذاتی رافقت کو دوسری تمام چیزوں پر ترجیح دینی۔

ذاتی تحفظ اور فروغ مراتب کی طرف سے لکھی گئی اس کتاب کے چند جہات کو ہر چیز "ہستوہ" نامی کے ہزار نہیں سمجھا سکتا اس سرگزشت کی تحریک و تحریر خاص مسطور کے تائید رہی ہے۔ یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ

"یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس کے واقعات کے ہر حال اس طالب علم کے لئے یہ کتاب ایک کامیابی تھی۔"

(اردو کے سنی، دہلی، فروری ۱۹۶۱ء، ص ۱۱۲)

غالب نے "دستوہ" کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا اور بتایا، گو اس سے کچھ

نے جیسی توقعات وابستہ کر لی تھیں، وہ پوری نہ ہو سکی۔ باری برسر کتاب کی یہ اہمیت بھی ختم ہے کہ اس سے غالب کے کچے سوانح پر روشنی پڑتی ہے اور بالخصوص اُن کے اُفتاد و مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔



”دشتیو“ کا دوسرا ایڈیشن سات برس بعد ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت کے بھی کچھ خاص محرکات تھے۔ ”دشتیو“ (نومبر و دہ) اس کی اشاعت کو غالب نے اپنے لیے بہت سے حکام و مطالب کے حصول کا ذریعہ بنانا تھا، لیکن اس سے انہیں کوئی فوری فائدہ نہیں ہوا جیسا کہ ان کا نام نے لکھا ہے۔

”میرزا غلام غلامت تو دیکھ رہا تھا اور بد خلعت اور بے چارگی میں جاری نہ ہونے اور اگلے تہہ پر کس انہیں و اگر اشتہار کرنے کی دقت و صوبہ میں گورنگے۔ آخر جب مئی ۱۸۹۵ء میں چٹل اور مارچ ۱۸۹۳ء میں دربار و خلعت جاری ہو گئے تو پھر اپنا مطالبہ پڑا۔ اس پر انہوں نے ۱۸۹۵ء کے ایک کانفرنس دوبارہ درخواست دی کہ۔

۱۔ مجھے ملک عالیہ کا شہر و دربار مقرر کیا جائے۔

۲۔ دربار میں پہلے سے اونچی جگہ دی جائے۔

۳۔ میری کتاب ”دشتیو“ حکومت اپنے خرچ پر شائع کرے۔

اس پر گورنر جنرل نے ایف بی بی کے ذریعہ پنجاب سے ان کے ہمدے میں دلچسپی طلب کی مگر گورنر پنجاب نے لکھا کہ میرے خیال میں کشمیری کی یہ سفارش معقول ہے کہ علیٰ حضرت ملکہ مظفر کا تو نہیں، لیکن انہیں وائسرائے کا درباری نہ عمل کر رہے ہیں کوئی حرکت نہیں۔ یہ بھی لازم نہیں کہ ہمدے کے ساتھ کوئی تکرار مقرر ہو۔ اس سلسلہ خلعت منور و دربار کے دوران میں بھی کسی خاص تقرب پر وہ تعیند پیش کریں تو بے شک خلعت دیا جاسکتا ہے۔ اس سے میرزا غالب کی بھی اہم شرفی ہو جائے گی اور علوم و شہرت کی وسعت افزائی بھی ہو اس وقت بہت کم لگا ہی کا شمار ہو رہے ہیں۔ اس پر میرزا غلامت کا حکم ہوا کہ دونوں میں ان کے دو بے کی تفتیش کی جائے، نیز ان سے ”دشتیو“ کا ایک نسخہ طلب کر کے اس پر بھی رائے لکھی جائے۔ جب میرزا سے ”دشتیو“ کا نسخہ طلب کیا گیا اس وقت وہ لاہور میں تھے۔ ۹

(ذکر غالب، طبع چہارم، صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶)

میرزا غالب دایچو میں قلاب کلب علی خان کی خدمت نشینی کے ”جشن مجیدی“ سے اعلیٰ العز







”میرپور“ اور ”دشتیو“ شامل ہیں۔ خط بہت روشن ہے۔ کتابت بہت صاف صاف اور حکم سنجال کر کی گئی ہے۔ اولیٰ تا آخر چندہ خطی مسطر ہے۔ سر عنوان ”دنیو و شرح روشنی“ سے لگے لگے ہیں۔ ”دشتیو“ کے خاتمے پر قلعہ آغا زاد انجام (از سر و آفتہ) کے بعد یہ فقرہ ”بخط سنجال کر صاف صاف لکھا گیا ہے“۔ اس رسالہ پر قرة العین میر حسن مراد حسین فرستادہ آمد۔

اس فقرے کا قلم اور رقم دی ہے جس سے پوری ”نکلیات“ لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد خلی قلم سے پختہ و شکستہ رواں اتنا زبش تر قلم ہے۔

”ایں رسالہ را بہر اعتقاد فرخندہ سبز مساوت گستر۔ آسایش روان، سخن از زبان اسوۃ آل نبی و اولاد علی  
میدہدی حنفی اللہ تعالیٰ فی الاصل بقادر بخ بست و ہشتم محرم سنہ ۱۲۸۰ ہجری قمریہ (مطابق ۱۵ جولائی  
۱۸۶۳ء بمقام دہلی درجہ اولیٰ مبارک لکھاں، خاکسار پریشان روزگار گنگوہار، بارگاہ مستند و مختار،

نیدھن دوسری شہزاد میر حسن پر وقت صبر پر رونمائی ختم نمود،

ہر کہ خواند و طبع دادم

زان کہ سن بہت ناگاہ دادم

والسلام علی من اتبع الهدی۔“

ترقیہ کی اس عبارت سے ”اس کے زمانہ کتابت، کاتب اور نسخے کے جنگ کا پتہ چلتا ہے۔“

”دشتیو“ کی تیسری جدا گانہ اور مستقل اشاعت (بمطابق طبع دوم) غالب کے انتقال کے دو

ہر سن بعد مل میں آئی، وہاں طبع لطیفی سوسائلی، روہیل کھنڈ، واقع بریلی، ۱۸۷۱ء

انیسویں صدی کی بعض دیگر اشاعتیں درج ذیل کتابت ”نجر غالب“:

• نوکشور، کھنڈ، ۱۸۷۱ء، ۱۸۷۵ء

• نوکشور، کانپور، ۱۸۷۵ء، ۱۸۷۴ء، ۱۸۸۸ء



”خدا کے واسطے ہندوستان میں کا طرز عمل یاد کرو، اس کے بغیر کہ پہلے سے دشمنی کی کوئی بنیاد اور  
 علوت کا کوئی سبب ہو، ان ہندوستانوں نے، اپنا آقاؤں کے متعلقہ میں تلوار اٹھائی۔ یہ جاننے  
 عورتوں اور لڑکوں سے کیٹتے ہوئے بچوں کو قتل کیا (ملا کر) سب جانتے ہیں کہ اپنا قاتل سے پہلے لائی  
 کرنا آگ ہے (اس کے متعلقہ میں) ان انگریزوں کو دیکھو کہ جب دشمنی (کا بدلہ لینے) کے لئے لڑتے تھے  
 اور گناہ گاروں کو سزا دینے کے لئے نظر آتا ہے کیا بچوں کو (وہ) شہر والوں سے یہی برہم تھے، تو سوتے  
 تو اس کا تھا کہ (شہر پر) قابض ہونے کے بعد کہتے ہیں (کہ) کو (زندہ) بچھڑتے (لیکن انہوں نے)  
 ضبط کیا (انگریز) ان کے پیٹھ میں گھسنے کی آگ بھڑک رہی تھی، سوتوں اور بچوں کو زندہ نہیں نکلتا۔“

”دستِ پہلو نمبر ۱۵۵ میں شائع ہوئی۔ یہ فارسی قدیم میں حتیٰ اور فارسی جدید کے درمیان میں اس کتاب نے بطریق افسانہ میں پڑی کہ بلاشبہ میں بھی لکھا تھا۔ چند کتابوں کا تو کیا تذکرہ غالب نے بطریق افسانہ میں کیا اس کا اشتراک کیا تھا کہ زبان فارسی قدیم جو دستِ پہلو کی زبان ہے، اس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اس کے کہ وہ نہیں پالے جاتے مگر فی کثرت عربی اس میں داؤسے۔ اس لیے ”دستِ پہلو“ کا اردو ترجمہ کرنا دشمن اور دشوار گزار کام تھا یہی وجہ ہے کہ کتاب کی اشاعت اور غالب کے انتقال کے بعد اس میں ہندوستان کی کو اس ”پرنسپل“ کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا اب سے نصف صدی پہلے خواجہ حسن نظامی کی فرمائش پر میرزا محمد مختوب بیگ صاحب ایم ایم اے سنی پٹی پور صاحب کو اس کتاب میں لیا۔ ان کا ترجمہ ۱۹۰۶ء میں ہو کر سامنے نکلا کی کتابت میرزا غالب کا اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا۔ علامہ صاحب کہتے ہیں کہ

”دستِ پہلو کا ترجمہ سامانِ دستِ پہلو کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ مگر کافی صاحب نے دونوں کے اندر اس کے شکل کا کام کیا کہ اس کے دے دیا۔“  
(اردو ترجمہ، طبع سوم، ص ۵۹)

”غالب کی سنت اور شکل فارسی عبارت میں کو عربی الہ سے ”دستِ پہلو“ کے اردو ترجمہ کی کوشش کی گئی تھی، علامہ محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

(اردو ترجمہ، طبع سوم، ص ۵۹)

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

میرزا محمد مختوب بیگ صاحب کا ترجمہ اس میں شہر میں کریت لکھا ہے یہی کتاب کا نہیں اس کے

## جام حیدر و دیگر مومنانہ و نذاریہ

”میں اس کتاب کا آغاز کرتا ہوں اس خدا کے نام سے جو طاقت بخشنے والا ہے جو پائند:

سبح اور دین رات کا خالق ہے“

خیر طاقت کا مالک ہے وہ شہنشاہ جس نے تو اسماؤں کو بلند کیا اور مہات شکاروں کو روک رکھا۔ جس کا صاحب علم ہے وہ خدا میں نے سب کو روح سے سر فراز کیا اور انسان کو حکمت و انصاف (کی دولت) بخشی جس نے آدمی اور سماں کی مدد کے بغیر (مات) (زمینوں) اور توڑ (آسمانوں) کو پیدا کیا۔ جسٹل اور آسمان کام کا میں بنانا اس خطے میں راستے کی (محمولی یا غیر معمولی رکاوٹوں کا دور ہونا) (ابن مسعود کو) ان کی رفتار و اخراجات سے متعلق کیا۔

(خدا نے) آیتوں کو اس طرح مرتب نہیں کیا کہ یہ اجرام جو باہم متضاد ہیں (مختلف مقامات رکھتے ہیں) ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں، اور (کبھی) ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، طاقت کے باوجود وہاں پر ہماری مدد کریں اور قوت کار فرمائی اور صلاحیت تاخیر کے باوجود (فرمان) (تقدیر) کے تابع نہ ہوں۔

”تم آسمانوں اور زمینوں کے (بازو) بنائے) کا کیا دعویٰ کرتے ہو۔ تم تو بھی ایک جہت اور چارے فرق سے واقف نہیں ہو رہے۔ تم ان کی پرستش نہ کرو (ان کو دنیا کے کاموں میں ملحق نہ سمجھاؤ)۔ انہیں کیونکر ایک آفتاب (خدا) میں موجود ہے۔ جس کی روشنی (کائنات کی تمام) ظاہر و پوشیدہ چیزوں کو چلنے میں لے جاتے ہے۔“

اگر زہرہ و مشتری میں (سید جو نے) گئے (لحاظ سے) فائدہ پہنچانے کی کد صلاحیت (تو ہو)

اور زل و مریخ میں (مخس ہونے کے اعتبار سے) نقصان رسائی کی غایت ہے تو ہمارے۔ جو لوگ واقعہ حقیقت میں، وہ ہانتے ہیں کہ کلاست و برکت، اور مسرت و فخر کا سرچشمہ کہاں ہے۔ تاکہ ایک عادل شہنشاہ کے حاکم میں (اس) عدالت کے پناہی کسی حلقہ انصاف کے تحت دم بہر نہیں نکالتے ہیں۔ مل جل کر کام کرنے اور کار سازی (قبیل حکم) کے علاوہ ان کو کسی چیز سے تعلق نہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے سخت گیری کے (دیئے) سے، اچھے ہونے کا سون کو نبھانا چاہا، یا کسی نے نرمی کی (دیئے) سے ہٹکار (زندگی) کی روٹی افزائی کی تو یہ سب (زندگی کو) بتانے سوار نے، (اور دشمنوں کو مل کرنے) کے مختلف انداز میں، فخر یا ملے نیاز ہی نہیں،

”مطلق سادہ کاروں پر عزت سے ضرب لگاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے اس کا مقصد کیا ہوتا ہے

مستحق محبتوں کے ہر حصہ میں ملتی ہوئی ہیں۔ مرنے والے اگر کچھ سے کوئی چیز نہیں ہوتا۔“

و حقیقت کسی چیز کا فنا ہو گا کسی دوسری چیز کے وجود کا سبب بنتا ہے۔

حقیقتاً آرام و تکلیف اور ہمدردی و ہیبت ساری چیزیں (خدا کی طرف سے) انسان کو ملتی ہیں۔ اس لئے وہ سب فائدہ کے اور بیوقوفی کا وسیلہ بن جاتی ہیں اور ان کے مستحق حاصل ہو جاتی ہیں۔ دولت مند کسی محتاج کو چند پیسے دے یا جہازوں روپے، ارٹھم کے حقان خطا کرے یا کھل (ہر صورت میں) سخاوت اور درخش پروری ہے۔ قدرت کے عطیات کو اچھا کی برائی کے غائلوں میں تقسیم کرنا یا کسی چیز (الانام) نکالنا، کچھ خیالی و کم نہیں ہے۔

یہ دنیا کی بے حقیقت چیزیں جو (حق کے طاقت و تجویزوں کے) سامنے چھٹ جائیں، کیا ان کے لئے یہ بخشش (خداوندی) کچھ کم ہے کہ وہ موجود ہیں۔

نیکس (حقیقی) انہیں کم نظر۔ اور کم معرفت لوگوں کی رسائی ذہن سے باہر ہیں اور اچھا بیان کی وہ طاقت کی ختم ہو گئی۔ مجھ راکس چند سیڑھیاں نیچے اترتا ہوں (آسان انداز بیان) اختیار کرتا ہوں اور نہیں کہی ہوئی باتوں کو صحت اور سادہ انداز میں کہتا ہوں۔ آسمان کی گردش کی کئی رفتار کی مانند ہے تم ابھی طرح چاہتے ہو کہ کچھ کچھ دے والا ضرور ہوتا ہے۔ پھر تم یہ کیوں نہیں سمجھتے ہو کہ آسمان کو گردش میں رکھنے والا بھی کوئی ہے۔ آسمان کے چرخے میں ستاروں کی صلاحیت سے نفع رسائی وافریت دہی کے تاروں سے بنی ہوئی پونی لگی ہے، اس سے چند پرے تیار کر کے اہل دنیا کی نگاہوں کے سامنے ڈال دیئے گئے ہیں۔ صاحبان معرفت اور واقفان اسرار ان پردوں کے باوجود دیکھ لیتے ہیں کہ ہر کام کا کرنے والا حتمی ہی ہے۔

”جب تک کہ انسان کی گردن علم خدا کے ماتحت ہے تو پھر آسمان کو کچھ دے، ہم اس کو علم کیسے کہہ سکتے ہیں؟“

جبرائیل اللہ انکشافِ عظیم ہے وہ خدا جو خود عطا کرتا ہے اور عدم کو عظم کرتا ہے جو علم کو خستہ کرنے والا اور انصاف کی روشنی کو چھپانے والا ہے۔ وہ انصاف (کی طاقت) سے طاقتوروں کا زور گھٹا دیتا ہے اور اچھے کرم سے کمزوروں کو طاقت بخشتا ہے۔ الجیل کے لشکروں کی مزرب سے فیل سوار خود سواروں کا خاکسار بن جاتا، ایک بچہ کا مزد کو موت کے بہرے پر سلا دینا کیا تھا؟ یقیناً یہ وہ نشانیاں ہیں جن سے اس کی (پھر چاہے) قوت و قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ درد بردہ کرتا ڈگریے وہ مختلف قسم کی تباہیاں جو مختلف زمانوں میں تارل ہوئیں، یہ کس تباہی کے نگاہِ حق کا کرشمہ نہیں،

”مٹاؤ! ہمیشہ سے جنت و قہار جلیں لیتے تھے۔ سکندر و لاکا سینہ پکا کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے انگریزی اٹالے جاتا ہے۔ جو دلیہ اور پریوں پر مگرانی کرتے تھے تم بیکار و سوزاک اسو سے داغ نہیں ہو، میں آسمانوں اور تاروں کو ہر چیز کا ذائقہ مار سکتے ہو؟“

خدا جس طرح کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس طرح ہر موجود کو فنا بھی کر سکتا ہے وہ خالق جس نے ایک لفظ ”کن“ سے سارے عالم کو پیدا کیا اگر وہ اس عالم کو فنا کر دے تو کس کی مجال ہے کہ چڑچوڑ کر سکے۔



اس زمانے میں ہر راگ کا آہنگ اور ہر چیز کا کاغذ ہی بدل گیا۔ سپاہی ہمدرد سے مغرور ہو گئے۔ سنی طواری سے کیا قافلہ، اکہنا چاہیے کہ زمانہ ہی بدل گیا، یمنیں کا خیال ہے کہ جس زمانے میں ایران کے آخری شہنشاہ یزدجرد کی محفلِ پیشِ عربوں کے محلوں سے درہم برہم ہو گئی تھی، اُس وقت زحل و مریخ دونوں برج سرطان میں جمع تھے۔ آج کل بھی برج سرطان و زحل و مریخ کا سنگِ سلوم ہوتا ہے۔ یہ بغاوت، لڑائی، ظلم، خون ریزی اور زلزلت اسی (قرآنِ عظیم کے) آخرات ہیں (لیکن) جو لوگ شمسائے حقیقت ہیں، وہ اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ ایران پر عرب کا حملہ (بالکل دوسری چیز تھی) وہ تو ایک ملک پر دوسرے ملک کے لوگوں کی فوج کشی تھی۔ لیکن یہاں تو فوج نے اپنے سرداروں سے بغاوت کی ہے۔ ایران کی قدیم داتاؤں سے ان دولتانوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے ایران پر عرب کا، حملہ مذہبی ہتھیار پر تھا۔ ایران جو علم و حکمت کے لحاظ سے ایران ہو چکا تھا۔ ایک مذہب کی برکتوں سے معمور ہو گیا، اور اس کی بدولت آگ کی (پرستش) بظاہر سے

تھا چلتی۔ لیکن ہندوستان میں یہاں سوال صرف تقاضی کا ہے۔ ہندوستان والے کس نئے آئین کی مخالفت کا سہارا لے کر اپنے اس غل پر جم ختمی کا اظہار کر سکتے ہیں؟

ایسا بیان نئے آئین پرستی سے منہ موڑ کر خود پرستی کا راستہ دکھانے لگتا ہے۔ ہندوستان والے نصف ملکوں (انگریزوں) کا دامن پانچھ سے چھوڑ کر دوبارہ صنعت انہوں کے دامن میں گرفتار ہو گئے۔ تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ دامن دوام الدوام اور روشن زیادہ نامزد نہیں ہے۔ صبح تو یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے علاوہ کسی دوسری حکومت میں انصاف کی امید رکھنا بالکل نادانی ہے۔ عربوں کے تازیانے سے جو جسم لگے تھے، وہ مہالک مذہب (اسلام) ان زخموں کا سرچشمہ بن گیا تھا۔ اگر ان مصیبتوں کے بعد مائدہ امن و راحت کی دولت بخشا تو مصیبت زدہ قوم واکام کو بھول گئے تھے۔ اگر کسی واقعہ وازد صاحب فکر کے خیال میں اس قیامت کے بعد کوئی راحت ملنے والی ہو تو بتائے اور میرے علم میں اور خوف زدہ دل کو تسکین بخشی کر مومنوں کے (اسی داغ نظام کے ذریعہ اور) ملازمین و حاکموں سے بقاوت کرنی۔ سچا ہی اندر کو قتل کریں اور خوشیاں مشائخ اور ان کو ذرا بھی چٹپٹائی نہ ہو۔

اُسے واقفان اسرارِ عرفان سود و دنیاں یہ ساما بھگے سرخشت کا قہر ہے۔ ایران کی تو جنگ ان تقدس کی سن کی اور تباہ کار نہیں تھی۔

”سارے پریشان تھے اس لئے بلند ہو رہے ہیں کہ عالمِ اضطراب میں مضرب سے تاروں کو بے طرح بھیڑ رہا ہوں۔“

میں اس قدر نا فہم نہیں ہوں کہ ستاروں کو روشن ہونے کے باوجود بے فواید ہوں۔ آسمان کو خیمہ و بلند ہونے کے باوجود بے سرو سامان سمجھوں، مخلوق آسمانی کی کارگزاروں کو جھوٹ سمجھوں۔ یا ان دونوں ستاروں (زحل و مریخ) کے ایک پرچہ میں بیچ ہونے سے آج ہی انہیں پُرکام حالات کی توقع کروں جو آپ سے ایک ہزار سال پہلے آجنگا عرب و ایران کے نالے میں واقع ہوئے تھے۔ میں جو زمانے کے ہاتھوں ناقابلِ علاج مصیبتوں میں گرفتار ہوں، مناسب سمجھتا ہوں کہ اس زمانے پر بسنے والے جنہوں نے بڑی مسرتان کو نہیں دیکھا ہے اور جو زحل و مریخ کے نام ہی سے اذیت ہیں۔ دانشمند اور ان دیکھی باتوں میں نہ الجھیں بلکہ یہ کہیں کی کہنا ہے جس کے پیچھے میں ہستی کے راز و مخوفوں اور اچھے لوگوں کے کام کو بگاڑنا اس کی پائی عادت ہے، اس امر کو یاد رکھنا کہ غیر قریح کی دست بڑ سے دانایانِ فرنگ کو نقصان پہنچائے۔ بلکہ اس نے اس گزہ (انگریز) پرکاشی کی ہر جانب سے آنے والی افواج کو شہد کر دیا۔



اس کتاب کے پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ جس کے حکم کی جنبش سے کاندھلے (الطاف کے) موتی نکھر پاتے ہیں، انگریزی حکومت کے نائب دھمک سے پڑھیں پائی ہے اور دیکھیں سے ان فوجیں جہلم کے کوسٹرخان کارنہ ہیں جن ہوں سات آٹھ سال پہلے کے کہا دشاہ دہلی نے جہلم کو بلایا اور جہلم سے فریاد کی کہ میں تیری غلامان کے کہا دشاہ ہوں کی تاریخ کھوں جس کے واسطے ۶۰۰ روپیہ سالانہ وظیفہ دیا جائے گا۔ میں نے اس غلامیت کو قبول کر لیا اور کام میں مشغول ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کے اُستاد کا انتقال ہو گیا اور اصلاح شعر کا کام بھی میرے سے خلیق کر دیا گیا۔

میں بڑھاپا اور کمزور تھا۔ نیز گوشہ نشین تھا۔ میں بیٹھے رہنے اور آرام کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہرے پر کی وجہ سے ہمارے حاضر حاضرین جو جانا تھا کوئی بات کر رہا ہے اور میں اس کے جوتوں کی جنبش پر نظر نہ کرتے ہوئے ہوں، مجھ کو ہفتے میں ایک دو بار گھر میں جانا تھا۔ اگر بادشاہ محل سے برآمد ہوتے تھے تو کچھ دیر حاضر خدمت رہتا تھا اور دلچسپ باتیں میں کچھ دیر بیٹھ کر چلا آتا تھا۔

۱۔ تقدیر حقیقی کی علامت، ۱۸۵۰ء کو لکھی ہے۔ غالب ۲۲ شعبان ۱۲۶۶ھ (مطابق ۲ جولائی ۱۸۵۰ء) جملات کے دین بہادر شاہ ظفر کے حضور پیش کیے۔ طلبہ و ملت پایا اور تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اخبار گوہ نور لاہور ۱۵ جولائی ۱۸۵۰ء کی شامت (ص ۲۶۷) میں اس تقریر پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے۔

۲۔ ”میں نے صد فوس کو شہنشاہ ملک علی دہری خصوصاً اہم سنی گسٹری، ایک مشہور غلامانی بوند شیخ محمد راجہ جہلمی آہستہ آہستہ روانہ کیا۔ شب ۲۳ صفر شعبہ ۱۲۶۷ خرمبار شعبہ ۱۲۷۰ مطابق ۱۵ نومبر ۱۸۵۲ء عالم قافی سے ہونے والے سماورانی رحلت کی۔“ (تقدیر حقیقی، قلم و اخبار، تاریخ ۱۹ نومبر ۱۸۵۲ء مطابق ۲۷ صفر مظفر ۱۲۷۰) جسے قلم سے اپنے تعلق کی وجہ سے سرسری بتا کر اپنی طاقت میں ہے، ورنہ انھیں حضور شاہ قاسم سید نوروز کی عزت حاصل تھی اور ان کی تو قلمی قلم کے متاثر ترین محدثوں پر ناز و صاحب کے کسی طرح کم نہیں تھی۔

”کاش آپ یہاں تشریف لے جاتے تو جانتے اس روز صبح کو تشریف لے جاتے اور یہ کہ آتا، بہر گمان کھلے کے حضرت (بہادر شاہ) کے سودوں کا درست کرنا“ (ایام قدرد بگڑاوی، مائیل ۱۸۵۷ء) ”بادشاہ اپنے رفقاءوں کے برابر پیدا کرتے تھے، یعنی ایک حکیم کسی سے تو قلم کر کے نہیں۔“ (ایام، مجلد ۱، پارہ ۶، راپہ ۶، ۱۸۶۰ء)

”میرزا غالب کے گھرانے غازی کو دیکھا جائے تو بہادر شاہ کے مشفق اور قلمی مددگار، دو مددگار مشہور اور ایک توجہ مند موجود ہے۔ اگر وہ تصدیق سے یہ قلمی ان کے علاوہ ہیں۔“

اس مصلحت میں جتنا کام مکمل ہو جاتا، اس کو اپنے ساتھ لیے جاتا تھا یا کسی کے ہاتھ پہنچا دیتا تھا۔ میرا تعلق اور میرا کام ایسے تھے جو دنیا کے مسلمان اس خیال میں غلط کار کیا کرتے تھے کہ وہ شراب کھاتے اور پیسے اس کو من و نام کو جس میں سائنس و فراغت، کو کوئی حصہ نہیں تھا اور ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک تھا، تیار کر دیتے۔

”اے مسلمان یہ اعلم ہے کہ اگر تمہیں ہو یا دوست ہو یا کسی کہ ٹیبلت پیو ڈاکٹر سے زخمید ہوتا ہے۔“

اس سال میں کاما دھنیا کی ہر حالت تھوڑے تر تھوڑے جانتے تھے۔ اور اگر مصلحت مصلحت پر چھوڑ دو۔ سلطان الہ آباد کے پیر کے دل اور پیر کے وقت شطرنج لادیں۔ خدا اور ایک دہائی کے تھے اور غیب کی دلچسپی لے کر تھیں۔ جس کا اثر چاروں طرف پھیل گیا۔ میں ڈاکٹر کے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ اس دن جو بہت خوش تھا۔ میرا ٹیبلٹ کی فتح کے لیے نہ نصیب اور شہید و سرسپا ہی شہر میں آئے۔ نہایت ظلم و مصلحت اور شک حوائی کے سبب سے انگریزوں کے خون کے پیاسے شہر کے مختلف دروازوں کے محافظ جو ان فسادوں کے ہم پیش اور بھائی بند تھے بلکہ کچھ قہر نہیں کر پاتے تھے اس کے مخالفوں اور فسادوں میں سادش جو گئی تھی شہر کی حفاظت اور مدد داری اور حق ٹھک ہر چیز کو بھول گئے۔ ان کو کچھ بوائے یا دھوکہ دہاںوں کو خوش آمدید کہا۔ ان مدد کوں سارا ہوں اور ان کو بھلاؤں نے جب دیکھا کہ شہر کے رفاکار تھے تو کئے تھے اور محافظ مہمان نواز تھے۔ دلی آؤں کی طرح اور اُدھر و دہلی تھے۔ ہر جہر کسی فسر کو بھلا اور جہاں ان قابل حسد (انگریزوں) کے ملامت دیکھے، سمجھتے تھے ان افسروں کو مار نہیں ڈالنا اور ان کو کھانا کو باطل تیار نہیں کرنا یا اُدھر سے رُخ نہیں پھیرا۔

پھر کچھ کچھ کشن میں کو انگریزی حکومت کی مہربانی سے کچھ نان و نمک سے سرخا شہر کے مختلف علاقوں میں ایک دوسرے سے دور زندگی کے دل گزار رہے تھے (ایسے میکس و مل پسنڈ) جو تھوڑے فرق سے ناواقف تھے اور ان کے ممالک میں جو دلوں کے خود عمل سے ٹوٹ جاتے تھے، جن کے ہاتھ تیرہ تھوڑے غالی تھے پچ پچو تو ایسے لوگ ہر گلی کوچے اور شہر کے ہر حصہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں جو ذاتی کے لاد سے کمر کس کرتے ہو میکس۔ اس کے باوجود اگر ایسے مل پسنڈ وغیرہ خواہ شہر کے ہر حصے اور ہر گلی کوچے میں تھے اس وجہ سے کہ تھوڑے دالے پانی کو جس وقت شاک سے نہیں روکا جاسکتا ایسا کپ کو مجبور ہو کر ہر شخص ٹھیک و ماتم نہ اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔

انہیں نہ نہ لوگوں میں سے ایک سڑک کی جوں میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ خود دغا خاستا جاتا تھا کہ کچھ سلام کروا کر اتنے میں شور مچا کر اگر انہوں کو ملو صاحب اجنت بہادر اور تلوار قتل

کر دیے گئے۔ ہر طرف سے بیادوں اور سواروں کے دوڑنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ زمین ہر طرف  
مٹی (مٹا سوں) (گھر خروں) کے خون سے رنگین ہو گئی۔ باغ کا سرگرد ویرانی اور بیادہی کے سبب سے بیادوں  
کھٹکتی پڑ گئی۔

اسی وہ پیکرِ علم و حکمت، انسانیت کھانے والے خوش اخلاق و نیک نام حکم! اور مدائنِ مفسد  
وہ ہی چہرہ نالاک بدنِ ناقوش جن کے سر سے چاند کی طرح چمکتے تھے اور جن کے ہاتھ کی چاندی کی طرح  
دکھتے تھے، اجتماعِ دو بچے جنہوں نے، اچھین دینا کو (اچھی طرح دیکھا بھی نہیں تھا) ان کے پس کچھ سر سے  
گلاب والے پھولوں کو خرا تے تھے اور جن کی خوش رفتاری کے سامنے ہرین اور کبک کی دھڑکنا نامعلوم  
ہوتی تھی، یہ سب ایک دم نکل دشمن کے بیٹوں میں چھن کر (بکری قاتل) ٹوٹ گئے۔

(اتنی ہی جگہ لگائیں برساتے والی وہ موت، شخصے میں کا سر پہ بھی، جس کے ہاتھوں لوگ غمناک رہتے  
ہیں اور اتنی ہی اس پینے پر نمود ہو جاتے ہیں، اگر ان مقتولین کے سر لے آؤں گا دی کرے اور اس غم میں  
سیاہ پوش ہو جائے تو وہ ہے۔ اگر کمان (اس غم میں) جہاد کی طرح حشر ہو جائے اللہ میں گواہ کی طرح  
اپنی جگہ چھڑنے کو بھیجا ہے۔

اسے کسم بہار! بیل کی طرح خاکِ خون میں مل جا۔

اسے نہانے! اندھیری رات کی طرح تاریک ہو جا۔

اسے قاب (اس غم میں) اپنے دشمنوں کو (بیشکر) نکال کرے،

اور اسے چاند (انگلیں) انسانے کھل کا داغ بن جا۔

تھکاؤ کر کے وہ غم میں دلِ غم تھا۔ ہر طرف گہرا اندھیر (پھیل گیا۔ ان سیاہ مانتوں اور بے رحم  
قتلوں نے شہر میں جا بجا پٹا ڈالا۔ اندھول و کھڑکی ہی باغ کو گھوڑوں کا اسٹبل بنایا اور شیشی سلطان  
کو خواب گاہ۔ رفتہ رفتہ دور دور کے شہروں سے خبریں ان کی کہ حلقے قیوں کے بانجھوں نے ہر  
چھوٹی میں انسانوں کو قتل کر دیا ہے۔) اور ملک حراموں نے حکم کھینچا دیا کہ (گاہ کے  
گردہ خواہ پانی ہوں یا زیندار سب یکساں ہونگے اور کس طرح شہر و دیہات کے بیروں و درونیک ہر  
جگہ ایک ہی کام کے لئے کرہت ہو گئے اور ہر کسی بغیر ہی سے کریں کہیں تھیں کہ مرے اس دینے خون کی  
موتیں ہی ان کو کھول سکتی تھیں جو کمروں سے گندھاٹے (غفلت مقامات کے لوگ کسی قرار داد کے بغیر  
جس طرح ایک ہی کام یعنی قتل و خون میں لگ گئے تھے اس سے) اب مہلوم ہوتا تھا کہ جس طرح جھلڈو  
کی بہت سی سیکڑوں کو ایک ہی بند سے باندھا جاتا ہے وہی طرح گنتی شمار سے باہر ان لڑنے والوں کی

کوں کی ایک ہی مکروہ سے بندھی ہوئی ہیں۔

بے شک ہندوستان کو آرام و آسائش سے اس مذہب خالی کرنے کے لئے کواگران چیزوں کو ہٹا دینے کو ایک لگاس کے نکلنے کے برابر ہی نشان دہی، ایسی ہی ہماڑوں کی ضرورت تھی۔ بہت سے شکر سرد آدموں کے بغیر تیار ہو گئے۔ بہت سی فوجیں انہوں کے بغیر لڑائی کے لئے آٹھ کڑی جہیں کوئی، گولہ بارود، چھڑکے، غرض سلاسل انگریزوں سے حاصل کیا۔ لڑائی کے سلسلے میں جتنے انگریزوں سے بیکے اور انہیں سکھانے والوں اور ماگوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

دل لوجہ یا چکر کا کھٹا نہیں ہے، کیسے نہ میرا کئے؟ آنکھیں رشتہ و یار نہیں ہیں کہ اس کو نہ ہٹائیں۔ حکمرانوں کی موت کا غم نہ پاتا چاہیے اور ہندوستان کی دیرانی پر دونا چاہیے۔ جہیز حاکموں سے خالی اور بندہ ہونے کے بعد دند سے جہیز آتا۔ جیسے داغ، باغبان سے خالی اور درختوں کے قریب سے پڑے ہیں۔ ٹیڑھے ہر قسم کی پانچہلوں سے اور سداگر مصلوں ادا کرنے کی ذمہ داریوں سے آزاد۔ مگر دیرانے معلوم ہوتے ہیں اور کائنات (لوٹ مار کرنے والوں کے لئے) ’’خوالہ صفت‘‘ حکم رکھتے ہیں۔ جو لوگ گمانی کے گوشوں میں چھپے ہوئے تھے، وہ گڑھ، درگڑھ، مغربہ، کشت اپنی آکاش اور بے شری کا منہ ہر وقت پھرتے ہیں۔ اس لیے سداور یک ہماڑوں گھر سے بانا ایک آتے ہوئے راستے میں عیسویں پگڑی عاجزی اور مغلوبیت کا اعتراف کرتے پھرتے ہیں۔ ٹیڑھے دن میں دلیری کے ساتھ لوٹ مار میں مصروف ہیں اور رات میں دشمنی بستر میں پرتی رہتا ہے۔

بڑے بڑے عالی خانان لوگوں کے گھروں میں پرانا جھلانے کے لئے تیل نہیں۔ اندھیری رات میں جب ہدایں کی شدت بڑھتی ہے، کھل چکنے کے منتظر رہتے ہیں کہ یہ دیکھیں کہ کوزہ کہاں رکھا ہوا ہے اور پتلا دکھ رہا ہے۔

(زمانے کی اس) بے نیازی و بے امتیازی کو کیا کہوں کہ وہ کم تر ہو لوگ، جو سادہ دل مٹی بچنے کے لئے زمین کو دتے تھے، ان کو مٹی میں سونے کے ٹکڑے مل گئے اور جن لوگوں کی عقل میں دلت میں آتش لگے تھے، وہ سادہ روشن رہتے تھے، اندھیرے گھروں میں ناکامی و نامرادی کے غم میں مبتلا ہیں۔ کو تالہ شہر کی ذل و غم کے علاوہ ساری نازنینان چشم کا زور و جہول اور سبب کا درجہوں کے قبضے میں ہے (زیر دعا) آکاش سے مٹا ہونے کے بعد ان نازنینوں میں جو ہلکا سا انقلاب ثابت رہا تھا، اس کو ان دو دولت گمانوں نے چھین لیا کہ ان کی خود نمائی کے کام آئے اور محبت کرنے والے پہلے

لوگوں کے وہ غلوں میں مسترد اس حد تک سنا گیا ہے کہ اگر ان کی حرکات کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کچھ ٹھوسے پتھر کھاتے پھر جھپٹاؤ اور پیچھے ہٹ کر اس طرح تازہ خود کافی میں غوطہ کھینچتے ہیں، گھبراہٹ کی سی طرح کچھ کھینچتے پھرتے چلتے جا رہے ہیں۔ بڑے بڑے حائلوں اور عام ویدوں کی آمیزشی میں بخاری گنتی اور جن لوگوں کے پاس مذہب و ملت حتیٰ حدیث، وہ بے اندازہ زور و جواہر اور عزت و آبرو کے مالک ہیں، جس کا ہاں لگیوں کی خاک چھاتتا پھرتا تھا وہ جو ان کا یہ خادم سمجھا جاتا ہے جس کی ماں بڑی کے گھر سے آگ لگ کر آتی تھی وہ آگ پر حکم چڑھنے کا مدعی ہے۔ لیکن آگ اور جواہر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور ہم ان پریشان حال لوگوں میں سے ہیں جو موت سکون و آسائش کے چند لمحوں اور انصاف کے خواہشمند ہیں:

”میرا درد میرا دل تیرا ہے نزدیک ایک قطرہ ہے اور میں۔ لیکن اس کو سن کر ستاروں کی آنکھوں

سے آنکھیں جھری جو جانیں گے۔“

ڈاک کا انتظام و درہم برہم ہو گیا، جس کے سبب سے بہت سے کام رک گئے۔ ہر کاموں نے آنا جانا بند کر دیا، ڈاک سروس کا بندھن پہنچانے کی گنجائش نہیں ہوتی، ہاں غلطی کی آمد و رفت کا قاعدہ ہے مگر اس غلطی کی ایک اور شاع (ٹیلی گراف) ہے کہ مذہب کی جنبش، بلکہ جنبش کی مغز اب سے جو اس سے پیدا ہوتی ہے ہزاروں پتلا (ضمیموں) اندر سے باہر نکلتے ہیں۔

(جو لوگ) مذہب اور قانون کے بے حد پیادہ ہیں، انصاف کو نظر انداز نہ کریں اور بتائیں کہ اس سامنے انتظام کا درہم برہم ہو جانا، خدا کی جنبش ہوئی و ملت کا لٹ جانا، ڈاک کا انتظام و درہم برہم ہو جانا اور دوستوں کے حالات معلوم نہ ہونا، کیا یہ ساری باتیں اس لائق نہیں کہ ان کا ماتم کیا جائے اور ان کو پہانے جائیں۔ جیسے جیسے بہادریوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ اپنے سایے سے ڈریں۔ مپا ہی، بادشاہ اور درویش ہر ایک پر حکومت کرنے لگیں۔ کیا یہ صورت حال لائق آنسوئیں نہیں؟ ان روت فرسما صاحب پر آنکھیں آنسو نہیں بہا سکیں گی؟ اور کیا اس نوعمری پر بس طعن کرنا اس ماتم سرائی پر طنز کرنا اور اس گریے و زاری پر ہنسنا جائز ہے؟ اور کیا ان پر آلام حالات سے اظہار و بیزارسی کو غضب، ایمان اور نافرمانی مذہب سمجھا جائے گا؟

”میں ضرور سن کے جا رہا ہوں کہ دل لگاؤں جب کہ آؤ گرم سے میرے دل پر جزو دل آجئے چنگے ہی

میرا دل بھر چکا ہے اور توئی اس حد تک جواب دے چکے ہیں کہ اب لہو کو دستخا کاظم ہے دجرا

کی خوشی ہے

اس سرگزشت پر مصیبت کا ماہ بھایا یہ اسیر قید پر بستر (مستحباتی) اس مرد و اولم کو پھر شروع کرتا ہے

جب پہلی بار وہ گم راہ جنگ جو آئے تو جو عزادار وہ اپنے ساتھ لائے تھے، غولٹے ہیں، جین کر دیا اور اپنے سر

شاہی آستانے پر بھکا دیئے۔ جلد ہی زمانے نے کہ ایسا انتظام کیا کہ ہر طرف سے فوجیں جمع ہونا شروع ہو گئیں اور اس سرزمینِ زہری کی طرف دوا نہ ہو گئیں۔ بادشاہ جب فوج کا انتظام نہ کر سکا، فوج نے انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور بادشاہ مجبور ہو کر رو گیا،

”فوج نے بادشاہ کو اپنے ہتھ میں لے لیا جیسے چاند کو گھبراہٹ سے۔ ماؤ گھبراہٹ میں نہیں آتے گھبراہٹ میں آتے ہیں۔“  
 فوج دھوئی رات کے چاند کو گلتا ہے۔ بادشاہ اس چاند کی طرح تھا جس کو گھبراہٹ گیا جو۔ وہ ماؤ کا دل نہیں تھا۔“

میں نے اس بات کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یہ بات بیان کرنے کے دائمی حلقے کی یہ شہرت طلب پہنچ جس مقام سے چھ دہائیوں کے قیام کے بعد آوازہ کھول دیا اور قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ وہ پہلے پہلے پرانے قیدی جنہوں نے نئی نئی آزاد دی پائی تھی، شاہی دربار میں آئے، بھوکا اور کسی علاقے کی صوبیدار چلی آقاؤں سے بھاگے ہوئے غیر وفادار قدامتوں نے آستانہ شاہی کو بوسہ دیا اور کسی سرسبز علاقے کی حکومت کے طلب گار ہوئے۔ کوئی نہیں کہتا ہے اور میں بھی نہ کہنے سے کام لیں کہ ہر خواہشمند کو حاضر ہونے کی اجازت اور ہر تاج، مانگنے والے کو چاہا کیوں دے دی جاتی ہے؟ میں یہ زمانے کی بڑا لگتا ہے۔

اب دہلی کے اندر اور باہر تقریباً پچاس ہزار سواروں اور پیادوں کی فوج بڑی ہوئی ہے۔ صاحبانِ علم و دانش انگریزی حکام کے قبضے میں اس وسیع شہر کا کوئی علاقہ نہیں ہے، صرف شہر کے باہر مغرب کیسے پہاڑی پران کا قبضہ ہے۔ یہ پہاڑی شہر کے کچھ زیادہ دور نہیں ہے (انگریزوں نے) نہایت ہنرمندی سے اس پہاڑ پر سوچے قائم کر کے ایک مضبوط قلعہ سا بنایا ہے اور اس کے چاروں طرف کچی اڑدھامست، دودھ خروش توہیں لگے دی ہیں اور استقلال کی مدد سے اس عالم پریشانی میں اٹھنا ہی (کی دولت) حاصل کر لی ہے۔

شہر کی فوج نے ہر گھنٹہ اسی شہر سے حاصل کیا تھا اس میں سے چند توہیں شہر کی فیلڈ پر گا دی گئی اور اس طرح اپنے آپ کو جنگجو سرداروں کا حریف بن کر گیا ہے۔ توپوں اور چند توپوں کے دھوکے سے اس معلوم ہوتا ہے جیسے کالی گٹا چھائی ہوئی ہے اور اس سے اگلے برس رہے ہیں رات دن دونوں طرف سے گولہ باری ہوتی ہے، جیسے اوپر سے پتھر برس رہے ہوں مٹی چوٹی کی گرہاں ہیں۔ دھوپ کی تیزی روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ آفتاب برج ٹورو جو نائیں بے طسرح آتش نندہ زری میں شعلہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے خود ہی اسی آگ میں ٹھنڈا ہوا ہے۔ جو لوگ سودو

ہو اور ان کا دل میں آرام و آسائش کے ساتھ رہتے تھے، وہ سب دھرم و مہم میں بھگتے تھے اور ان میں انہیں بھگتے ہوئے پتھروں پر پہنچ کر قلاب کے عالم میں نہر کرتے تھے۔ اس قدر اس صاحبان جنگ میں جتنا تور و تریں تھی کے ہاں دھرم کی بہت دھرم و تریں ہو اور ان کی اگر تریں اس دانت کو کہ تریں تو تریں بھگتے تھے (شہر کی فوج کے) مختلف شکایات سے آئے ہوئے تھے یہاں ہی دن پڑنے سے پہلے انگریزوں سے لڑنے کے لئے جاتے تھے اور سورج ڈوبنے سے پہلے ہی واپس آجاتے تھے۔ یہ وہی شہر کی داستان شہد و روز تھی۔ انہوں نے شہر (کیا) اور (تھا) اس سلسلے میں ایک دن کا قہر سننے کے لائق ہے۔

”میرے ساد کے ساد میں وہ لکھے نہیں ہیں کہ سے چنگا سوں برقی ہیں۔ میں تو تریں کو کہ منی ان کی (دیں) د آجائے۔ میری زبان پر وہ داستان ہے جس سے میرے دل پر غم چلنے لگتے ہیں۔“

ایک شخص جس کے دانت میں فراہم دوائی دیکھ کر کے خیالات بھرے ہوئے تھے۔ وہ یہ وہ اپنے آقا اور شہر کی کاوشیں بن گیا۔ اس خیال سے کہ ”اگر یہ واقعہ کارا اور مالواں زندہ رہے گا تو میں نے جو حسد (ناہاکہ طریقوں سے) میں کیا ہے۔ اس کارا کو مکمل جائے گا۔“ ہمیشہ نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتا تھا اور یہ بات مشہور کر کے کہ حکیم حسن الشفا انگریزوں کے خیر خواہ اور طرفدار ہیں، فوج کے افسروں کو ان کی طرف سے بھڑکانا دیتا تھا۔

ایک دن کچھ لوگ (حکیم حسن الشفا کو) نقل کرنے کے لئے ان کے محل پر چڑھ دوڑے۔ حکیم صاحب اس وقت قلعے میں بادشاہ کے پاس تھے۔ چند کشتہ سر قلعے میں گئے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ بادشاہ نے انتہائی محبت و ہمدردی سے (حکیم صاحب کو کچھانے کے لئے) اپنا پ کواں پر لگا دیا۔ اس طرح حکیم صاحب بچے۔

یہ غالب نے شیروانی کے نام (۱۸۵۹ء) کے ایک خط میں بھی اسی واقعہ کا اظہار کیا ہے کہ ”بہ نسبت حکیم حسن الشفا کے جرات مشہور ہے، وہ محض لفظ ہے۔ لیکن سلاۃ الاولیاء انکلام آزاو نے جین مسافر شہادتوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ”یہ صحیح نہیں ہے کہ حکیم حسن الشفا ان کے خلاف بدگمانی پسائل تھی۔“

(غالب اور اولیاء انکلام، ص ۱۴۵)

میرے حکیم حسن الشفا کے بارے میں سرسید احمد خان کا بیان ہے کہ حکیم صاحب کو کمال عزت و توقیر کے ساتھ جو پہلے والی فیروز پور و میرٹھ کے پھر والی جھمور والی اناں بعد محمد اکبر شاہ بادشاہ دہلی کے محلے خاص رہے، رفتہ رفتہ بہادشاہ ظفر کی طبیعت پر یہاں تک تعصبات ہو کر آئے۔

”کوئی امر جزوی دکن... پندشورہ و صلاح اس صاحب مدبر صاحب (باقی اگلے صفحہ پر)۔“

ہاں تو بیچ گئی لیکن یہ فتنہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا تھا جب تک کہ ان کا سدا گرتا ہوا نہیں ہو گیا (حکیم صاحب کا) مگر (جو بیسویں و آٹھویں) انکار غلام بیچنے کی طرح تھا لوٹ گیا۔ ان کی بچت کو آگ لگا دی گئی۔ بچت کے شہیرا و مشتق جتنے مل کر آگے ہو گئے دیواری سٹیٹ پر نہیں ہو گیا وہ مل اس غم میں سیاہ پوش ہو گیا تھا۔

۱۔ سناں دہلی کا حال یہ ہے کہ سلطان امیروں میں سے آدھی (ان میں سے ایک) حکیم حسن اللہ (ان کا یہ حال ہے کہ وہ وہی ہے تو کچھ طریق) منہ پڑا یہاں کی اتنا سے میں تہذیب۔ خدا جانے کہاں جائیں کہیں ہوئے۔  
(بنام شیخ ذوالکلی ۱۳ جون ۱۸۵۹ء)

۲۔ حکیم ہی (حسن اللہ) کو ان کی عریاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قابل ان نکاحوں میں جا رہے ہیں۔  
اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں۔  
(بنام، آغستہ، ۵ نومبر ۱۸۵۹ء)  
حکیم حسن اللہ ان کے نکاح سے شہر ان کو مل گئے اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ اور ان سے  
سے باہر نہ نکلو اپنی گھر میں بیٹھے رہو۔

(بنام، حسین مرزا، ۹ نومبر ۱۸۵۹ء)

حکیم صاحب یہ ہے وہ سب ہی حجام کے اوپر تھیں تھا ان کی اور ان کو حکم ہو گیا کہ اپنی دھن پر  
رہو مگر شہر میں رہو۔ باہر جانے کا اگر قصد کرو تو بیچ کر کاؤ اور ہر جگہ میں ایک بار کچرہری میں حاضر ہو کر آؤ۔  
(بنام: غلام نجف خاں، ۸ دسمبر ۱۸۵۸ء)

۳۔ (حکیم سے آگے) کے وقت میں نہیں آ سکتا، وہ امر اگرچہ متعلق منسوب ذلت ہیں جو لیکن سناں اللہ  
اس جو صاف طرے عالی پناؤ کرنا چاہیے کہ ہر چند ترقی ملے یہاں تک ہے کہ فقیر و غلیہ کو ہمارا صرف اس  
والا درجہ کی ذات پر موقوف اور مدار جائے امور سکاو بادشاہی کا اس کا اپنا اقتدار پر منحصر ہے، خلق کو اس  
مرتبہ پر کو سب سے کیا ہے کہ ہر آدمی کی کارروائی میں دوست سے نریا و معروف ہوتا اور ہر صاحب غرض کے اتنا سے  
کو بدل متوجہ ہو کہ کامت کرنا۔ احوال شہر سے کم ہو گا کہ ان کو اپنا من دہشتا ہو۔

(آٹا انصاری: طبع اول، طبع سید اخبار، ۱۸۴۰ء، باب چہم تھا)

غالب نے بھی حکیم صاحب کو اپنا من پڑا ہے (بنام، آغستہ، ۱۷ دسمبر ۱۸۵۹ء) ایک دوسرے خط میں  
غالب نے حکیم حسن اللہ ان کے اس میں لکھا ہے کہ:

ہم دو گناں میں زندگی کو سلامت رکھنے کا ارادہ کیا، بلکہ حق تریوں ہے کہ خیر عرض ہے۔ (بنام، شوق، اکتوبر ۱۸۵۵ء)



”اسان کی مرہی سے دھکا دیا۔ یہ ہے دفاعی شخص کی لڑائی جس میں جگہ دیتا ہے اس کو شکست دے۔“  
غالب میں ہستلا کر دیتا ہے۔“

جس سے بڑا غلام اپنے آقا سے اس طرح پیشیں میں آسکتا ہے جیسا کہ وہ دلا لہین و جور پر عبوریت،  
نکاح حرام میں کے منہ پر چپ کے داغ ہیں، بے حیائی کے سبب جس کی آنکھیں بھی گئی ہیں اور بعد از فراغ  
ہو گیا ہے۔ ماہیت آپ کو یہود و مشرکی کی طرح سمجھتا ہے۔ بہر طرقت کہ جسے مشنکات ہو ۱۱ غلام دیکھتا تھا گویا ہے  
اور سمجھتا ہے کہ غرض لڑائی میں ایک دوسرے کو شرماتا ہے۔ میں نے اس کا نام اس نے نہیں لکھا کہ وہ ایک گناہدار  
گم نام ہے۔ میں اس پر مستحق کچ کر جو داستان کہہ رہا تھا اس کو پھر شروع کرتا ہوں۔

فوجیں بہر طرقت سے آگرمیں جوری تھیں۔ بادشاہ کا نام لگا تھا تھا، اس وجہ سے دور دور کے  
سروادان و فوج آتھ کھڑے ہوئے تھے۔ فرخ آباد کے نامور (سروادار) افضل حسین خان نے جن کو بھی بادشاہ  
سے علاقہ نیا دوسری نہیں تھا، دور ہی سے آستانہ شاہی کو سجدہ کیا اور خط پیش اپنے آپ کو نیا دوسرے قیام لکھا۔  
خان بہادر خان نے جو گمراہ اشریت طلب تھا اور جو بریلی میں کچھ کلک رہے تھے کہ سروادان میں بیٹھا تھا،  
ایک سو ایک مشرفان، تقریبی سا دوسراں سے آراستہ تھے اور گھوڑا بارگاہ شاہی میں بیٹھا۔

پیشہ دور دور شہید نشان کو اب راست ملی خان بہادر فرمان دے کے باوجود نے جو اس علاقے میں  
باپ دادا کی ہائیشی (کاشیاد اگر ہے) ہیں۔ اور انگریزی حکومت کے ساتھ ان کا رشتہ راجی اتنا خفیہ  
ہے کہ نہ دہلی بزار میں کسی کی طرح سے اس کو نہیں توڑ سکتا، مجموعاً صرف زبانی پیغام بھیج کر لوگوں کی  
نہان کو بند کیا۔

کھنڈ میں جب فوج نے (انگریزوں سے) رشتہ تعلق توڑ لیا، (پیش قر) انگریز (دشمن کی) اس آگ سے  
فوج کو دوسرے مقامات پر اپنے خلیقین کے پاس پہنچ گئے، لیکن (فوج کے) چند سروادانوں نے کہ لوگوں کو  
ساتھ لے کر پہلی کارروائی قیام کیا جو کھنڈ کا ایک شہر و مقام ہے اور بہادری کے ساتھ وہاں سے چند گئے۔  
شرف الدار نے جو بڑے واقعہ کار اور معاملات کو سمجھنے والے تھے اور جو ابابا بن اودھ کے  
نمائندہ میں وزارت کے عہدے پر سر فراز تھے، اس کم تعداد لیکن با شان و شوکت گرو (انگریز) کو نظر انداز  
کر کے داجد علی شاہ کے دس سالہ لڑکے کو تخت حکومت پر بٹھال دیا اور اس کو شہنشاہ و چند دستان کا دیر  
اور اپنے آپ کو پیش کار اور نائب وزیر خدشہ میں کر لیا۔ اس نامور شخص (شرف الدار) نے گویا ہما کو  
گرفتار کر لیا تھا۔ جب یہ سارا کام مکمل کر لیا، ایک منتخب شخص کو مناسب پیشیں کش کے ساتھ (دہلی)۔  
روانہ کر دیا۔ قاصد ایک دور و زار نام کیا پھر بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا۔ دو مہارنگار گولہ سے، دو کو ہجفت

اتنی ایک سو اکیس ہفتیاں اور ایک سو تری گارہ سو تک ہر ایک کے خیاب و حیرتوں سے مزین تھی انھیں کی اور ایک ہزار ہندو جن کے لیے میرے چڑھے ہوئے تھے ملک کی خدمت میں مل میں بھیجا۔

یہ دہائی شان و شوکت و شکست و کشتی چراغ کی طرح (جلد ششم جو نئے والی تھی) گویا دہائی کی نظر پر اسی روشنی کی منظر تھی حکومتِ اودھ کی اس بی بی کش کے بعد آئندہ دیکھنا اور جہاں و جہیز کی مدد و داستانِ عزم ہو گئی (دہائی) افواج کے شور و غل سے نصیب کی آنکھیں کھلی ہی تھیں کہ چھوڑ دینا۔ نہیں نہیں شہنشاہ کی قسمت کا ستارہ اتنی بلندی پر پہنچ گیا کہ دنیا والوں کی نگاہوں سے بے نیاز ہو گیا۔

”مہاراجہ کا تہہ نہ گرنے میں آتا ہے کہ کچھ جاکے ہی کوئی قسمت میں نہ آتی۔ تم نہیں دیکھتے کہ تھیر کے خون سے سورج آسمان پر کیسے کا پتہ دیتا ہے۔“

جس دن وہ سپر جہاز قدم تھام گیا اور بادشاہ نے جہاز پر دی فرمائی۔ اس کے کل کوہی کے دلی تری پہنچنے کی جوتیں (دھڑکی) جو دھڑکیاں کہ پہاڑی کے دامن میں بیٹھے ہوئے (انگریزوں) نے شان و شکوہ کے ساتھ کشمیری دھواں سے پر کیا ملک کا کالوں کی طرح کہہ جاتے ہی بنی۔

”مٹی کے جہیز میں اگر انسان دہلی سے آٹھ گھنٹہ کا دور سفر ہی غلام کا دور سفر ہو گیا اور انسان کا زہر دوا بن گیا۔ پھر جہیز پادوں کے بعد سورج آپ قباب کے ساتھ طلوع ہوا۔ دہلی دیوانوں سے نکالی ہو گئی (انگریزوں) نے پہاڑی کے ساتھ اس پر قبضہ کر لیا۔“

اگرچہ (مٹی) سے ہم (مٹی) کے جہیز ہم دلی کا وہ تھہر ہے، لیکن اس بنا پر کہ پیسہ کے دن شہر (انگریزوں) کے ہاتھ سے نکلا تھا اور پیسہ کے دن ہی قبضے میں آیا، ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہر

ملہ یہاں اس مضمون پر ششماں دہائی قباب کے سپر سے وہ گئی تھی۔ قباب نے قند کے نام ۱۸۸۸ء اگست ۱۸۵۸ء کے ایک خط کے ذریعے اسے یہاں بتا دیا تھا کہ گویا شیشو نوائے کے نام ۱۸۸۸ء اگست ۱۸۵۸ء کے قلاب میں اس دہائی کو ضرور باغی و سرور دیکھ کر اپنے کی ہدایت ملتی ہے۔

دہائی ہے۔ ہے۔ ہے۔

ہاں ایک ستارہ شریچہ دہندو

انہر افاد و گزین ارزن ارنو

خوشید ز اندیشہ تھا در گردش

نہ چرخ نہ بین کہ چمان می لرزد



میں سے ملے۔ دھن دھن کا آواز اور ہوائ کے ستھل ستھل کو جھنجھٹائی۔ میں نے کہا کہ میں گنجانہ  
 تو ہوں نہیں کہ سزا پاؤں۔ مگر جو یہ لگا ہوں کو قتل نہیں کرتے ہیں اور شہر کی کاب دھواں سا دھو رہی ہے۔  
 بھیکہ پاؤں ہے کہ اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ مگر وہاں مادی اور مادی کے چھوڑے۔

(اب) مکان کے ایک گوشے میں بے سوسمانی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں (اس صحابی میں) نظم میرا  
 فریق ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور قلم سے دردناک الفاظ چھپتے ہیں۔

"میں باطل نفس اور چھ سوسمان ہوں۔ خدا دعا! ایک لمحہ سوچ سوچ کر خوش ہوتا رہوں گا کہ  
 بھابھو (کام) میری ہی کام کے ہیں۔"

ازل کا کھنڈا بدل نہیں سکتا۔ ازل میں تپتیں کھن چاہتی ہیں۔ ہر ایک کو کوشش و قسمت کے مطابق  
 سوسمان مل گیا ہے۔ سمجھتیں اور لا تپتیں کسی حکم ازل کا تپتیں ہی ہے۔ ہر ایک کے لئے دلی و بے مگر  
 کہ جہد کر جس طرح کچھ، ہر جہد کو خوشی کے ساتھ دیکھتے ہیں، ہر لمحہ بدلنے والے زمانے کی صورت نظر  
 نیرنگیوں کو اس پر مانی ہے۔ خوشی کے ساتھ دیکھتا رہوں۔

ہم کے دلی عزم کی بنا پر تپتیں اور تپتیں کی، اور دلی چڑھے دنیا کو خوشی بخشنے والا کتاب، عالم تاب  
 برج شہد کے ایک دوسرے کی طرح کر سوت میں آگیا اور اہل عالم کی چشم جہاں میں پر تار کی نے نظم مل گیا  
 گراہ باقی آمدوں و میر واد شہر سے خصوصاً کی طرح بھاگنے لگے اور نا تپتیں نے شہر اور قلعے پر قبضہ کر  
 لیا۔ کشت و خون اور کچھ دھوکے کی رافٹ اس کی ایک آگلی۔ خوف سے لوگوں کے دل دہل گئے۔

اس کی میں صرف دس بارہ گھر ہیں اور راستہ ایک ہی طرف سے ہے (گی اندہ سے بند ہے)  
 گی میں کوئی گناہ نہیں ہے (اس کی کے) زیادہ تر رہنے والے چلے گئے ہیں (اس طرح کہ) اور میں  
 جن کو کو چھاتی سے لگائے ہوئے تپتیں اور مردوں کے کاڑھوں پر مسلمان کی نظر پڑیں تپتیں۔ کہ لوگ باقی  
 رہ گئے تھے۔ ہم سب نے مل کر گی کا دروازہ اندہ سے بند کر لیا اور تپتیں دیے۔ گی سب سے تو تپتی ہی  
 دہستہ ہی ہو گئی (ایک داستان تھا وہ بھی بند ہو گیا)۔

"میری روح جسم سے زیادہ مستور و نامہ ہو تو تمہارے بات نہیں دیکھو کہ میں بادل قیامت  
 کے گوشے سے کی زیادہ لگ چٹ"

یہ پہلوی، اہل تار و کلب و استقامت و جہد کو کار کا اظہار میں متع اور دکھا رہا ہے۔ غالب کے خطوط اس کی توثیق  
 کرتے ہیں اور ایک باطل مختلف قصوں کا پیش کرتے ہیں۔

(آفتاب) اس صحبت میں کام کرنے کی ایک صورت پیدا ہو گئی۔ غلبہ ترے مزاج عظمیٰ خند گھوہور  
 فرما دے تھے چیل اس جنگ میں ڈانگیں ہاتھ کے ساتھ ادا کی توجہ شروع سے انگریزی شکر  
 کی مدد ہے۔ راجہ کے چند طریقوں میں حال جو ان کی سکا میں اونچے سہولتوں پر ہیں اور شہر کے نامور اور  
 قابل عزت لوگوں میں سے ہے (میری ملا ہے) حکیم محمود خاں، حکیم مرتضیٰ خاں، حکیم نظام الدین خاں (سے)  
 جو حکیم شریعت خاں جنت مکان کی اولاد میں ہیں، اس کو چے میں دیتے ہیں۔ دور ملک ان کی دور یہ  
 حالت میں ملی گئی ہیں۔

میں دس سال سے ان میں سے ایک صاحب جاہ و ثروت کا چڑھی ہوں۔ ان میں حضرات  
 میں سے اول الذکر (حکیم محمود خاں) منتقلین اور اہل خانہ کے ساتھ اپنے بزرگوں کی طرح باعزت زندگی  
 بسر کرتے ہیں اور باقی دونوں حضرات دنیا نے میں راجہ کی مساجد میں کایا بیانی کا مسرائی کے ساتھ  
 رہتے ہیں۔ جو ملک دہلی کی فتح متوقع تھی، راجہ نے آندرا جیو میں دہلی طاقت و راجہ گھر (انگریزوں) سے ملے  
 کر یا حاکم جب (شہر) فتح ہوگا، اس کی کے دوا دے پر محافظ مقرر کر دے جائیں گے اگر انگریز فوجی جن کو  
 گواہ کہتے ہیں، گوروں کو نقصان پہنچائیں۔

آپ نے کام میں کی گئی (مجدد) چند دوسری باتوں کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔ ان ضمن باتوں کے بعد (شہر)  
 چہرل وضع پیا آہوں۔ سارے شہر میں ہمارے شہر سے ہر گھر کا دوا دے ہے۔ دکان دار اور خریدار دونوں  
 غائب ہیں۔ دو گم فروش ہے کہ گھسوں خریدیں، نہ دھوبی ہے کہ کپڑے دھو لے کوں۔ ہمارا کو کہاں ڈھونڈیں  
 کہ سر کہاں تراشے اور ہر کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں کہ منائی کرے۔ بہر حال جیسا کہ میں نے بیان کیا  
 ہے، ان پانچ مہینوں میں (دلی کے لوگ) باہر نکل کر پانی تو برابر لے آتے تھے۔ کبھی کبھی آٹا وغیرہ بھی مل جاتا  
 تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ صورت حال قائم ہو گئی (دلی کا) دروازہ چتوڑوں سے بند کر دیا گیا اور دلوں کے آچنے  
 پر عزم عالم کا خیار چھایا۔

"کوشتوں کے سارے بٹانے غنیمت بڑ گئے۔ اب شکستیں جوں کو ان کی طرح جلا رہی ہیں۔"

اب یہ حکیم جیو حسن خاں جرم کے ملک میں فوری رہیں سے کرانے کو رہتا ہوں اور یہاں قریب کیا اور اب دلی رہیں  
 گھر گھسوں کے لکڑہ کو کر کے راجہ فرزند گھوہور دلی فیال کے۔ راجہ صاحب نے صاحبان طوٹان (انگریز حکام) سے عہد  
 لیا تھا کہ وہ قسطنطنیہ دلی ملک کیجے رہیں، مگر ان کے ہاتھ میں راجہ صاحب کے سیاہو سال آٹھ ماہوں کے بعد مختار اور

گھوڑوں میں کھانے کا جس قدر سامان تھا فوری رفتہ ختم ہو گیا۔ پانی اگرچہ بے حد احتیاط سے پائا لیکن آخر کار کھنے کے گھوڑوں میں ایک قطرہ نہیں رہا۔ غور تو ان مردوں میں سے کسی میں یہ داشت کی طاقت نہیں رہی۔ صبر کے ساتھ دل گزارنے اور (پختہ آپ کو) سامانِ غور و نوش حاصل کر لینے کا فوج بدینے کا وقت بھی گزر گیا۔ دو دشمنانہ روز سب جھوٹے رہے۔

”اٹھو بس! یہ گرے فزاری اور دولت و مقامی! اور مددِ صیحت یہ بے چارگی و پریشان حالی اور

پیسہ و سامان!“

تیسرے دن جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے، مہاراجہ (شیلار) کی فوج کے سپاہی آگئے اور پہرہ دیتے گئے۔ گلی کے رہنے والوں نے لوٹ مار کرنے والوں کے خوف سے نہات پانی ”سہرے پہلو بلبلو“ کہتے ہوئے پہرہ والوں سے ہار پڑنے کی اہانت چاہی۔ یہ پہرہ والے اور دوستی تھا کہ اڑنا و دشمنی، اس لئے کہا گیا کہ چمک کے پلاٹنگ جا سکتے ہیں۔ چمک کے آگے قتل و خون کا پتلا گرم ہے اور ماست پر نظر ہے۔

غور و پریشان حال لوگوں نے دوزخ کو مل دیا، ہنسی و حُک کا تانکھن تھا، اس لئے ہر گھر سے ایک مرد اور میرے ملازمین میں سے دو شخص گئے۔ میٹھا پانی دوزخ تھا اور (اتنی) دوزخ نہیں سکتے تھے۔ مجبوراً نیم خم پانی شہوں اور گھوڑوں میں بھیرا گئے۔ اس طرح اس لیکن پانی سے وہ آگ بھی اُجھیں کا دوسرا ناپائیدار ہے۔

ہار پڑنے والے اور پانی لانے والے لوگ کہتے تھے کہ اس گلی میں جس سے آگئے ہانے کی ہم کو اہانت نہیں ہے، سپاہیوں نے کچھ مکاؤں کے دوزخ سے توڑ ڈالے (ان گھروں میں) نہ تو ہم سے ہی آٹا، نہ نہتوں میں روٹی میں نے کہا اچھا بندہ وہ ہے جو برتن، پتیلے، آٹے اور چل کا ڈر نہ کرے، ہماری دوزی تو ایسے (دوزی رسال) کے ذمہ ہے جو ہم کو قطارِ اعزاز نہیں کرے گا۔ خدا کی بخشش کا شکر دار کا رنج شیفٹ ہے۔

آج کل ہم لوگ اپنے آپ کو قیدی سمجھ رہے ہیں اور حقیقت میں یہ ہے کہ بالکل قیدیوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ نہ تو کوئی آٹا ہے کہ کوئی سننے کو بات لے۔ نہ خود ہار جاسکتے ہیں کہ اپنی آنکھوں سے مدد و اقامت دیکھیں۔ جیسا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے کان بھرے ہیں اور آنکھیں بے نور، اس کشمکش کے علاوہ نہ کھانے کو روٹی ہے نہ چینی کو پانی۔

ایک دن اپنا کب ہار لیا، پانی بڑھا۔ ہم نے (سمجھ میں) ایک چادر باندھ لی اور ایک



بچوں کو کھلے کھال پٹا ہے۔ ان شیعوں نے ان بچوں سے بچ کر بے استقامت ہے۔ اس عالم نے چادر لگی  
(دو دنوں پہلے) میرے ساتھ تھی اور میرے داس ڈگریاں کھینچ رہی تھیں۔

بھائی جو دو سال مجھ سے چھٹا ہے، تیس سال کی عمر میں دلیرانہ ہو گیا۔ تیس برس سے وہ اس طرح  
زندگی گزار رہا ہے کہ کسی کو تانا ہے وہ خود زخمی ہوتا ہے۔ اس کامکان میرے گھر سے تقریباً دو ہزار قدم  
کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بیوی اور لوگوں نے بچوں اور کینڑوں کے ساتھ بھاگ جانے میں بھی عافیت  
بھی گھر کے آگے تھل بھاگ اور مارے سامان کو ایک بوڑھے دیوان اور ایک بڑے گھاسیہ کے ساتھ  
چھوڑ دیا۔

انگریز باد دھونتا ہوتا تب بھی (ان حالات میں) میں کسی کو بیچ کر ان تینوں آدمیوں کو نہ بلوا  
سکتا تھا۔ ان لوگوں کا کتا تھوڑا بہت ڈانٹا ہے اور میرے دل پر اس کا بہت اثر ہے۔

وہ دونوں تازہ پروردہ بچے تھے، دودھ، مسخائی مانگتے تھے، لیکن ان کی خواہش پوری نہ کی میرے  
میں میں نہیں۔ افسوس! افسوس! اس ایک بات کو کیا کہوں۔ جب تک زندہ ہوں، عروسی اور پانی کی  
فکروں سے گی اور مرنے کے بعد کفن و دفن کی۔ میں دن رات اس فکر میں رہتا ہوں کہ بھائی نے دن میں  
کیا کھایا (جوگا) اور رات میں کیسے سویا (جوگا) اور (حالات سے) ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ یہ بھی  
نہیں کہہ سکتا ہوں کہ (بھائی) زندہ بھی ہے یا مصیبتیں (آٹھاتے آٹھاتے) مر گیا۔

میرے ہونٹوں پر صرف آہ و فغاں نہیں ہے، وہ خدا کی قسم (اس قسم سے) میں جان لہتا ہوں۔

جو حالات میں نے بیان کیے ہیں، دل دکھانے والے ہیں۔ لیکن جو کچھ میں کہہ نہیں سکا ہوں، وہ بھی  
روح فرما ہے۔ جو لوگ حالات سے واقف ہیں، میں ان سے توقع کرتا ہوں کہ وہ میری چہرہ و داستان کو  
خوار سے نہیں سمجھا کر منکرانہ بات کریں گے۔

میں اس بڑے چاروں چاروں میں ادا قصاب (سیدرام) کی ہندو ہوں۔ میں غلبہ چراغ کی روشنی اور  
سورج کی نورانی سے نہیں ہے بلکہ میں سورج کے وقت چراغ کا روشن فخر ہونے کے قریب ہوتا ہے اور  
اس کی روشنی لگی ہو جاتی ہے اور دن ڈھلے سورج کی چمک دیکھ کر مانہ چڑھا شروع ہو جاتی ہے، وہی

۱۔ تاریخ الملوک، مادحت (باب) اور کتبہ فتح قلعہ کاب (باب) (ماں) کے بچوں پر قریبی خاں اور عین علی خاں

سے لڑا ہے۔ مادحت کی ایک اور روایت ہے کہ وہی خاں نے قلعہ کاب سے تھے، تحصیل کے لئے رجوع کیے،



میں وہاں ہے۔ دو میل جوئے کرکس نے مکرانہاں اپنے سدا فلک رفعت استاد چشم مکڑ کو کھڑے کی طرح میں  
ایک تھپہ لکھا اور ٹوک سے جو وہیں سے ہوا راستہ پہنچی اور وہاں سے لکھی جاتی ہے آقا نے مجھ  
بہادر حکم نامہ لارڈ الین بلا ہمارے حضور میں بھیجا ہو گو فری کے فائدے میں انڈیا وکرم میرے مرگے تھے:

راہ حق کشورم اگر خود دہشہ کو بخت

راہم یہ یاسم ہا تو سے جی مستان وہ

یہ شعر کسی تھپہ سے کا ہے۔ وہ تھپہ اس روایت تالیف میں ہے۔ کہ خیال تھا کہ یہ مشکل کام اس

آسانی سے ہی جائے گا۔ تین مہینے کے بعد چانک ایک ہندک قدم کا مداس سرورستان سروری  
(لارڈ الین برا) کا گزارش نامہ لایا۔ یہ خط انگریزی میں تھا نہایت محبت کے ساتھ لکھا تھا کہ قہیدہ ہائے  
پاس پہنچ گیا اور ہم نے اس کو مکڑ منظر کے سامنے پیش کرنے کے لئے مشفقین بارگاہ و شاہی کے  
نچھوڑ دیے۔ اس پر سرورستان پر نام اور ہندک جواب کو تیس دن میں گزرتے تھے کہ سرورستان مہربان مشر  
رہنمائی بہادر گرامی نامہ ڈاک سے آیا، لکھا تھا کہ قہیدہ لارڈ الین بلا ہمارے واسطے ہے ہمارے  
پاس پہنچا تھا، اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ سائل ضابطہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی گزارشات فرمادو گے  
بہادرستان کے واسطے سے بہادی بارگاہ میں پیش کرے۔

حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک مہرور شہنشاہ انگلیڈ کے ہم (دھکر) لکھد ہوا، فریڈن شمر  
لارڈ کینگڈاب گورنر جنرل بہادر کے حضور میں بھیجا۔ اس گزارش نامہ میں انکس واکرڈ کو اس  
طرح پیش کیا گیا کہ وہ ایمان اور دوسرے ملک کے بادشاہوں نے شاعروں اور دعاویں کو طرح  
طرح سے نوازا ہے۔ موتوں سے مزہ بھرتا، سونے میں تلواں لگاؤں عطا کرتا، اور انعام دیتا، عرض  
مختلف اٹھا دے ہیں۔ اس محتاج کی یہ خواہش ہے کہ مکڑ منظر اپنی زبان (بہادر) سے مرعوان (خطاب)  
انشاد فرمائیں۔ اپنے حکم سے مرعوان (فعلیت) بخشیں اور اپنے عنوان سے چندان ریجہ (روٹی) کے ٹکڑے نہایت  
فرمائیں۔ مرعوان اور سرائے کا ترجمہ موتی خطاب اور فعلیت ہو سکتا ہے اور نامیہ ریجہ کو انگریزی میں نہیں  
کہہ سکتے ہیں۔

حاکم بہادر مرعوان بہادر جنرل بہادر نے جواب میں میرے دلی فخر و کوشش کے علاوہ اسے شاد  
فرمایا (موصوت) نے لکھا کہ (وہ) ستائش نامہ انگلستان دوا کر دیا گیا۔ اس خبر پر سرورستان نے اسے اسلوب  
چوکر جائے میں بھولا نہیں سہا تھا۔

پارہ کہنے بہر صراط کہ جواب میں فرخ شمال، مالی نسب مشر بل کوک بہادر کے خطاب



پہلے ملکیت ہوں اور زندگی سے بڑھوں :-

میں نے اپنی ہر حرکت سے یاد و سواستی کہ ہے تیرے ذائقہ میں دل اور نگاہ کا نتیجہ ہے۔

میں جانتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر شخص نہیں مل سکتا کہ جس کو قتل دیکھا جائے  
مل جائے یا ہمارے خود شخص جیسا کہ سے مل کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی میں بھی مل جائے۔ جو شخص کے  
حصول کے خیال ہے کہ انہوں نے تیرے قتل کے اطلاع نہیں کی یا اس وجہ سے ان کو قتل کر دیا یا شہر میں بھی  
کہ ان کے ساتھ لوٹ پتے میں قتل نہیں کرتے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے اور وہ بھی صرف وہ لوگ جن میں  
کہ چھ قتل کر دیا ہے یا ان لوٹ گیا (اب اس روز میں) محسوس اور کچل کا قتل وہاں نہیں کیا ہے۔

اس حکم پر پہنچ کر تو میں غصہ ہو گیا۔ اب میں ایک بڑے بڑے اور دانا بندہ ہوں کہ میری تعلیم قدم آگے  
جڑے ہے اسے انصاف کی تعریف کرنے والے اور علم کو بڑا کہنے والے تھے تو اگر علم کی خدمت اور  
انصاف کی تعریف میں تمہاری زبان اور تمہارا دل ایک ہے تو خدا کے واسطے جس قدر مستحقوں کا طرز عمل  
یا کوئی اس کے لیے کہ چلے سے دشمن کی کوئی حسد یا وہ عدالت کا کوئی سبب ہو اور ان وعدہ مندوں نے اپنے  
آقاؤں کے ساتھ میں تمہارا خیال۔

بہ نپاری صورتوں اور خود سے بھی کہتے ہوئے کہاں کو قتل کیا (میں نے) سب جانتے ہیں کہ اپنے  
آقا سے بے وفائی کرنا ہے (اس کے ساتھ میں) ان انگریزوں کو دیکھو کہ دشمن کا بدلہ لینے کے لئے  
لڑنے اٹھے اور گناہگاروں کو سزا دینے کے لئے ٹھہرا کر سزا کیا (جو کہ) وہ (شہر والوں سے بھی بڑھ کر)  
تو سچ تو اس کا حکم (شہر پر قابض ہونے کے بعد کتنے ہی (مکان کو) زندہ دھڑکتے (لیکن انہیں  
انے) جھٹکا۔ (اگرچہ) ان کے سینے میں خستہ کی آگ ہو کر رہی تھی صورتوں اور لوگوں کو قتل نہیں سہلے  
جو گونا گونا اور جان مال محفوظ رہنے کی ویرانی نہیں کی گئی ہے اس کی وجہ صرف ہے کہ بے گناہوں  
اور گناہگاروں میں امتیاز ہے۔ جس لوگوں کو ہمارے ہی کے لئے بڑا گیا ہے اس کے سوا اور کسی کو ہمارے  
ہونے کی اہمیت نہیں رہی ہے۔

شہر کے شہر والوں کو ہمارا حال ہوا ہے کہ لوگ بیکسٹور میں ہیں اگر فکر (شہر کے شہر) ہو  
ہیں۔ جو لوگ (شہر کے نکل کو) وہ انوں اور گلوں میں قیم ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں دھکی کوئی کلم  
اس میں نہیں ہوا۔ جو لوگ (شہر کے) ہمارے نکل گئے ہیں یا جو شہر کے اندر تک نہیں پہنچا ہے ان کے  
دھکا کوئی دھکا نہیں ہے۔ کاش (شہر کے) اندر رہنے والے اسے (شہر کے) ہمارے دھکے والے ایک (دور  
کی زندگی) دھکے سے واقف ہو گئے کہ بے گناہی اور بے گناہی ہوتی۔ میں نے جانتا تھا کہ ان کو میں بڑے  
شہر میں رہنے والے ہوں گے۔ ان کے گونا گونا ہوں گے اور ہر کسی کو شہر کے سب کے دل میں ہے۔





اس قید میں بے چارگی اور بیوقوفی کے ساتھ ہمیشہ جینا پڑے گا:

”بہرہ جو کچھ آج تصور دہی ہے، ہمارے کل میں بھی گزری (تو) آہ (کیا ہوگا)؟“

اس کتاب میں خروج سے آگے۔ یا ان حالات کا ذکر ہے جو ہم پر گزرتے ہیں، یا ان واقعات (کا ذکر) ہوگا جو سننے میں آئے ہیں۔ میں نے جو چند حالات لکھے ہیں، تو کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں نے جو بات آج ہی ہونے لگے، یا کچھ کم کر کے کہی ہوں گی۔ میرا انداز ہے کہ ہمارے ہاں چاہتا ہوں اور پہچانی میں نہایت ڈھونڈتا ہوں۔ آنکھیں بے کاری، دل قید (مزم) میں ہے اور لب ہلاکت میں۔ لوگوں کی زبانوں سے میرے کانوں کو مسلمات کی جیک ملتی ہے کہیں بھی ہے یہ گدائی! اوروہ بھی اس بے سرو پائی کے ساتھ۔

اور یہ جو بادشاہ اور شاہ نادانوں کے انجام کے متعلق میں نے کچھ نہیں لکھا (حالانکہ ان واقعات کو اکثر شہر کی داستان کے دریا پر کے طوطے پر (آواز دہی میں) لکھنا چاہیے تھا، اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس تحریر کے سلسلے میں میرا سامان سب کچھ ہائے چندہ میں اور ابھی بیخیر رہی ہوئی تھی، یہ سب کچھ تیار تھا، میں اس جانتے تک ہے، اہم نگوں کو جو ہمیشہ اب تک نہیں سنیں، میں اور میرا دوسرا حصہ بھی کر لیں گا اور تب واقعت کانوں کی طرح یہ راز کی باتیں لکھوں گا، میں یہ نہیں لکھتا کہ اس تحریر کے پڑھنے والے (واقعات) داستان کی تقدیم و تاخیر پر اندوئے انصاف و حیرت اہل نہیں کریں گے۔

اور اگرچہ کوئی سب کے دن نے نہیں کام چلتے کے دھڑکتے کاٹ دینا چاہیے، اگلے دن اس دوسرے کی طرح دنیا کو نگل لیا۔ اسی دن صبح کے وقت وہ گھنٹہ در بان بھائی کے گھر نے کی خوش خبری ملی۔ بھائی کا وہ گرم پتھر دواؤں (یو سیسٹن) پانچ دن پہلے گھر میں ہلکا رہا اور آدھی رات کے قریب اس دوا سے رخصت ہو گیا۔ پانی، دوا، ان مسائل، گورنر، اینٹ، دھوئے، گارے، دھیر کا ڈاکر چھوڑ دیا، تاکہ کہیں کچھ جانوں اور (رحمت) کہیں لے جانوں؟ کس قریب جان میں کس پر تھک کر دوں؟ باور میں ہے، بڑا کسی قسم کا کچھ نہیں بتا ہے۔ فری کھونٹے والے ہو رہا کچھ شہر میں تھے ہی نہیں۔ ہندو پٹنہ مردوں کو دریا کے کنارے لے جا کر ہلاکتے ہیں (لیکن) مسلمانوں کی کیا حال ہے کہ وہ کچھ شخص ساتھ ساتھ راستے سے گزریں، پر جانے کہیت کا شہر سے باہر لے جائیں۔

یہ سب کچھ میری تنہائی پر ہم کیا اور اس (کا) انجام دینے کے لیے تیار ہوئے۔ چاہئے کے

میں یہاں قلم کا بیان کرتا ہوں۔ یہ تصویریں کے لئے دیکھیں۔

میرزا یحیٰی حسن، ۱۷ مارچ ۱۹۵۹ء، بمبئی، بمبئی، ۱۹۵۹ء

ایک بار گئے کیا۔ میرے دو کوئل کو ساتھ لیا اور پل دیسے بہت کوشش کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے (گھر) لے گئے تھے، لیکن میں بیٹا اور اس بھڑی جو مکان کے برابر تھی، زمین کھدی (قریباً ایک فٹ) کو اس میں رکھ دیا اور اس گڑھے کو پاٹ کر ٹاٹ آئے،

”اسی دن کہ ماٹھ مال کی عمر بیس روزہ تھی سال شاد و بارش بیس سال، ناشا و قمر بیس کو یا بیس عشرت بھی دلا، خاک کے چارہ اور کچا اس کی قسمت میں نہیں تھا۔ اسے کھانا اس رہنے والے پر رحم کرنا تھی تھوڑی سی خام آگ کی صورت میں دیکھی۔ اس کی دلوئی کے لئے کسی فرشتے کو بھی اور اس کی راج کو بھی نہیں داخل کر۔“

یہ ایک سرشت لیکن ہر قسم شخص میں تھوڑی سی کے ساتھ مال خوش و ناخوش گزرتا ہے۔ لیکن سال ہر قسم کی کے ساتھ اور بیس سال بے خوشی (دو لگی) کے عالم میں۔ ناشا و قمر بیس میں طبع ضعیف کرتا اور عالم دلوئی کی کو تکلیف دہ بناتا ہے کاشا و بارش ۱۱ و سطر ۱۲ کی شب میں مر گیا ہے۔

”ایک شخص نے کہہ کے ستم صوبہ میرزا سے کل تاریخ (دقائق) پر پچھا، میں نے اس کا نشان دیا ہے۔“  
”جہاں جو کہ زندگی گزار رہی تھی، نے ایک کھینچا اور کہا: ”ورق دیو اند“

راج ہو کہ ”ورق دیو اند“ سے ۱۲۰ عدد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے آہ کے ۱۰ عدد نکال دیے

جائیں تو ۱۱۰ رہ جاتے ہیں جو مطلوب ہیں۔“

”اس خدا کے نام کر جس کے حضور میں مصافحہ کرنا ہی مناسب ہے، تم جہاں سے جکاؤ گے، اسی کا راستہ دو گا۔“

میں پہنچا اگر میری فوج نے شہر کو فتح کیا، اس جگہ ہاں ملے اور اٹھنا میں اللہ کی حمد و ثناء اور حمدیہ مال اللہ میں بخان بہادر کے حلقہ وضع کی خاطر اور اسید بہتری پر شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ میری بھائی کے علاوہ مکتبہ آجی اور دھانی گھوڑے ساتھ تھے۔ پرگنہ کو بارہ کاٹھ کیا، جو ان کی آبائی جاگہ ہے پہنچنے والی تھی اور اس گزرسٹائی پر گزارا (مقررہ) میں تمام کیا۔ دو تھن روٹ کا کام کیا، اس دوران میں لیٹرے سچا ہوں تھے آگ کا گھونگھیرا ہو کر پڑے پہنچے تھے وہاں کے علاوہ سارا سال میں لیا اور چھ گئے۔ ایک تھنوں کا حق جن کو تھوڑا اور شیشہ لایا، اس کوٹ مار کے شروع ہوتے ہی نکال لے گئے تھے آبائی واقعہ ان کے نشان کی حیثیت سے آگ رہ گئے تھے لیکن چلے ہوئے غریب ہوں۔

(یہ لوگ) کوٹ مار کے بعد آبائی کے ساتھ جن کو تم بھی طرح سے دیکھتے

ہو (روایت) دو جہاں کی طرف روانہ ہو گئے (روایت) گئے، سونا وری کا دار (فرمان دہ) حق علی خاں بہادر

نے اندازِ انسانیت و فیاضی (ان کا) استقبال کیا۔ یہ کہہ کر کہ میرا گھر بھی آپ ہی کا گھر ہے۔ ان سب کو  
دعائے گئے۔

تھوڑے عرصہ اور خوش خصال (حسن علی خان) نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہی سلوک  
کیا جو شاہ ایران نے ہمالیوں کے ساتھ کیا تھا۔ صاحبِ کشور بہادر نے (ان حالات) سے واقف ہو کر  
اپنے پاس بلایا۔ (یہ لوگ) شہر میں آئے اور حکم سے ملاقات کی۔ (صاحبِ کشور) نے کچھ دیر پیش  
کی (لیکن) جب قریب جوابِ ستا تو چمکے نہیں کہا۔ قلعہ کے اندر ایوانِ خانِ سلطانی کے پہلو میں ٹھہرنے  
کا حکم دیا۔

تفصیلِ کلام کی رعایت کی وجہ سے میں اس خاکدان کی تباہی کی داستان نہیں کہہ سکا۔ یوں  
سمجھ کر مہرولی میں ان لوگوں کو لٹائیگا اور وہی میں ان کے مکانات جو انگوں سے ڈالی تھے۔ تندرست نگری  
ہوئے جو سلطان یہ لوگ وہاں (مہرولی) اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ لوٹ مار کرنے والوں کے حصے میں  
آیا۔ میں تحقیق زندہ و دیوانہ پیچھے اور جو سامان یہاں محلات میں تھا، سب لٹ گیا۔ میں انٹیں چھوڑا رہا  
گئے۔ حکیم و ذرہ ملاحظہ فرمائیے اس دوستر کا ایک تار بچا۔ خدا (ان) ہے گناہوں پر رحم کرے۔ اس  
آواز سا ڈاکر کا انجام پر خیر ہو اور (ان) کو اس مصیبت کے بعد آرام نصیب ہو۔

جینا، اکتوبر کے (مہینے) میں اسی طرح قلعہ کا دہلی کے پہلوؤں و انٹوں کے ساتھ لٹ گیا۔ شہر میں آئے اور یہاں  
میں نے (پچھلے) کہا ہے وہ قلعہ میں قیام کیا۔ اس واقعہ کے دو تین دن کے بعد فوج کو حکم دیا گیا۔  
فوج گئی اور پھر کے حکم جہاں ان کو غیر محسوس کی طرح لائی۔ قلعہ کے اندر ایک ایوان کے گوشے میں  
جس کو دلیان نام کہتے ہیں (ٹھہرنے کے لئے) جگہ دی گئی اور ان کی ساری جائیداد انگریزی حکومت  
نے ضبط کر لی۔

اسرا کو برکات محمد کے دل میں سرجِ نگر کے حکم احمد علی خان کو اسی طرح (گرفتار کر کے) لائے، جیسے  
جہاں ان خان کو لائے تھے اور قلعہ دہلی میں ایک الگ جگہ ان کو ٹھہرایا گیا۔ قریب نگر ہی تیوریت بنا کر لایا  
کاٹا دیا اور شہر والوں کا دل اس سبب لٹ گیا۔

مہرولی کے دلی دادری اور بہادر گڑھ کے حکم بہادر جنگ خان گرفتار ہو کر لائے اور  
قلعہ میں جہاں ٹھہرایا گیا، ٹھہرنے کے بعد مہرولی کے دلی دادری بہادر جنگ خان گرفتار ہو کر لائے اور  
قلعہ میں جو سردار مختلف محلات پر ایک دوسرے سے دو جہاز تھے ان میں ایک کا اور ادا فرما۔

داخل ہو کر دہلی کی، منشی کے تحت ہو جائیں ہیں، وہ شہر میں پہنچنے کے دنوں سے کم یا زیادہ ہیں



ان کے ماتحت سات جاگیر رکھا، بجز اور گڑھ، جب شہر، بلوچستان، فرخ پور، دوپٹہ، پٹوادی، انیس  
 سے پانچ جاگیروں کے حاکم جیسا کہ میں نے کہا، تھے۔ میں موجود ہیں اور بیٹے دو جاگیر پٹوادی اور دو جاگیر  
 شرف کے حیر کا نشانہ ہیں۔ دیکھو، ان کی جہاں ہیں، ان کیسوں دنیا میں کیا دیکھتی ہیں اور کیا انجام ہوتا ہے۔  
 یہ بات ہر مشیدہ نہیں رہے گی کہ مغل الدولہ سید الدین حیدر خان اور ذوالفقار الدین حیدر خان  
 جن کا لقب علی گڑھ تھا، اُسے لگا ہے میں دوسرے با عزت لوگوں کی طرح بڑی بیگم کے ساتھ شہر سے باہر  
 چلے گئے تھے۔ مسلمان سے مجھے جوئے گھر چڑھ دینے اور سحرانوردی مستحرام کی۔ ان لوگوں کے کئی مکانات  
 مل اور لیا ان میں، باجم متصل۔ اسنے میں کہ اگر ان مکانات والے امانت کی، نشان کی پکڑ کی جائے  
 تو شہر سے، ایک گاؤں کے برابر تو (درجہ) ہو گا۔ اسنے بڑے بڑے محل میں اس عالم میں کران میں کوئی آدمی  
 تھا ہی نہیں لوٹ مار (کرنے والوں کے ہاتھوں) صاف اور ویران ہو گئے۔

کہ کم قیمت اور بھاری مسلمان جیسے لیا ان کے پر دے، شامیانے، سائبان، شلر، چٹاں اور دوسرا  
 فرش ان قیام گاہوں میں باقی رہ گیا تھا۔ اچانک ایک بات جس کی وجہ کو راجہ نادر شاہ گرفتار ہوئے اس  
 مسلمان میں آگ لگ گئی، شیش اُٹھنے لگیں، کڑی پتھر، دیواریں، سب جل گئیں۔ یہ عمارت میرے مکان سے  
 جانب مغرب اسی قریب ہے کہ میں اس بات کو جھڑکتی ہوئی آگ کی دیکھتی پھرتی پرستے بلکہ ہتھکڑی  
 کی گرمی میرے ہیرے اور انھوں تک پہنچ رہی تھی۔ کیونکہ اس واقعہ کا یہاں پہل رہا تھا، راکھ میرے اوپر  
 آ رہی تھی۔ ہاں پٹوادی کے گھر سے (بلند ہوئے والے) نئے سوغات کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر پٹوادی کے  
 گھر کی آگ، راکھ کیوں نہ ہو۔

مستقیم حالات کے ظلم کی تکبیر (اس واقعے کے اثر سے) جو نیم مردہ چیونٹی کی رفتار کے برابر ہے  
 (مست ہے)، (مسلحہ) کاغذ پر اس حالت کی کئی شکایاں کر سکتی ہے کہ ناگہانی اس کو دیکھ سکیں۔ شاہزادوں  
 کے حقوق اس سے زیادہ اور کہ نہیں کہا گیا کہ بعض کو گولی ماری گئی (اس طرح) موت کے آئندے نے  
 ان کو تلک لیا۔ کہ ان کے دل میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا (اس طرح) دیکھو کہ کتنی کش سے ان کی روح شلر  
 کر رہی تھی۔ چنداں سوزہ دل قید خانے میں ہیں اور میں عالم عزت میں، آوارہ و پریشان پھر رہے ہیں کہوڑ  
 ضیف بادشاہ میر تقی میر کا ہے۔

بجز، باب گڑھ اور فرخ پور کے جاگیرداروں کو خط لکھ دینا، مختلف دلوں میں پھانسی پر لٹا دیا گیا۔  
 اس طرح (ان لوگوں کو) چاک کیا کہ کوئی گہر نہیں سکتا کہ وہی بلیا گیا۔

جنوری ۱۸۵۸ء کے آقا ناس پندوں کو سندھان آلوں مل گیا، اور (شہر میں) آباد ہونے کی بہت

دسے دی گئی۔ یہ لوگ (جنہوں نے جہاں تھے شہر کی طرف بھاگے تھے۔ خاندان بڑے مسلمانوں کے گھروں میں  
 (تھیں) بچے بچے کے سب سے) سہو اس قتل گاہ کو کہہ دیا کہ اس سے پہلے، ہر اور سچے مسلمان کی زبان سے  
 یہ صدا آتی ہے کہ مسلمانوں کی جگہ (مکرتوں) خالی ہے۔

شہید پیدائش کے گھروں کے کہنے سے حاکم شہر کو یہ خیال ہوا کہ اگر نامہ زدہ رنگہ بہادر کے شیروں کا مکان  
 مسلمانوں کی جائے سکونت تھ تو اور بھی جو لوگ کی جگہ ہے۔ کوئی توبہ نہیں کر رہا ہے۔ یہاں گورنگا سارا (شہروں میں)  
 عساکر دو شخص اس مجلس میں (موجود) بھی تھے۔ اس خیال سے ہر فردی کو مشکل کے دل (حاکم شہر) کی پہچان  
 کے ساتھ اس جنگ آگ اور مکان کے مکان کو ساتھ دوسرے نیک دل بڑا گنہوں کے ساتھ اپنے سروا لے گیا  
 اگرچہ کئی رات دن سب کو حالات میں رکھا لیکن بہ عزت لوگوں کی عزت کا بھی خیال رکھا۔

ہر فردی کو جس کے دل حکیم محمود خان، حکیم مرتضیٰ خاں اور ان کے پیچھے عبدالعظیم خاں صرف حکیم کالے  
 کو دیکھیں کی اہانت مل گئی۔ ۱۲ فردی کو پھر کے دن چند دوسرے اشخاص اور ہر فردی کو پیچھے کے دن  
 تین شخص اور وہاں آگئے (لیکن) نصف سے زیادہ حالات میں رو گئے۔ یہ سب بہت جلدی میں شامل ہوئی  
 اور یہ گناہ بگائی میں رہا ہو گیا (اس کی وجہ سے) ہر فردی نے زندہ کال بھی کابل میں نہیں اس کے ہوا کہ  
 اس کا دیکھیں جسے کوئی قرض نہیں کیا گیا، ابھی تک (وہ عالم ہے) کہ وہ ہر شہر کے ہندو اور رات  
 کے کام کی خبر سے نہیں سوتا ہوں۔

فردی کے بڑے شوکت پہنچے میں کہ اس زمانے سے ہر فردی تک (جو کوئی) بہادر ہو گیا  
 میں نے آفتاب کی روشنی اور روشنی بڑھ جاتی ہے، سورج کو ایسی (سورج) مل کر بچنے کے لئے ایک  
 عینے کا سفر لے کر رہا ہے۔ حکیم مہراں، خواجہ شہید طلعت، شہزادہ فتح سر جان کورن صاحب چیت کشتہ ہوا  
 کے آگے کی خبر مشہور ہوئی، یہ کہ میرے طریقہ رہا ہے کہ حاکم ہندوستان محمود اس شہر زلی میں  
 آئیں ان کی مدد میں قیود بھیج دیا ہے اس بل پر اس کے لئے (مہراں) کی قرین میں ایک قیود  
 کہا جو تین سو تین اور پھر مقدم فردی کے دشمن تھا اور ہر فردی کو پھر کے دن پھر یہ لوگ بھیجا  
 ہر فردی کو کام کے وقت اور ان کا آواز نہنگ آہنگ توپوں کی آواز آئی اور فردی کی جگہ کشتہ کو  
 کی فتح کی خوشخبری اس تحصیل کے ساتھ پہنچے میں آئی کہ ہر فردی کو اس میں فردی کے اس کے ساتھ  
 تھوڑا سا شہید بہادر نے یہاں روئے جنگ (آئیں) یہاں طرح حکم کیا کہ ان کے سپہ سالار (میرزا)  
 نے سلاست دست و ہند کی اتنی دھمکی دی کہ اس قتل گاہ میں کی کہ ان کے ہونٹوں پر بچا لے چکے  
 اور یہاں تک گئی۔



گوش برکوازیں کہ کیا غلطہ اور دیکھنے میں آتا ہے۔

میں بھی اس بیان سے اور مستحقِ تائید کے جواب کا منتظر ہوں، جس کو میں نے ہندوؤں کی بیجا  
تھا۔ مختلف خیالات پر مشتمل ان کے سب سے حاکم (شہر) کی جگہ پر جانے اور ملاقات کرنے کی کوئی  
صورت نہیں نکلی ہے۔ محقر یہ کہ (ہر اچھا ہے) ایسی جگہ میں گویا (ہر طرف) کانٹے ہی کانٹے میں ساگر  
باہر لگوئے تو جانتے ہیں (بچے جو تھے) دیکھو گے۔ اگر گھر (جی) میں بیٹے رہو گے (تو معلوم ہوگا) کہ  
کپڑوں میں لپیٹے ہوئے ہیں (کسی طرح سکون نہیں ہے) یا جگہ میرے کانٹے پر غالب تھا کہ (مادری کو پیر  
کے دن وہ خط ایک تحریر کے ساتھ میرے پاس واپس لایا۔ خط کی پیشانی پر حاکم دانتور کے اس فرمان سے منور  
حق کو خط فریاد کو واپس کر دیا جانتے تاکہ وہ حاکم شہر کے توسط سے تمہارے پاس بھیجے۔ سب نے کہا اور میں  
نے بھی سوچا کہ یہ پُر لفظ جواب اچھا مستحقِ علامت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری گزارشات  
مسترد ہو جائیں گی۔ وہ خط میں پرفراں طور تھا مناسب عبارت کے اضافے کے ساتھ سرور عادل کا پتہ پتہ  
دانتور پادرس ساڈریں صاحب چیم کشن بہادر کے حضور میں بھیجا اور ایک خط نکالیں طور پر نامور و معروف  
(پادرس ساڈریں) کے نام منسلک کر دیا جو عوامی ویرین یعنی اجڑائے پیش سے متعلق تھا۔

مادری کو چھ کے دن فرماؤا کے حضور سے پہلی خواہش کے بارے میں یہ حکم صادر ہوا کہ یہ خط  
جس میں تمہیں کے سوا کچھ نہیں ہے اس کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ ایسے  
پُر آشوب حالات میں میری محبت اور سرت و انبساط کی کیا گنجائش، میں تو بے شک حکم ہوں، مجھ کو تو روٹی  
پا پیٹے۔ دیکھوں اس دوسری خواہش کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

۱۸۔ مادری کو جس کے دن تمام کے وقت روح کو تو اتانی بیٹھے والی آواز تو پ (سکان کے نیچے گنبد  
میں گونجی اٹھی۔ (جس سے) کھنڈ کا فتح ہوتا اور اس شہر میں کچھ خواہ انگریزیوں کا حساب دلو اور پیل جان،  
معلوم ہوا۔ اس شہر میں کھنڈ، فیل، دردوان کچھ نہیں ہے۔ یقیناً وہاں کے باشندوں کی فوج کی دیوار اس  
طرف کے بندوں (انگریزوں) کا راستہ روکے ہوئے ہوگی۔ جب وہ کوئی دین اور بہادری کی کوشش  
کیا تو انہی سے لڑائی ہوگی تو پانچ سو آدمی اور پیادوں کے چلنے سے ہر راستے سے گرو وند پند ہو جائیں گے۔  
خدا اپنے فضل سے جس کو بادشاہت عطا کرتا ہے اس کو فتح کرنے کی طاقت اور شان و شوکت بھی عطا کرتا  
ہے۔ اسی بنا پر جو شخص فرما دیا کہ ان کی نافرمانی کرتا ہے، وہ اس قابل ہے کہ اس کے سر پر جوتے لگیں، حکم  
کا حکم سے لڑتا (مثلاً) پر بادشاہت (اپنے آپ کو تباہ کرتا) ہے۔ دنیا والوں کے لئے مناسب ہے کہ جن  
لوگوں کو خدا نے گوش یعنی عطا کی ہے، ان کے سامنے سر جھکا دیں اور فرمانرواؤں کے حکم کی تعمیل کو خدا کے

علم کی تکمیل ہمیں۔ جب ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ خوش نصیبی حکومت اور طاقت کس کی پہنچی ہوئی ہے تو پھر سرکشی اور بغاوت کیوں ہے۔ تو طرزِ مشیتِ لہذا سی رہتا ہے بات کو کہیے، اچھے امتداد سے دیکھا ہے:

”نہم (آقا کے) حکم کے سامنے سر نہیں جھکائے گا تو کیا کرے گا گیسندہ چون کی اطلاع کے

ظاہر کر دی کیا سکتی ہے؟“

۲۲ باروح سے جھوٹے اسے کے دل میں یہ بات کلک رہی ہے کہ دنیا میں فروغی کا مہینہ اور لہذا کا دل ہی آتا ہے اور وہ روزِ جہاں (نوروز) انہیں دوچار تلک بخوں میں ہوتا تھا۔ سال شاید وہ چھ بیڑوں کا کسک ہے کہ بہار کی آمد پر نعرہ داتے مسرت غننے میں نہیں آتے ہیں۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ سال ترکوں کے سال (دھڑوہ گاندہ) میں سے کون سا سال ہے اور سات دن کے برابر چوڑی کی ساعت کہا گئے گی۔ اگر عجم مر گئے ہیں اور دن کے بادشاہ (آفتاب) کے مکر کا روزہ تاجِ تحریر (پیش گوئی آثار) سے خالی رہ گیا تو یہ کھوکھلا جھوٹ بولنے والے کہہ جو گئے اور پتہ نہ مل کر وکر چد جھوٹی باتیں سنی ہی نہیں۔ آفتاب ہم سے محل میں قیام (تقریر) کو بھولا نہیں ہے کہ سبز و لکھے اور چہل دیکھیں۔ اصولی آفرینش بدلتے نہیں ہیں۔ آسمان مقررہ اصول گردش کے خلاف مل نہیں کر سکتا۔ میں بادشاہ پر نہیں اپنے اوپر یا تو بہار یا ہول لے کر کسب بہار کی کوئی شکایت نہیں ہے۔ اپنی بد قسمتی کا شکوہ کر رہا ہوں۔

”نہا کا کہہ ہوں سے غنچیں اور گلاب کے پھولوں کی خوشبو سے شکر ہے (دیکھیں) میں ایک گشتی ہیں

بھروسہ و سامانِ بڑھاتا ہوں۔ پہلا: کہ ہم چہ اور میں بالکل بے سوساں ہوں۔ غنچیں کے سب سے کھرا دوا دہندہ ہے۔“

میں دیکھا ہوں اور سوچا ہوں کہ نہا بہت ہی ہوشیار ہے۔ میں لاؤں نہیں نہم قیام اگر سبز و لکھ کو نہیں دیکھوں گا اور دماغ کو پھولوں کو خوشبو سے شکر نہیں کہوں گا تو بہادش کیا کہی آہائے گی اور ہوا سے کون سا دھولے گا؟

(پہل کے چہینے میں جس میں دو ٹکٹ، ماہِ فردوس کے ایک ٹکٹ، ماہِ اردی کا ہے حکیم عمو غاں کے ساتھ جو لوگ قید خانے میں باقی تھے) رہا ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنا دست لیا۔ وہ ناز پروردہ، صاف طہارت حکیم عمو غاں (اسرارے رشتے داروں) کی پوری پوری اور چٹائی کے ساتھ پٹیلے کی طرف چلا گیا۔ کہتے ہیں

نہا تو جس دن کہ حکیم عمو غاں میں نکلا کہ دن کو جانے کو گئے۔ میں چٹائی کے دھبے اپنی کھوت

ایک سو کھانہ تہ تیغ ہوئے۔ موسم نہیں، کھانہ کے لئے کیا سہا ہے۔

مئی کے شروع میں کانوں کے غریب نے کاغذ حاصل ہوا کہ ہاؤسنگ بورڈ کے رہائشیوں نے مراد آباد کو غرق کر دیا جو پلٹن (پانچویں) کی گز گاہ تھا اور اس شہر کو انسانیت سے آواز دے کرنے کے لئے عالی نسب سرچہ علم و دانش نواب ریست علی خاں کے حوالے کر دیا۔ آج کل (نواب ریست علی خاں) جو دنیا کو فتح کرنے اور دنیا پر حکومت کرنے کے اہل ہیں، اس علاقے پر قبیل حکم کے طور پر قریاں دوائی کر رہے ہیں، (اور تم کو) اصد ہے کہ پیشہ قریاں دوائی کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد کہتے ہیں کہ وہ شکاف اور آلودہ شکار فرشتے جنہ (یعنی) مراد آباد کے) اس علاقے پر ویش کی توہین کے لئے مگر (پانچویں) کو اس طرح نکال باہر کیا جیسے طاقتور دوہیں غریب کی لکڑیاں سے یہ ایک ہستی ہیں۔ اس سمیت حال (کو دیکھتے ہوئے) توقع ہے کہ ہزاروں جان (یعنی) اور اندر باقی نہ گئے ہیں، شہروں، لکڑیوں، لوگوں کی پریشان کرتے ہیں اور سارے چنے والوں کو ستاتے ہیں۔ ان کا اصد وہی بلکہ ختم ہو جائے گا اور سارا ملک جانکالیں مادل (انگریز) کے پرچم کے زیر سایہ آجائے گا۔

اور ان کو انوار کے دلن شام کے وقت، حکم شہر نے بہادر جنگ خاں کو پیش پاں بڑیا، جو تھوڑی قدر بندھے۔ وہ بڑی امیدوں کے ساتھ گئے۔ ہاں کشی اور ایک ستر بار بار دھڑکنے شروع کیے جانے کی خوشخبری ملی گئی اور حکم ہٹا کر لاہور کی طرف چلے جائیں۔ اس کے بعد آزادی کی دعا کی سرچوگی اور باسی شہر (لاہور) میں رہنا ہو گا۔ بے شک ان حالات میں مناسب یہی ہے کہ وہ (بہادر جنگ خاں) جاہ و دولت کے علم و فہم سے آزاد ہو جائیں اور اس آزادی پر مسرور و مطمئن ہوں۔

دن کا شہنشاہ (نواب احمد) کا سرور و ناز و نیاز سے پرگھرایا جاتا ہے۔ ابھی انہی افسانوں کے بعد کہ نہیں تھا، تھا کہ راجہ جوں کے گونے ہوئے دنوں کی تعداد کے برابر دھکی طرح گینے والی توپوں کی آواز بلند ہوئی (۱۱) (مغربی توپ سے مراد ہے) جس نے دوستوں کے دل کو مسرت و خوشامی سے معمور کر دیا اور آگ سے زیادہ جلانے والی (ٹھیکہ دار) گولہ شکنوں کے سرور و چہرے پر ٹال دی۔ گولیاں کا شہر فتح ہو جانے اور اس انگلیں تلوار کے آخر آجانے کی خوشخبری جو تیش کا بکر گوش اور پہلا کائنات بگڑ ہے، خدا کے دربار سے سرکشوں کی موت کی دعا دوائی (اس شروع پر مسرت نے) حاکموں اور فرما خرواروں کو آندوں کے چراغ جلانے

(صفحہ ۱۰۶ سے لے کر)

کے مکان کو بے ڈگر یہاں آکر ہوں اس طرح کہ ملک باسی نور اور نور ان خانے میں خروار:

(نواب احمد) کا نظام تخت خاں (انگریز) کی مدد سے (۱۸۵۷ء)

(اسدوشن پوری جو جانے کی بدلت دی ۔

یہ داستان یوں ہے کہ باغیوں نے گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ فرماں دہانے گوالیار مہاراجہ جیانی  
راؤ حکومت اور شہر دونوں کو چھوڑ کر آگے چلے گئے اور انگریزوں سے مدد چاہی اور انگریزوں سے  
امدادی فوج لے کر اپنے وطن کے اور فوج حاصل کی۔ (باغیوں نے) ہماچ جگہ جہڑت  
سے گوالیار کا رخ کیا (معا) یہاں انہیں شکست ناکش ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کم  
داعیوں کا انجام یہ ہوا کہ کہ بد حال و پشورگی کے ساتھ اور مراد پورٹ مار گئے پھری گئے۔ اور  
آخر کار جگہ جگہ دقت و محاربی کے ساتھ ماسے جاتیں گئے۔ ان کے مورخ اور گھوڑوں کو بچہ بچہ  
میدانوں میں زمین پر پڑا ہوا مردہ (دیکھ گئے اور اس گروہ کے ساتھ مسلمان کو گزرا کہ ان میں  
بکرا ہوا ہوتا گئے۔ پھر ہندوستان میں دھند (عظیم دھم) سے ایسا ہلک ہو جانے کا کرکٹل کا ہر گوشہ  
باغ کی طرح سرسبز ہو گا اور ہر وہ گندہ ہالہ کی طرح پُر رونق نظر آئے گی۔

واقف المحدث کی زندگی کے ترخہ سال گزر چکے ہیں۔ ان طرح طرح کے روح فرساتوں کے  
سبب سے ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے سے اور زیادہ فرصت و عمر کی توقع کی ہے۔ لیکن  
مورنگار شیراز (معدی) رحمت اللہ علیہ کے اشعار کو دھرتا ہوں اور میں ایک غم نصیب ہونے  
غم زدہ شخص سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔ ان اشعار کو چھوڑ کر اگر دل کو خوش نہیں کر سکتا ہوں  
تو کم سے کم قید و رنج و غم سے آزاد تو کر ہی لوں گا۔

”اسوس اجمار نے طرہیں دنیا میں مارا پیاری آئیں گی اور چھل کھیں گے۔ جزو سے اور ادنیٰ بدشت  
کے سینے بار بار آئیں گے جب کہیم (قرمیں) خاک ہو چکے ہوں گے۔“

فی الحقیقت یہی بات کو چھپانا آپ کے لوگوں کا طریقہ نہیں ہے۔ یہی غم مسلمان مذہبی باغیوں سے  
آزاد ہوں اور بدنامی و رسوائی کے رنج سے بے نیاز۔ ہمیشہ سے دلت میں صحت و لائقی شراب پینے  
کی عادت تھی۔ لائقی شراب نہیں ملتی تھی تو خند نہیں آتی تھی۔ آج کل جب کہ انگریزی شراب خمر  
میں ہیبت مہلکی ہے اور میں بالکل مخلص ہوں، اگر خدا دوست، خدا شناس، قیامت دیا دل ہمیش  
داس میں شراب قند جو رنگ میں لائقی شراب کے برابر اور پو میں اس سے شہ کہ ہے بیچ کر  
ہفتی دل کو سرد نہ کرتے تو میں زندہ نہیں رہتا۔ اس عالم جگہ کشکی میں مر جاتا۔

نارح سے دل چاہتا تھا کہ کسی طرح میری آرزو پوری ہو جائے کہ زندہ رہوں کہ شراب باب کے  
ایک دوسرا حرف جاتیں۔ دانشمند ہمیش داس نے جو کہ وہ آپ حیات بخش دیا جس کو مسکنہ







یہ بچڑے کھاتے ہوں، ڈرتا ہوں کہ جب کپڑے صاب (پچکار) کھا لوں گا عالم بڑھنگی میں بھوکے سزاوار ہوں۔  
اس قیامت سے بچانے کو کروں میں سے وہ تیرے، تو کہ میرے پاس سے نہیں گئے۔ ان کا بھی پرورش کرنا ہے، انصاف کی بات تو یہ ہے کہ آدمی، آدمی کے بغیر وہ نہیں کھاتا تو کر کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا،  
اس گروہ (ملازمین) کے علاوہ دوسرے ضرورت مند جو ہمیشہ سے مجھے کہہ نہ کہو غائدہ اٹھانے کے  
مادی میں، اس لئے وقت میں بھی اپنی رُوح فرسأ آواز (سوال) سے مدد کی ملنے سے ہنگام سے زیادہ  
تکلیف پہنچاتے ہیں۔

اب جبکہ سماجی تکلیفوں کے دباؤ اور روحانی لذتوں کی گڑبگڑ نے مجھ کو تباہ کر دیا ہے،  
کیا ایک دل میں خیال آیا کہ اس مکتونے کو آواز کرنے میں (جس کا نام تصنیف ہے) کہ ایک مشغول رہا جاسکتا  
ہے۔ یقیناً اس کشمکش کا انجام یا موت ہے یا بیک باگنا۔ پہلی صورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو  
ہو گا کہ یہ داستان ہمیشہ کے لیے انجام و اختتام سے محروم ہے اور پڑھنے والوں کے دلوں کو افسردہ کرے۔  
دوسری صورت میں (یہ بات) ظاہر ہے کہ اس ساری داستان میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا کہ ظان  
گلے سے سربازار و شکار دیگا اور فلاں و دوانے پر کچھ لگے گا۔ پھر یہ باتیں کب تک بیان کی جاسکتی ہیں اور  
پسے آپ کو (کہاں تک) جھوٹا کیا جاسکتا ہے یا قتل کر لیں گے، تب بھی آئینہ (دل) سے رنگ (دماغ) بھان  
نہیں ہو سکے گا۔ (قرضی آواز نہیں ہو گا) اگر نہیں ہی، اس صورت میں شیشہ پتھر سے چور ہو جائے گا (تباہی  
یقینی ہے) اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں چور ہو جائے گا (دونوں) کی آپ و ہوا،  
محبت خود لوگوں کو سدا گز نہیں آتے ہے، یقیناً شہر سے بھاگنا ہو گا اور کئی دوسرے شہر میں رہنا ہو گا۔  
مئی سال گذشتہ سے لے کر جولائی ۱۹۵۸ء تک کی تعداد میں نے لکھی ہے، یکم اگست سے یکم ستمبر  
سے رکھ دیا ہے۔ کاش میری ان تینوں خواہشوں یعنی خطاب، خلعت اور نشن کے اعرا کا حکم شہنشاہ فرید  
محنت کے حضور سے آجائے گا کے متعلق میں نے اس تحریر میں بھی لکھا ہے۔ میری آنکھیں اور میرا دل  
انہیں کی طرف لگا ہوا ہے وہ شہنشاہ کہ چاند ہم کے سر کا تاج ہے، آسمان میں کا تخت ہے، جیشید نشانی  
فریدوں فر، کاؤس مرتبہ، سبھر شکوہ، سکندر شتم، وہ شہنشاہ کشادہ دم اس بات کے لیے اس کا شکر گزار ہے

روحانی حلقہ لای کو دیا۔۔۔ اور وہ اس وقت سوچ رہا ہے کہ آیا (نقشہ ۱۷ جولائی ۱۹۵۸ء)

قریب سو سال بعد تختی ہی کا لکھتے ہیں۔

پیر ایام تنم کو بنا کر لکھا ہے اس لکھنے کی خبر: (۵، نومبر ۱۹۵۹ء)

رواں کے تخت و تاج کی عزت و کئی فرماں دہائے روس کا اہل اس ملک شکر کشی کے خوف سے وہ غم ہے  
آفتاب اس خیال سے کہ (ریا) جہاں سخی اس کی تلاش کا سبب ہے اگر وہ تائیں ہے تو سحر وہ کیوں بر لگا پاتا  
رہتا ہے اور ماہ کال اس اندیشے کے ڈنکا کو مقرر کرنے میں اس کی بڑی کامیابی کا احتمال جیسا کہ اپنی گت فنی کی  
صافی نہیں پایا ہے تو پھر کیوں ہر دات خوف سے گھٹا رہتا ہے :

” وہ مالک تینے و تینیں و علم ہے ۔ وہ شیشاہ سلطنت بخش اور بادشاہ سار ہے ۔ صاحب  
دانش ، فرخ طلعت اور کب تو ہے اس کا رتیرہ تصاف میں نوشیرواں سے ملتا ہے ۔ ہمیشہ کے  
پاس ہو دشمنان علم تھا وہ اس لیے اس کو شناخت سے رکھتا تھا کہ اس ملک انور کے سپرد کر دے ،  
خسرو کی طرف سے تسخیر و زوال اس کے حلقوں فرما نے بغیر زمت اٹھاتے ہوتے ملک کو بطور  
تخت ملے ۔“

وہ تخت (سلیمان) میں کو ہوا اپنے کاندھوں پر لیے جاتی تھی فرشتہ قریبے ملک کے سامنے  
بطور پیشکش پیش کیا ہے ۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ بازاروں میں پتھروں کے جگر سے گوہر رنگا رنگ آندہ ہوتے ہیں سو رنگ کو  
اس کے تاج کا خیال رہتا ہے ، ورنہ اُسے مورتوں سے کیا کام ۔

اگر وہ (مکرو کوئیر) کوئی شے کا ڈاکہ کرے اور تائیں تو کثرت بخشش سے خصلت ہوگی کہ اگر  
کوئی شخص میں مورتوں کو شمار کرنا چاہے گا تو شکر کرے کہ اس کی انگلیاں کس جائیں گی ۔

اس کی فوج کے خوف سے جو لڑائی کے وقت دریاؤں اور پہاڑوں کو تباہ کر دیتی ہے پہاڑوں  
میں ڈوہے اور دریاؤں میں تہنگ سر پہک کر مر جائیں گے ۔

اس کی شان و شوکت کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ اس کے در کے اگلا ہیں ،

اس کی خیار سخی اور کریم ہے دروغ کا طیف ہے کہ یہ سو رنگ روشن ہے اور بادلی میں  
بہتے کی صلاحیت ہے ۔

وہ کریم و نیا میں سے اہل علم و دانش کو نوازیں عطا داتا کی دانشمندی کی برکت سے دوسرے  
لوگ صاحب فرد ہو جاتے ہیں ۔ ان کی سعادۃ حیرت آفرین ہے اور ان کی عقل رسا مای کا نام کلا

عالم و کثور یہ ہے ۔

خدا نے پاک ان کا گھبران رہے (مٹا کرے) ، اس مغل رہستی ، میں ان کا قیام دیر تک ہے ۔

اگر عکس امام کی بخشش سے میں جو مسائل کروں گا تو اس کو تیار سے کام نہیں جانا دے گا:  
 ”جب بات یہاں تک پہنچی تو میں خاموش ہو گیا۔ میں دانستہ کہنا نہیں چاہتا ہوں۔“  
 مکمل ہونے کے بعد اس کتاب کا نام ”سبوت“ رکھا گیا (یہ کتاب) لوگوں کو دی گئی اور ادھر ادھر چھٹی گئی  
 تاکہ صاحبِ اہل علم و دانش کی رُوح کو تسکین بخشنے اور دانش پر باز راخذا نہ نکارش پر، غریبہ ہو جائیں امید  
 ہے کہ یہ مجبور دانش (دستجو) انصاف پسند لوگوں کے ہاتھوں میں گلاستہ پڑے رنگ و بو ہو گا اور شیطان  
 فطرت لوگوں کی نگاہوں میں آتشیں گیندہ آئین ہے۔

”ہماری طبیعت جو ہمیشہ رواں رہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم باز رہتے آسانی کا سرچشمہ ہیں۔ یہ کتاب  
 دساتیر ہی کا ایک حصہ ہے اس کا ردائی کے لحاظ سے (گویا) ہم ساسان ششم ہیں۔“

"دستبرد" اور "ملاو" سے بدلہ میں غائب کی ایک قسم ہے۔  
 چہنچہ معلوم ہوا دیوان کے دیکھنی نہ کھینچنی میں آجکو اختیار ہے مگر یہ چار جزو کا رسالہ ہے  
 اب یہاں ہی اسکا دیکھنا ضرور درکار ہے قاری کے قدیم اور پرشمن سے اور صنعت الفاظ اور  
 ہر امر کے اختیار اور ہر بات کا لفظ جناب کا عرفہ معاملہ ہے خدا کا شکر ہے اور انہی قسم کا  
 ہے خدا کا شکر ہے کہ باوجود تعلق قلم کے طبع کے جرم کا بہ نسبت برائیاں ہی نہیں قسم کا  
 لکھ رہا کہ عین قدیم کا حکام کو خیال ہی نہیں یہ تو برکت انیسواں صہنا ہی گویا  
 بن کہاں ہی صہنا ہی کہتی ہیں کہ جنہو شروع سال میں پسند دارد تو کو یہ دیکھا دیکھنی کہا گیا  
 کل کہیں کا پہلی نو مبر کو یہاں اشتہار کام ہو گیا ہے کہ اب قلم و ہندوستان میں کل کے نظر  
 عابقت ہو گیا ہے میں پہلی سے مدعو نہیں اپنا نام لکھو آجکا ہوں اور تو دوسرے دور میں  
 نو سارے ملک پہنچا ہوں اگر اس امالی کو بہ تفصیل معلوم کیا جائی تو اس کتاب کو سوم  
 پرستی میں دیکھا جائی ہو گا۔ لکھتے ہوئے دیکھتے ہوئے ہر قسم کا

زانیکا رنگ اور کوئے حاکم کوئے سکر تر میرا آشنا نہیں ہر سر میرا قدر دان  
 اذ منتن جس کا وہ بہر چھپ سکر تر زہر لغشت گورنہ ہو گئی وہ سکر تر  
 تو مجھ کچھ غم نہ تھا ایک بین اپنی کو یہ نہیں سمجھا ہر بیگناہ ہمیں یاں ہمار  
 مقبول ہوں یا مرد مانا کہ کوئے خیر خواہ نہیں کے خوشی انعام کا سخی ہو  
 لیکن کوئے ہونے کے بہر سر زدن نہیں ہو جو دستور قدیم کو برہم کرے ہر حال  
 نشوونما میں ہر راہ چارہ سدود اور دیکھ جو جو عین خوب کتا ہے وہ را  
 زمانہ عطا زدست بستہ و تنغ زند بفرم دگو یہ ان سر ز غار  
 مرقومہ صبح یکشنبہ ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء

مؤثر اور اثرات مند ماہیہ



• ہندوستان کا قرو ہے چراغ ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے، جو زندہ ہیں ان میں  
سیکڑوں گرفتار بنو رہے ہیں — جو زندہ ہے، اسی میں نقد و نہیں۔<sup>۴</sup>  
غالب، بنام کشمیر ناٹک آڈام، ۱۹۔ اپریل ۱۸۵۹ء







"ذکاٹ ہے ، ڈنگٹ ہے ۔ اگلے خانوں میں سے ایک پر تک غلط پڑا ہے ۔ کب سے یہ کاغذ چھڑا کر تم کو خود کھتا ہوں اور پر تک غلطی میں پیٹھ کو کھینچا ہوں ، غلطی نہ ہوں۔ کل شام کو کچھ فرق ، کہیں سے پہنچ گئی ہے ، آج کاغذ اور ڈنگٹ کہیں سے منگائوں گا ۔"

(مجموعہ ۱ ، ص ۸۰ - فروری ۱۸۵۹ء)

"جستہ ہر کر مئی کا بندہ تھوں ۔ اُس کی تم کہیں جھوٹ نہیں کہتا ۔ اس وقت توڑ کے پاس ایک ہی سات تھے باقی ہیں ۔ بھڑاس کے ذکیس سے فرق کی امید ، ذکاٹ کی جنس دہی دیتے کے قابل ۔ اگر راجپوت سے کہنا تو خیر ، سنہ ۱۸۵۹ء کا لکھنؤ داغ دیا ہے ۔"

(۱۸ ستمبر ۱۸۵۹ء - ۱۵ - جولائی ۱۸۵۹ء)

"۱۸۵۵ء میں خواب بے سمت علی شاہ پلہ والی راجپوت کو میرے آشنا سے قہیم میں ، اس سال ۱۸۵۵ء میں ، میرے تنگدوست تھے ، ناظم اُن کی گفتگو دیا گیا ۔ میں یہی غزلیں اُن کو کہتی تھی ، میں اس وقت دس کر بیچ رہا تھا ۔ گاہ کہ مدد پر اُدھر سے آتا تھا ، قہیم کی تفرقہ جلدی ، انگریزی پسند کھڑا تھا ، اُن کے مصلحتاً فرقہ گئے جلتے تھے ۔ جب وہ دونوں تفرقہ جاتی رہیں تو زندگی کا حار اُن کے پیچھے رہا ۔"

(خواب غلام فرحت جعفری ، ص ۳۱۸ - ۳۱۹)

"بغیر وفادار کے ہاتھوں میں قہیم کی آمد مشہور ۔ انگریزی پسند مسدود ۔ یہ نیکوکار ادائی راجپوت ، دو مشہور ، بداد اور فرقہ گاہ گاہ جھپٹا رہا ، تب میری اور میرے ساتھیوں کی زیست بگڑی ۔"

(میاں داد شاہ سیکس ، ص ۳۰ - جولائی ۱۸۶۰ء)

"خاص ، اپنا ڈنگ دتا ہوں ، ایک دہی ، دو بچے ، تین ہزار آدمی لکھ کے ۔ کھڑا ، کھینچا ، ایا ۔ یہ ہمارے ہادی کی جھڑپ سے مشہور ، گرا ہادی مڑ پڑا ہے ۔ میں گھٹ گئے ، اُسے سینے پر سے لگے کہ جو کا مڑا ہوں ۔ اچھا سانی ، تم بھی رہو ۔ ایک بچے کی آغوشیں ، میں آدمی روٹی کھا رہا تھا مڑ پڑا ۔ مقام معلوم راجپوت اسے کہہ آئے جاتا ہے ۔ وہ بھڑا سودا کرتی ہے ۔ صحت نہ ہے ۔ اُن دنوں میں فرصت کا سہ سے کم ہوتی ہے ۔ بیش ایک ٹکڑا پارسی جاتی ہے ۔ آدمی بول ، اور نہیں



ایسی مقام حکمرانست کہ بہترین فریدی خدمت از راہ بیہ سنگاری است ، و قدیرہ انکس و اس  
جہان چنگاری است ۔  
(ازاب پرصفت علی خاں ، ۳۰ - ۱ - جنوری ۱۹۵۵ء)

• میں خوب شاعر ، دس برس سے مکاریں لکھتا ہوں ، شعر کہی ، اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں ۔ خواہ اس کو  
لو کہی کہجو ، خواہی مزدوری جانو ۔ اس فقرہ و آثر یہ کیا کسی مصطلحت میں ، میں نے دخل نہیں دیا ،  
صرف اشارہ کی خدمت بجا آتا اور نظریاتی ہے گناہی پر شعر سے نکل نہیں گیا ۔ میرا شعر میں ہونا  
مکالم کو سلوٹم ہے گو کہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا غزلیوں کے بیان سے کوئی بات نہیں  
پائی گئی ، لہذا میں نہیں ہوتی ، ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیردار بٹائے جوتے یا پکڑتے جوتے آتے  
میں ۔ میری کیا حقیقت تھی ۔  
(آفتہ ، ۵ - دسمبر ۱۹۵۵ء)

• حقیقت حال ، اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اب تک جتا ہوں ، جاگ نہیں گیا ، نکلا نہیں گیا ،  
نہا نہیں ، کسی جگہ میں اب تک بلایا نہیں گیا ، صرف باز پرس میں نہیں آیا ۔ آجندہ دیکھئے کیا  
ہوتا ہے ؟  
(غلام نبھت خاں ، ۲۱ - دسمبر ۱۹۵۵ء)

• بھائی ! میرا خیال ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں بلکہ کسی نمونے پر نصبت میرے  
کوئی طرز و خواہی کی نہیں دی ۔ مکالم وقت میرا ہونا شعر میں جانتے ہیں ۔ فرادی نہیں ہوں ، سچ  
نہیں جوں ، بلایا نہیں گیا ، وارہ گیرے محفوظ ہوں ۔ کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جائیگی ۔ مگر  
اں ، جیسا کہ بلایا نہیں گیا ، خود بھی ہوسکے کار نہیں دیا ۔ کسی حاکم کو نہیں دیا ، خط کسی کو نہیں لکھا ،  
کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی ۔  
(آفتہ ، ۳۱ - جنوری ۱۹۵۵ء)

• میرا حال بدتر ہے ، دیکھیے خدا کو کیا منظور ہے ؟ حاکم الیکٹرک اسے آکر کوئی نیا بندوبست جاری  
نہیں کیا ۔ یہ صاحب ، میرے آئلے قدیم ہیں مگر میں دل نہیں سکھتا ، خط بھیج دیا ہے ، ہنر کہہ چاہ  
نہیں کا ۔  
(آفتہ ، ۵ - اپریل ۱۹۵۵ء)

• میں مفتی نہیں ہوں ، دلچسپی نہیں ہوں ، مکالم جانتے ہیں کہ یہاں ہے ۔ مگر نہ باز پرس ، دلچسپی

میں لایا ہوں ، نہ خود اپنی طرف سے قصد ملاقات کیا ہے ، میں امر ایسی بھی نہیں ہوں ، دیکھیے  
انجام کار کیا ہے ؟ ( مجروح ۲۰ ، فروری ۱۹۵۵ء )

”جہاں تیری آہنی ہے ، انجام اپنا نظر نہیں آتا۔“ ( نقشب ۳۰ ، فروری ۱۹۵۵ء )

”میرا حال بدستور ہے ، نہ قید کامیابی ، نہ غیب ، اُمید ہی۔“ ( نقشب ۱۰ ، اپریل ۱۹۵۵ء )

”میں نے زن و فرزند ، ہر وقت ، اسی ظلم میں تلخ خون کا شہور دیا ہوں ، مردانے سے باہر قدم  
نہیں نکھا ، نہ پکڑا گیا ، نہ لگا لگا گیا ، نہ قید نہ رہا ، نہ مارا گیا۔“  
( مجروح ۱۰ ، فروری ۱۹۵۵ء )

”میں ۱۹۵۵ء سے نہیں نہیں پلا ، کو یہ دس بیٹے کیوں کر گڑھے میں لگے ؟ انجام کہہ نظر نہیں  
آتا تو کیا ہوگا ؟ زندہ ہوں ، مگر زندگی وہاں ہے۔“  
( نقشب ۱۰ ، ۳۱ ، جنوری ۱۹۵۵ء )

”کیا نہیں اور کہاں اس کا بلنا ، یہاں جان کے واسطے پڑے ہیں۔  
ہے مجبوری ، ایک تلخ خون کا قریبی ہو !  
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے ؟  
”مگر زندگی ہے اور میں نہیں لگے تو کہاں کی جتنے گی۔“

( مجروح ۱۰ ، فروری ۱۹۵۵ء )

”یہ خدا کا حکم ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا کچھ شراب فدا میں پلا نہیں گیا اور میں حکام کے نزدیک  
میں تک پاک نہیں کہ پسین کی کھینٹ طلب ہوئی ہے اور میری کھینٹ کا ذکر نہیں ہے۔ یعنی سب  
جانتے ہیں کہ اس کو ۱۹۵۵ء کے جنگلے سے لگاؤ نہ تھا۔“

( نقشب ۱۲ ، مارچ ۱۹۵۵ء )

”خدا کو شکر، یہ کہ پادشہ و بقیہ قہر، کسی طرح کے جرم کا بہ نسبت میرے احتمال بھی نہیں ہے۔“  
(نواب حسن علی خاں، ص ۷۰، فروری ۱۸۵۸ء)

”پنشن کی درخواست دے رکھی ہے۔ یہ شرط براہِ ہی پروا کیا گنہگار ہوگا؟ ان دو باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ میری صفائی اور سب گناہی کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ مہینہ قبل مہرام، آپسے دلفندہ ہوگا۔“  
(غلام نبھت خاں، اپریل ۱۸۵۸ء)

”جن کو صاحبِ فرشی کشتہ بننا چاہتا تھا، موت اتنا ہی بڑھا کر ”خدا“ میں تم کہاں تھے؟ ہو سکتا  
ہوا، وہ کہا گیا۔ ”د ایک خط آمد و ولادت میں نے پڑھائے۔ تفصیل کہہ نہیں سکتا۔ آغاز و ادا  
ہے پنشن کا بہال، بہ قرار دینا مسلم ہوتا ہے۔“  
(غلام نبھت خاں، جولائی ۱۸۵۸ء)

”پنشن اگر چھٹے گا، لیکن دیکھیے کب بے گا؟ اس کے لئے حکم کیا ہوگا اور اس کے لئے سے  
پیر کیا کام نکلے گا؟ قطعاً نگرانِ امور سے، اس وہ قلیل کر کسی بقیہ میں بیٹہ کر کہاں گا؟  
شر، اب شہر نہیں، قمر ہے۔“  
(غلام نبھت خاں (۲)، ۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء)

”بعض لوگ یہ گناہ کہتے ہیں کہ اس پینشن میں پنشن کی تقسیم کا حکم آچلے گا۔ دیکھیے کہ آتے ہے یا  
نہیں؟ اگر آتے ہے تو میں سنہوں میں ہوں یا غریبوں میں؟“  
(ایسٹ میرزا، ص ۷۱، جولائی ۱۸۵۹ء)

”بڑا اچھا کہ گنہگار نہیں تھا۔“  
(چند مرید علی غفور مرزا، فروری اپریل ۱۸۵۹ء)

”گنہگار نہ تھا، گولی یا پھانسی سے نہ تھا، اس بات پر کہ میں بے گناہ ہوں، عقیدہ اور مشغول شغل  
ہے آپ لپکا گواہ ہوں۔“  
(خواجہ غلام غوث بے غمرا، ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء)

امیرا حال ، تو یکسو دھری تراکی کی چسپ — ۱ جزا ، نہ سزا ، نہ نفی ، نہ آفری ، نہ  
صل ، نہ ظلم ، نہ نصرت ، نہ قهر — " (تفصیل ، ۵ نومبر ۱۸۵۹ء)

"دیار میں جلا تھا ، غلبت ناخروہ پاتا تھا ، وہ صدمت اب نفوس آتی ، نہ قبول ہوں ، نہ مردود چلے  
دنگہ گار ہوں ، نہ غمزد ، نہ غمزد — " (ایسٹ میرزا ، ۲۸ نومبر ۱۸۵۹ء)

"میرا دربار اور خلعت ، دریا بڑھ چو گیا ، نہ جس کی توقع ، نہ دربار اور خلعت کی صدمت ، نہ جزا ،  
نہ سزا ، نہ انعام ، نہ رسم مولیٰ قہر — " (عینی میرزا ، ۱۶ دسمبر ۱۸۵۹ء)

"اب تک میں اپنے گریہ میں نہ بھگا کرے گناہ ہوں یا گنہگار ، مقبول ہوں یا مردود ، مانا کر گئی  
غیر خواہی نہیں کی ، ہونے انعام کا مستحق ہوں ، لیکن کوئی بدلہ دنان میں سرزد نہیں ہوتی جو کستورہ قیوم  
کو برہم ملے — " (غلاب ایسٹ جلی خاں ، ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء)

"ننانا کی کے مرنے کا ذکر کیوں کہتے ہو ؟ وہ اپنی اہل سے موسے ہیں ، بزرگوں کا مرنا اپنی آدم  
کی میراث ہے ، کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس حد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے ؟"  
(ایسٹ میرزا ، جون ۱۸۵۹ء)

"میں کروں کیا ؟ فی الحال وہ وہاں معنی کار ، حال ہے جو ہندوستان کا خدا کے بند ہو گیا ، بھلا  
جاننے نہیں ، علماء ، اہل علم ، نہیں کہتے — " (جنرل ، ۸ مئی ۱۸۶۴ء)

"امیرا ، حال یہ سبیل احوال ہے کہ سیاست سے محروم ہوں اور حکام کی عزت سے محروم ہوں۔  
بددعا کا داغ نہیں لگا ہے — " (امجد حسن عرش ، ۱۸۶۰ء)

"میرا دکھ سنو ، بھگا نہیں ، پڑا نہیں گیا ، دفتر خدا سے کوئی میرا کا خدا نہیں نکلا ، کسی طرح کی

یہ خیال، ملک حواری کا اختیار ہونے کو نہیں لگا۔ یہاں ایک اخبار جو گوری شکل یا گوری ویاں سے  
کرتی اور، نذر کے دنوں میں بھیجتا تھا۔ اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی لکھی کہ غلامی یا بیخ و برباد  
خاں غالب نے یہ سزا کہ کر گزرائی۔

ہر روز دوسرے کھڑکھڑائی

سراج المہرین ہمارے شاہ ثانی

مجھ سے سزا ملاقات صاحب کشمیر نے یہ کہا کہ یہ کیا کھٹک ہے؟ میں نے کہا غلامی کھٹک ہے۔ باجنا  
شاہ، بادشاہ کے بیٹے شاہ، بادشاہ کے رزگشاہ۔ خدا جانے کس نے کہا۔ اخبار نویس نے یہ نام لکھ  
دیا۔ اگر میں نے کہ گزرائی تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا گزرا اور آپ کو چاہیے حکم جس قدر  
خاں سے پہنچے۔ اس وقت تو چچا کا ہوا۔ اب جو اس کی بدل ہوئی تو جلتے سے دو جتنے پہلے ایک  
غلامی دو بیکاری لکھی کہ یہ جو سزا خاں غلامی کے حکم میں کیا مشہور ہے، اس سے کہہ نہیں سکتا۔ یہ  
شخص باؤسٹہ کا ذکر تھا اور اس کا سزا لکھا۔ ہمارے نزدیک ہنس دینے کا حق نہیں ہے۔

(حسین میرزا، ۱۸۔ جون ۱۸۵۹ء)

• جانی، یہاں منشی میر محمد حسین ولد میر روشن علی خاں نے مجھ سے کہا کہ حضرت! صاحب ہمارے شاہ  
تفت پر بیٹھے ہیں، تو میں حیرت آباد میں تھا، وہاں میں نے یہ سزا سنائی۔ ان کے کہنے سے مجھے  
باز آکر مولوی محمد باقر نے خبر دہات اکبر شاہ دہلوی ہمارے شاہ جہاں پھولی تھی، وہاں اس کے کا  
گزارہ فوق کی طرف سے چھاپا تھا اور جس ہمارے شاہ اکبر کے سینے ۱۸۳۷ء یا ۱۸۳۸ء میں واقع  
ہوا ہے۔ بعض صاحب اخبار جمع رکھتے تھے۔ اگر وہاں کہیں اس کو سزا دے گئے اور وہ پچھ آخیر اہل بیہوش  
مجھ کو سبب از گئے تو بڑا کام کرو گے۔ میں نے اکبر آباد و فرخ آباد و مارہروہ و میرٹھ اپنے احباب کو لکھا ہے۔  
اب تم کو بھی لکھا ہے۔ ایک کامیابی کو لکھنا باقی ہے۔ وہ میں کل پر سوں لکھوں گا۔ اکبر آباد میرزا کسب  
۱۸۳۷ء یا ۱۸۳۸ء میں مینوں کے بارہ پچ اخبار لکھے جائیں۔

(حسین میرزا، ۱۸۔ جون ۱۸۵۹ء)

• جناب چودہری صاحب! آج کا خدا کا سزا گزائی ہے۔ یعنی تم سے کہہ دیتا ہوں۔ تفصیل یہ  
کہ محمد باقر دہلوی کے مطبع سے ایک اخبار ہر پچھنے میں چار بار نکلا کرتا تھا، سستی بہ "دلی اردو اخبار"



اس سانس نبی دینی کے اندر ہی کر لیا کرتے ہیں۔ اگر مولانا آپ کے پاس آپ کے دست  
 نے اور میں ہوتے چھ آیتوں میں آکٹوبر ۱۸۳۷ء سے دو ہزار پچھتے آگے کے اوراق دیکھ جائیں ،  
 جس میں ہلر شاہ کی تحت نشین کا ذکر اور یہاں ذوق کے نوٹ کے ان کے نام کہ کر ذکر کرنے کا ذکر  
 شمس ۱۰۰۰ ہے تلفظ وہ اندر چلے گا اصل بکشمیر میرے پاس دیکھ دیجیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ  
 آکٹوبر کی ساتویں آکٹوبر کی تاریخ ۱۸۳۷ء میں یہ تحت پر بیٹھے ہیں اور ذوق نے اس بیٹھے کے ہر کتے  
 کہ کر ذکر کرنے ہیں۔ امتیازی پانچ بیٹھے ملک کے انبار دیکھ لے جائیں۔ یہاں تک میری طرف  
 سے ابرام احمد ہے کہ اگر میں کسی اور شریں کوئی آپ کا دست جانیں ہزار آپ کو اس پر ہم  
 ہر آواز سے مٹا دیجیے۔ —

۱۸۳۷ء جون ۱۸۳۷ء

”وہ تو ہی اندر اندر“ کا پرچہ اگر ہی چلے تو بہت شریف مطلب ہے ، وہ خیر کے عمل و خیر میں ہے  
 حلقہ صمدی میں اتنی پر غور کریں گے۔ میں نے سنا کہ میں ، اگر کا تو میں جان و عزت پرانے کو کہ  
 ۱۰ گاہ نہیں۔ اگر گاہ میں ہے تو کیا ایسا ممکن ہے کہ کو شرف کا اشتہار میں اس کو نہ بٹانے ، یہاں  
 گورنر کا بار و بٹانا اور قریب لگائی اور چنگ گرا اور میگزین کا کوٹنا صاف ہو جاتے اور شاعر  
 کے در صرح صفت نہ ہوں ؟ ہاں صاحب ، گورنر کا جہیز وہ گاہ ہے اور شاہ کا صاحب  
 جانب دار نہیں۔ —

(۱۰ صحت میرزا ، جون ۱۸۳۷ء)

”مکے کا در قمر پر ایسا چلا پیچے کوئی پھرایا کوئی گزرت۔ کسی سے کون ؟ کسی کا گورنر اور ؟ یہ دونوں  
 کتے ایک وقت میں کے گئے ہیں ، یعنی جب ہلر شاہ تحت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دو کتے کہ کر  
 گزرنے۔ بادشاہ نے پند کیے۔ مولوی محمد باقر جو ذوق کے مستقرب میں تھے ، انہوں نے وہی اور غبار  
 میں یہ دونوں کتے چلا دیے۔ اس سے علاوہ اب ایک اور لوگ موجود ہیں کہ انہوں نے اس نطفے  
 میں شمشاد آباد اور لکھنے میں یہ لکھنے میں اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں کتے سرکار کے نزدیک  
 میرے کے ہوتے اور گزرنے ہوتے ثابت ہوتے ہیں۔ میں نے ہر چند قلم و ہند میں وہی اندر اندر  
 کا پرچہ کوٹنا ، کہیں باقر نہ آیا۔ یہ دھبہ میرے رہا۔ میں ہی گئی اور وہ ریاست کا نام و نشان غلط

”مکے“ لیکن اگر یہ پرچہ دستیاب ہو جاتے تو میں ، ان کے مستند مطلب نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن کو اگر اہم قوت میں  
 آتی ہے۔

نہ ہر بھی مٹا۔ خیر، کچھ غما، جو کہ سوانح ضلے اچھے کے ہے، اس کا لوگیا۔  
 ہر جن جن پر مستردان دلاست  
 بیدار نمود آئینہ با آئین دہست

(صاحب عالم لکھنوی، ۱۸۵۹ء)

آپ نے خود کہا اور میرا حال پوچھا، یہ چش، حکم، نشر کارکتی ہے۔ اب دگر قوم کا خزانہ پشانی بکھرتا  
 افرام غلام غوث ہے خیر لہجہ ۱۸۵۹ء

گورنر اعظم نے میری مدد پر حکم دیا، صاحب کشر سادہ دہلے سات جاگیرداروں میں سے جو میں  
 بقیرہ انیس تھے، اٹھواں، دسواں اور لہاں، ان کو حکم دیا اور دربار عام میں سے سوائے میرے کوئی  
 نہ تھا یا چند سامی، کہہ کر کوئی کلمہ نہ پڑھا۔ وہ میں نے اسے مائی تو صاحب حکم اب نہیں ہو سکتا جب  
 یہ سب میں خیم غلام گورنری ہوئی، میں اپنی دولت تو میرے کے مطابق خیر گاہ میرے ہیہ (دیر خشی) سلطانہ گورنری  
 خان صاحب ہارو سے جو۔ چین کو تھوڑا ہارو کو اطلاع کی۔ جواب آیا کہ درست نہیں۔ میں بھی کو اس

(صوفی جگہ آگے) غالب کو اس کا حکم نہ ہو سکا، یہ سکا، ذوق کا کیا ہوا تھا ہی نہیں۔ اس لیے پہلے ہی چھ  
 جب بھی سکا ان میں موجود نہیں تھا۔ ہر حال اس میں شک نہیں کہ خیر دگر کی ششکر کا یہ اعلان صوفی کو  
 تھا۔ ذہ سکا میرا نہ لکھا تھا، نہ انہوں نے ہارو شاہ ظفر کے سلسلے پیش کیا بلکہ یہ سکا میرا کہ صادق صاحب دہلہ  
 کی شہادت ۱۳۔ نوی مئی ۱۲۵۳ء ۱۲۔ مئی ۱۲۵۳ء سے میں ہے، حافظ غلام شری دیوان (دکھن ذوق) نے  
 کہا تھا۔  
 ایک حکام، دگر غالب، صبح چلا، دہلی ۱۲۶۴ء (مئی ۱۳)

غالب کی طرف پر سکا ضرب کیا گیا تھا، وہ ذوق کا نہیں، بلکہ ذوق کے شاگرد حافظ دیوان کا تھا، جو  
 انہوں نے ۱۲۵۳ء کی شہادت شریج ہرنے کے بعد کا تھا اور یہ سکا دیوان کے صادق اعلان میں سکا نے کے خزانہ  
 سے تاج ہوا تھا۔... (صادق حشر، ۱۔ دی شہ۔ ۱۲۵۳ء) بخیر ان کا خیر آفت انشا (نئی دہلی) میں آفت  
 کی دہستہ دہری میں جو خبروں کے غلو ہیں، ان میں سے یک ہو گرا، خیر نے میں سکا میرا غالب سے  
 ضرب کیا ہے۔ غالب اس خوک بنا پر غلب پر سکا لکھ کا انام لگا تھا۔

(صوفی صوفی، غالب اور اہل کلام، دہلی ۱۹۶۹ء ص ۱۵۹)

وقت فرصت نہیں، دوسرے دن چر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایتم بندہ میں تم انھوں سے  
 انصاف رکھتے تھے، اب گرفتار سے کہیں مٹا چاہتے ہو؟ اُس دن چلا آیا، دوسرے دن میں نے  
 انگریزی عدالت کے نام کا کلمہ کہہ کر، اُن کو بھیجا، مضمون یہ کہ انھوں سے میرا انصاف منگنے کا حق ہے،  
 امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہو تاکہ میری صفائی اور بے گناہی ثابت ہو۔ یہاں کے مقامات پر  
 جواب نہ ہوا۔ اب اب گزشتہ یعنی فروری میں پنجاب کے ٹکس سے جواب آیا کہ لاڈ صاحب بہادر  
 فرماتے ہیں کہ ہم تحقیقات دیکر جواب دیں گے۔ پس یہ مقدمہ ٹلے ہوا۔ دہلی و خلعت موقوف، اپنی مرضی  
 دہرنا معلوم۔ لاہور لاٹھ والا ٹرانی الوجود لا اللہ۔

(خواجہ غلام غوث بے خبر، مارچ ۱۸۹۰ء)

۱۸۹۰ء میں لاڈ صاحب بہادر نے میرٹھ میں دوبار کیا۔ صاحب کشن بہادر دلی، اہلی دلی کو ساتھ  
 لے گئے۔ میں نے کہا میں بھی جوں آؤں گا کہ نہیں: جب حکمران میرٹھ سے دلی میں آیا، موافق اپنے  
 دستور کے، دو دفعہ دودھ شکر پیہم میں گیا۔ میرٹھ میں صاحب سے ۵۰۰ اُن کے بیٹے میں سے اپنے نام کاٹن  
 صاحب مکڑی بہادر کے پاس بھیجا، جواب آیا کہ تم خد کے دروں میں بادشاہ باقی کو خوشامد کیا کرتے تھے،  
 اب گرفتار سے مٹا منظر نہیں۔ میں گرتے میرٹھ۔ اس حکم پر میرٹھ نہ ہوا۔ جب لاڈ صاحب  
 بہادر نکلتے پہنچے۔ میں نے عقیدہ صاحب مول قریب بھیج دیا، مع اس حکم کے وہیں آیا کہ اب یہ چیزیں  
 ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں ایسے جو کہ جیٹور لاہور حکام شہر سے غارت کیا۔

(خواجہ غلام غوث بے خبر، مارچ ۱۸۹۳ء)

دوبار لاڈ صاحب کا میرٹھ میں ہوا۔ دلی کے علاقے کے جاگیردار، برہمہ حکم کشن دلی، میرٹھ کے  
 موافق دستور قدیم مل لگئے۔ غرض کہ پینشن ۲۹۔ و میرٹھ کا پروانہ چٹھے لاڈ صاحب یہاں پہنچے  
 کاہلی دودھانہ کی تفصیل کے سے ڈیڑھ بڑے۔ اسی وقت قریب کی آمادہ نشینی میں مول برکات  
 میرٹھ میں ۵۰۰ اُن کے بیٹے میں چٹھہ صاحب مکڑی کو خبر کر دانی، جواب آیا کہ فرصت نہیں، اب جواب  
 نہیں کہ کوئٹہ کی پٹ پٹا ہندو کہے آیا۔

۱۔ مارچ، یکم جنوری ۹۰

پرنسپل (پرنسپل) ۲۵۔ دسمبر ۱۸۵۹ء) پر وہن چڑھے اور ڈی صاحب کا ٹکڑا کالی دوانے ر  
 خیل کے قریب، جہول شاہ کی قبر کے ملنے، خیر خاص پہنچا اور باقی ٹکڑےیں بڑائی، صاحب  
 انوکھے۔ (۱)۔... ٹکڑا کر گیا۔ پرنسپل سے ۵۔ ان کے خے میں جیٹہ کے صاحب مکرتر ہلور کا اطلاع  
 کردانی، چیرا سی کے ساتھ تقریبی گیا۔ جواب آیا کہ ہمارا مقام دو لوگوں کو فرحت نہیں ہے۔ غیر میں اپنے  
 گھڑا، کل چیر گیا، مکرر دانی، حکم ہوا کہ خدا کے نالے میں تم! انہوں کی خوشا کرتے رہتے تھے باب  
 ہم سے مانگیں مانگتے ہو؟ عالم نظر میں تیرہ دنا، چر گیا، یہ جواب پیام فرمیدہا دیتے ہے۔ نہ دیا  
 روخصت، نہ چس۔ آثار دانا الیہ راہمون ؑ

(مسیح میرزا، ۳۱، دسمبر ۱۸۵۹ء)

۲۰۔ مسلمان، صاحب کشتر ہلور دانی یعنی جناب، ساڈس صاحب ہمارے لکھ کر ۵۰ یا پنجشہ  
 ۲۳۔ فروری کی میں گیا۔ صاحب شکر کو سوار ہو گئے تھے۔ میں آٹا چیر کر ۲۵۔ فروری کو گیا، شکر  
 ہوائی، کسی دی۔ بعد پرنسپل مزاج کے ایک خط انگریزی چار دانی کا انکار پڑھتے ہے وہ جب  
 پڑھ لکھے تو خیر سے کہا کہ یہ خط ہے میکرو صاحب، عالم اکبر صد بود پڑ پڑ جناب کا۔ تہا وہ باب  
 میں لکھتے ہیں کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو، سو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم کو مسئلہ نصرت  
 کیا مانگتے ہو؟ حقیقت کہی گئی۔ ایک کاغذ آئندہ ولایت لے گیا تھا، وہ پڑھا دیا۔ پھر بجا تم  
 نے کتاب کیسی لکھی ہے؟ اس کی حقیقت، بیاں کی۔ کہا: "ایک میکرو صاحب نے دیکھنے کو  
 مانگ ہے اور ایک ہم کو دو"۔ میں نے عرض کیا: "کل حاضر کر دوں گا"۔ پھر چین کا حال پوچھا، وہ  
 گزارش کیا۔ اپنے گھڑا اور خرس آیا۔

دیکھو میر ہدی، عالم جناب کو مقدمہ ولایت کی کیا خبر؟ کہا توں سے کیا اطلاع؟ چس کی  
 پرنسپل سے کیا دعا؟ یہ استفادہ ہم زراب گورنر جنرل ہمارا ہوا ہے۔ یہ صورت مقدمہ فتح  
 و فروری ہے۔ عرض کہ دوسرے دن ایک شیر عوم تسلیم تھا، میں اپنے گھڑا، دو شنبہ ۱۸ فروری  
 کو گیا۔ اہر کے کمرے میں جیٹہ کے اطلاع کردانی۔ کہا: "آجھا وقت کو"۔ بعد تھوڑی دیر کے  
 اہر لکھے میں نے کہا: "کہ کتاب میں حاضر ہیں؟" کہا: "مشتی جیون لال کو سے ہاؤ۔"۔۔۔  
 شنبہ یکم مارچ کو چر گیا، بہت اشقات اور اختلاف سے باتیں کرتے رہے۔ پھر شریلیک گورنر  
 کے ساتھ لے گیا تھا، وہ دیکھائے۔ ایک خط میکرو صاحب ہمارے نام کا لے گیا تھا، وہ دیکر

۱۔ استغاکر کتاب کے ساتھ یہ بھی بھیجا ہونے بہت اچھا : کہ کر دکھایا۔ پھر نئے کما کر مہر  
تساری پٹن کے باب میں امروٹی صاحب ہمارا اجڑیٹ دئی، کہ کچھ کھانچے، تم ایسی ہو۔ حو  
کیا، جیستر؟ امروٹی صاحب ہمارے... گئے ہوتے تھے، اکی دو آئے۔ آج نہیں آئے، ان کو خط  
لکھا ہے۔ جیساں حکم دیں گے، اس کے موافق کروں گا۔ جب پٹنیں گے، تب جانے گا۔  
دیکھو تیرا، اسد افغاناب میرا حکم کی مدد کر، کہ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا۔  
ایس جینے تک جو کچھ بچا بھی نہ رہتا۔ ہر کس کے سے کہ وہ آج سلطنت کا دہندہ ہے،  
میرے نقد کا حکم بھرا۔ حکام سے مجھ کو عزت دلوائی۔ میرے صبر و شہادت کی مدد دی۔ صبر و شہادت  
جی انہی کا پیشہ برا تھا۔ میں کیا اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا؟

(امروٹ، مارچ ۱۸۵۹ء)

۲۔ راہ درج مراست، حکام عالی مقام سے بدستور جاری ہو گئی ہے۔

(چندوہری محمد انصاف مسرور، اپریل ۱۸۶۰ء)

۳۔ دلی کے سب چیس دادوں کو مئی ۵۵-۵۶ء سے چیس نہیں لایا۔ یہ فوری ۵۹-۶۰ء اور انیسواں سینہ  
ہے۔ چند اشخاص کو انیس سینے میں سال بھر کا دیر لہری مدد فرج دی گیا۔ آتی پڑے ہوئے  
دوپے کے باب میں اور اکبر ۵۵-۵۶ء کے دھن کے واسطے ایسی کہ حکم نہیں ہوا۔۔۔ علی بخش خاں جیساں  
دوپے سینہ ہاتھ تھے۔ انیس سینے کے گیارہ سو روپے جوتے ہیں، ان کو چھ سو روپے دی گیا، باقی  
دوپے چھارہ، آئندہ دھن میں کہ کلام نہیں۔ غلام حسن خاں سو روپے جیسے کا چیس دار۔ انیس سینے  
کے انیس سو روپے جوتے ہیں، اس کو بارہ سو روپے تھے۔ دلیاں کشن دل کا ڈیڑھ سو روپے سینہ،  
انیس سینے کے تین ہزار تین سو روپے ہیں، اس کو اٹھارہ سو روپے تھے۔ سنا جہاں دلی دس روپے  
کا کتوبر، سال بھر کے ایک سو ہیں لے آیا۔ اسی طرح چند، سولہ آدمیوں کو ملا ہے۔ آئندہ کے واسطے  
کچھ حکم نہیں۔ مجھ کو مدد فرج نہیں لایا۔ جب کئی خط پر خط لکھے تو اخیر خط پر صاحب کشتہ ہمارے

۴۔ علی بخش خاں، بنی اکھی بخش خاں مسرور، میرزا غالب کے بارہ نسبتی۔

۵۔ غلام حسن خاں، بنی غلام حسین خاں مسرور، جو غالب کے ہم نوا تھے۔

(دروغہ غلام پورل مسرور خطبہ غالب جلد ۱، ص ۱۲۵)

۷۔ حکم دیا کہ سائل کو بطریق عد و نفیج سرد روپے دی جائیں۔ جس سے وہ سرد روپے نیٹے لے کر پیر صاحب  
 کو کثیر ہباد کو لکھا کہ میں دوستو روپے آخر آئے میں نے پانے دلا دیں۔ سال ہر کے ساتھ ملے ہوں  
 روپے ہوتے ہیں۔ سب چمن دلاؤں کہ سال میرا روپے ۵۰۰ مجھ کو سرد روپے کیسے تھے ہیں؟ علی  
 اہلوں کے کچھ بھی سال میرا روپے مل جائے، اب اس میں کچھ جواب نہیں ہے۔ —  
 (میر سعدی مجروح، ۱ فروری ۱۸۵۹ء)

۸۔ میرے چمن اور ولایت کے انعام کا حال کا حوالہ دیا۔ ولایتی اطراف غنیمت۔ ایک خاص ملو  
 پر تھوڑیکہ ہوتی۔ فاب اگر زربل جہان نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ حاکم دہلی سے تھان شخص کے چمن کے  
 چنے سے جوئے روپے یکسشت پانے کی آمد آئندہ ماہ باہ ملنے کی پورٹ منگوا کر، اپنی منگوری لکھ کر،  
 جہان سے پاس بھیج دو تاکہ ہم منگوری دے کہ قمار سے پاس بھیج دیں۔ سو اس کی تعمیل بطریق منسوب چنان  
 ہو گی۔ کم و بیش وہ پہنچے ہیں سب روپے مل چلے گا اور ان، صاحب کشتر جہان نے یہ بھی کہا کہ اگر  
 قلم کو روپے کی ضرورت ہو تو سرد روپے فرمائے سے منگوا۔ میں نے کہا، صاحب یہ کیسی بات  
 ہے کہ لوگوں کو پاس دن کا دو پیر ملا اور کچھ سرد روپے دلائے ہو؟ فرمایا کہ اب چند روز میں سب  
 روپے ملے ہوں، کا حکم مل چلے گا، اور ان کو یہ بات برسوں میں میرے آئے گی۔ میں چپ چڑھا۔ آج  
 دو شنبہ یکم شوال اور بہتر مارچ ہے، دو پیر مل چلے تو اپنا آدمی میرے پاس بھیج کر سرد روپے منگواؤں  
 یہ بار، ولایت کے انعام کی توقع خدا ہی سے ہے۔ حکم تو ۱۰۰ اس حکم کے ساتھ اس کی پورٹ کرتے کا  
 بھی آیا ہے، اگر یہ بھی حکم ہے کہ اپنی دلتے لکھو۔ اب دیکھو، وہ دو حکم میں حاکم دہلی اور حاکم پنجاب،  
 اپنی دلتے کیا لکھتے ہیں۔ پنجاب کے کہ نہ ہندو کا یہ بھی حکم ہے کہ "بھٹو" منگا کر اور تم دیکھ کر ہم کو لکھو کہ وہ  
 کیسی ہے اور اس میں کیا لکھا ہے؟ چنانچہ حاکم دہلی نے کتب میں کہ کہ جٹ سے لگی اور میں نے دی۔  
 اب دیکھو، حاکم پنجاب کیا لکھتا ہے؟

(میر سعدی مجروح، ۱ مارچ ۱۸۵۹ء)

۹۔ چمن جاری ہو گیا۔ تین برس کا پڑھا ہوا روپے مل گیا۔ بعد ازاں نے زمین تباہی روپے کیا وہ آئے پچھاب  
 ماہ باہ روپے ملتا ہے، مگر میں تین مہینے ستر، اکتوبر، نومبر میں لگے۔ دسمبر ۱۸۵۹ء سے تو کراہ ششی  
 ہو چکے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ہمارے پیکر اس سال نہ سوزا وضع ہوا کرے گا۔ اس

سے میرے بھتیجے میں نعمانی دوسرے میرے آیا۔ بائیس روپے انٹرفیس کے ساتھ رہی گے۔  
 (چودھری عبدالغفور مسعود، ستمبر، ۱۹۸۹ء)

”صاحب! میری داستان سنئے۔ جنس بہ کم دکانست ہادی ہوا۔ نہ جتنے مردانہ یکشت ملی گیا۔  
 بعد ازاں اسے سترق چار سو روپے دینے باقی رہے اور ساکس روپے گیارہ آنے چھپے۔ مئی کا مہینہ بدتر  
 ہوا۔ آخر مئی میں حکم ہو گیا کہ جنس دار علی احمد شمشاد ہی پاؤ کریں، وہاں پانچ تھیم نہ ہوا کرے؟“  
 (علاقائی، ۸۰، جولائی، ۱۹۸۹ء)

”نبیری کانی شتر، آخر مئی میں صد پنجاب سے حکم آیا کہ جنس دارانیک کا ہوا نہ پائیں۔ سال  
 میں دو بار بغیر شمشاد، فضل بہ فضل پاؤ کریں۔ نامہار ساہیو کا سے سو کاسٹ کہ روپہ لیا گیا یا نامہار  
 کی تہریں لی کر مریت ہو۔ یہ شتر چھ پینے تک اسی شتر کٹوان دینا پڑے گا۔ ایک دم سقوں گھلنے میں  
 جانے لگا۔“

(انتہا، ۱۰۰، جولائی، ۱۹۸۹ء)

”نکاح کی شتر، دو کس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوتے۔ سو روپہ (دو سو روپہ) کے دو سو روپہ کے ہو پاتے  
 تھے، وہ کٹ گئے۔ ڈیڑھ سو سترقات میں آٹھ گئے۔ عتہار کا، دو ہزار روپہ چھ کوشی اس کا ترخند  
 ہوں، روپہ اسی نے اپنے گھر میں رکھے اور مجھ سے کہا کہ میرا صاحب کیجئے۔ صاحب کیا، سو روپہ  
 سات کم چند سو روپہ ہوتے۔ میں نے کہا، میرے ترخند سترق کا صاحب کر۔ لکھ اور گیارہ سو روپہ  
 لکھے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ گیارہ سو روپہ بائیس روپہ، نو سو روپہ، آدھے تو نے، آدھے بچوے،  
 وہ کہتا ہے چند سو روپہ کو دو، پانچ سو سات کم دو، یہ جگہ اسٹ ہانے گا، تب کہہ پاتے آئے گا۔  
 غرض اسے روپہ آگیا ہے۔ میں نے انگو سے دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں۔ بات رو گئی، بہت رو گئی۔  
 حامدوں کو موت آگئی۔ دوست شاد ہو گئے۔ میں جیسا نکاح ہوا کا ہوں، جب تک بیویں گا، ایسا ہی  
 رہیں گا۔ میرا دل و گھر سے پناہ کر امتداد اللہی ہے۔ ان بیویوں کا اثر آنا علیہ یہ اللہی ہے۔  
 حاکم شتر لکھو دے کہ شتر ہرگز جنس پانے کا مستحق نہیں، حاکم صدقہ کہ جنس دلائے اندھا دلائے۔“  
 (غور و خیر، مئی، ۱۹۸۹ء)

”ہندو، بھرم مصاحبت، ہمارا شاہ، دربار و خلعت دونوں بند ہو گئے۔ میری برائت کی طرف  
گوری اہمیتات برتی رہی، تین پکس کے ہندو نہیں بچتا۔“  
(حبیب اللہ دکن، ۵، ۱۰۔ فروری ۱۸۹۷ء)

”خدا کے دفع ہونے اور دلی کے فتح ہونے کے (تین برس) بعد میرا چٹن گھٹا۔ چڑھا ہوا  
دوسرے دام دام لا۔ آئندہ کے لیے کم و کاست جاری ہوا۔ گولڈ صاحب کا ہمارا خلعت  
ہر معمول و مشورہ تھا، مسند پر گیا۔ یہاں تک کہ صاحب مگر تو بھی مجھ سے نہ ملے اور کلا جیسا کہ  
اب گرفت کو تم سے ملاقات کبھی متھو نہیں۔ میں فقیر حلیت، دیوس دانی ہو کر اپنے مگر چندے ملاؤ  
حکام شری سے بھی موقوف کر دیا۔“ (شیروان امام، ۱۸۶۳ء)

”اب میرا حال کمزور“

”و فریب ہی ہے امید امت  
یا ان شب یہ سبید است“

”میں نے فاب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو سات پارچے اور تین رقم ہمارا خلعت  
ملا تھا۔ لاؤ کیٹنگ صاحب میرا دربار اور خلعت بند کر گئے ہیں۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا اور  
نہت امرو کا دیوس ہو رہا۔ اب جرمیاں ٹنٹ گورنر جناب آئے ہیں، میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھے  
نہ ملیں گے۔ کئی انہوں نے مجھ کو ہا جیجا بہت سی عزت فرمائی اور فرمایا کہ لاؤ صاحب دلی میں  
دربار نہ کریں گے۔ یہ فرماتے ہوئے مجھے اور میرے میں ان اصلاح کے علاوہ باروں اور مالی گزاروں  
کا دربار کرتے ہوئے انہاں سے جائیں گے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں جا کر، تم بھی انہاں سے جاتے ہو  
ہو کر خلعت معمول سے آؤ۔ چنانچہ انہاں کو کیا میرے دلی پر گزری، اگلا شہرہ بھی آٹھا۔“

(نقشہ، ۳، ۱۰، ۱۸۹۲ء)

”بڑے لاٹ صاحب کے دور کے زمانے میں فاب ٹنٹ گورنر ہمارے جناب بھی دلی میں گئے۔  
دبار گیا، خیر کو، مجھ کو کیا۔ ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے میرا سی آیا اور کلا فاب ٹنٹ گورنر  
نے یاد کیا۔“ (یاد دلی کی دوسری)۔ ”آٹھا دشوار ہے۔۔۔ ہر بر محل سوار ہوا گیا۔ پہلے صاحب  
سکو تر ہوا سے ملا، پھر فاب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قصور میں کیا، بلکہ قمار میں جو



ہوتی تھی، وہ حاصل ہوئی، یعنی عزت کی عزت، انھوں نے انھوں، وقت بوقت غفلت و ابلہ  
 فرمایا کہ ہم جو کچھ اپنی عزت سے ادا ہو سکتا ہے وہ دیتے ہیں اور شہرہ دیتے ہیں کہ لاڈ صاحب کے بار بار  
 بھی تو لاڈ صاحب کھل گیا۔ انہیں جادو دیا گیا کہ لاڈ صاحب کے بار بار غفلت میں لڑائی کا، حال عرض کیا گیا  
 فرمایا خیر، لاڈ صاحب کے بار بار غفلت میں لڑائی کا، اس پر ہنسے گا بڑا ہو، انہیں نہ ہانکا۔  
 (تیسری نوائی آرام، ۱۸۹۳ء)

”نواب مشت گریز چلنی شکاری ہمارے اس شہر میں آئے تو کہہ کر دیا، بہت عزت فرمائی، ایک شکاری  
 عدال سونک کا لاڈ ایک گوند سونک کا اور ایک امان کی نو چار گریں، یہ تین کپڑے لٹک کر رہے۔  
 میں نے عرض کیا کہ یہ میرا سبب اور ہوا و آفتاب ہے، گریں کا جان الٹی ہوئی ہے، لاڈ صاحب کے  
 بار بار غفلت میں، فرمایا، آجھا، آجھا، دوسرے دن لاڈ صاحب آئے۔۔۔ تیسرے دن غفلت  
 گریز چناب سے غفلت میں گئے، پھر میں نے عرض کیا کہ میں میرے لاڈ صاحب کے بار بار غفلت  
 امان کی حالت پانچ لور چیز، سورج، لائے مولیٰ قین، رقم میرے پاؤں کا، اب یہ، اور لاڈ  
 اور غفلت بند ہے، اس کا بڑا بڑا فہم ہے، فرمایا کہ تم ذکر، تمہارا بار بار غفلت کھل گیا انہیں  
 ہاؤ گے تو بار بار غفلت ہاؤ گے، میں نے اپنا ہاتھ دکھا کر حضرت! ہاؤ ہاؤں اور آئی ہو گی بڑا  
 لائے کس طرح ہاؤں گا؟۔۔۔ خیر کچھ وہ بار میں پاؤں گے۔۔۔۔۔ مولیٰ امان میں نہیں میری  
 کہتے تھے کہ لاڈ صاحب تمہارے بار بار غفلت کے بار بار غفلت کے علم سے کہ لکھتے تھے اور کہ لکھتے  
 ہوئے ہیں۔۔۔“  
 (میرزا صاحب کی لک، ۱۸۹۳ء)

”میرزا خرم گزشتہ یعنی فروری ۱۸۹۳ء میں نواب مشت گریز چناب آئے، امان شہر صاحب  
 نے اپنی گزشتہ بارہ صاحب کچھ ہمارے پاس دوائے اور اپنے نام لکھوائے، میں تو بیکار و صحت اور  
 مٹرو و حکام تھا، جگہ سے نہ چلا، کسی سے نہ ملا، ہمارا، ہر ایک کا مگر، خیر، شہرہ، فرودی کو  
 آواز دے سنیں من پھول لنگر صاحب کے خانے میں چلا گیا، اپنے نام کا ٹکٹ صاحب لکھ کر ہمارے  
 پاس بھیجا، بلا لایا، میرا کہ نواب صاحب کی ملازمت کی استعداد کا، وہ بھی حاصل ہوئی، وہ حاکم  
 جیل امان کی، عزتیں دیکھیں، جو پرے قصور میں بھی نہ تھیں۔۔۔۔۔ میرا قرضی مشت گریز  
 سے سابقہ نہ تھا، وہ ہلاک خوں طلب میرے خاں ہوئے تو میں کیا بے سبب حکام نہ بنوں  
 کہ ستمبر ۱۸۹۳ء پر لاڈ لکھی،

استدعا کے لیے یہ تقاضے، تو فی حق اس کو ملتا ہوں کہ میری شہریت کی شہریت حب + ایلانے حکم پر کی  
ولایمان الطاف خیر۔۔۔ بقیہ دعا وہ یہ ہے کہ وہ شہریت عدم ہمارے کہ سواد شہریت تمام کہ نہی تھا۔ آخر  
مذاہب اپنے شہریت تمام جناب موری ایلانہ زمین خان ہمارے کے پاس گیا۔ آسانے گفتگو میں فرمایا کہ تمام  
ہزارہ و غصت کی صورت بہال و برتر کہ ہے۔ میرا رائے میں نے پہچا کہ حضرت کیوں کہ حضرت نے کہا  
کہ مہمک حال نے ولایت سے اگر تمام سے ملنے کے سب کا فائدہ اگر نہی و فارسی دیکھے اور پہچا کہ  
کوئی حکم بکھرا کہ اسد اثرا خاں کا ہزارہ اور میرا و غصت بہ ستور بہال و برتر ہے۔ میں نے پہچا کہ  
یہ امر کس اصل پر متفق ہوا ؟ فرمایا کہ ہم کہ معلوم نہیں۔ میں بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حکم و تقریریں کھو کر پڑ  
یا پندرہ دن بعد اور کہ دعائے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اثرا۔

[illegible]

11/27/2017

مرتبہ ۳۔ ایچ کو بار بجے غصہ گزرنے لگا، غصہ چھٹکا اور فریاد کہ قاتل صاحب  
سبار کے ان کا دہار اور غصہ، جو کمال ہے۔ انہما ہاتھ کے تو دہار اور غصہ پانچ کے۔ عرض کیا گیا،  
’صوفیہ کے قدم دیکھ، غصہ پانچ ۱۰۔‘ صاحب کا حکم سن لیا، اٹھال ہو گیا۔ اب انہما کس جگہ؟  
جینا و آقا دہار میں کتاب برہوں گا؟

کوریجیپ کے تمام شکوک

— ۱۸۸ —

۱۔ نظامِ تعلیمات میں تغیر، اکیسویں صدیء اسلامیہ

”خود سے چلے ہو، ہر لمحہ نصیحت چلتی رہے۔ بہت فائدہ“ اور باز اور خلعت اور ملاقات سب کچھ کیا۔  
 یہ سب عورت صاحب جو انشٹاٹ گورنر پنہاب کہنے، تو انہوں نے خود بھی بوجھیا اور خلعت و طائر  
 فرما کر کہ ہم اپنی طرف سے فرائض سمجھتے ہیں اور یہ فوجی معاہدہ کہ گورنر جنرل سپاہیوں کے لیے بھی

سورہ کے نام کسی نہ جیسے سے یہ غائب کو اطلاع پہنچی جو کہ میری مشقِ حقیقت کے خزانوں میں اسے بندھ

میرزا، فٹنٹ گورنمنٹ کی شریک، میں پہنچے اور فٹنٹ من پہلی سکھوے۔

سورة اعراس، برلین، مطبعہ طبعی، ۱۹۱۹ء، ص ۱۲۲

اور صحت کھل گیا۔ انہیے ہانگے ترقی پاؤ گے۔ میں انہیے نہا سکا۔ پانسل ناب گرد کے غصت پر قناعت کی۔ اس غصت کو مشروطیات اور وقت پر موقوف رکھا۔۔۔

(میکر سر فرزند حسین ۲۵۰ - مارچ ۱۸۹۳ء)

۱۰۔ اجواء ہے کہ میں ہمیشہ ناب گرد زہری ہلکے دہار میں یہی صفت میں دھواں لبر اور ملت باہرے اور میں کچھ ہر غصت پاتا تھا۔ غصہ کے بعد میں جلدی ہو گیا، لیکن دہار اور غصت بند۔ ناب کے جراثیم سے یہاں کے تو ابلی نے دفتر نے بوجب حکم لہ کر اطلاع دی کہ تمنا دہار اور غصت، اور غصت ہو گیا، مگر وہی میں دہار نہیں، انہیے آؤ گے تو دہار میں لبر اور غصت معمولی پاؤ گے۔ میں نے نہیں دھواں کا نالہ لایا اور اٹھنے لگا۔ دہار میں منگھری صاحب غصت گرد زہار تو بوجب یہاں کئے۔ دہار کیا۔ میں دہار میں نگہ دہار کے بعد ایک دن بارہ بجے چڑھی اگر کچھ کر بھلے گیا۔ بہت عزت فرائی اور اپنی طرف سے غصت کھٹایا۔۔۔

(قدر جگڑای ۱۸۹۳ء)

۱۱۔ مشکل ۳۔ مارچ کو جناب غصت گرد زہار نے غصت کھٹایا اور منہ دایا کہ ہم تیس مشرہ دیتے ہیں کہ ناب گرد زہری ہمارے پہلے دھریں تمہارے دہار اور غصت کے پستور یہاں رہے گا حکم کھٹا دیا۔۔۔ میں نے عرض کیا کہ "میں انہیے ہانوں؟" "فلا" "ہتہ جانا ہوگا۔۔۔"

(ناب پوست علی خاں ۱۹ - مارچ ۱۸۹۳ء)

۱۲۔ بوجب، ہم نے غصت گرد زہری ملاصت اور غصت پر قناعت کر کے انہیے کا جانا موقوف کیا اور پست گرد زہار کا دہار اور غصت، اور وقت پر موقوف رکھا۔ زیادہ جوں، ناترہ پر ایک دھم، دھم کیا بند ہو گیا ہے۔۔۔

(نقشہ ۲ - مارچ ۱۸۹۳ء)

۱۳۔ دہار غصت کا حکم نشتا ہوں کہ ہو گیا ہے۔ میرے پاس تو یہ اس حکم کی یہی دھری شہدہ تھی اور قنصل بھی یہی نہیں ہوئی، یعنی نہیں دہار میں گیا، نہ غصت پاتا۔ ناب غصت گرد زہار کی ملاقات اور دھری کا غصت اور اندر ہے، اور بہت ہے۔ اس امر اور اس بات سے، اس کو ہر گز ملا تو نہیں، آپ نہیں دے۔۔۔ بہت سکڑ کر خداسی میں خط میرا ہے۔۔۔ جانا چاہیے کہ گرد غصت سے میرے واسطے تین کستور



طرزے کو اسے جینا، مزید میری فکر پر باندھا اور فریاد کو جو ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا، ہاتھ سے مارتا  
 میٹرنگ نے گنگے میں ڈال دی۔ یہ پچھلے سات مرتبہ ہوئے، دوست لا، ایک گلاب کا تھان، ایک  
 بنارس تھان، سنہری ہونٹے، ایک بنارس سیلا، ایک سالوان کی چار کلونٹن، ایک سکونڈ کا تھان، ایک  
 امان کی چار سہ لکڑی، ایک۔۔۔

(نواب کب جلی خاں، ۱۸۔ دسمبر ۱۸۵۹ء)

’دلی کی اتنی منہج کی جنگا میں پرستی، تھو، چاندنی چمک، ہر بعد میں جان سیر کا، ہر چہ میر جی کے  
 چمک، ہر سال میر جی کے دالوں کا۔ یہ پانچوں باتیں آپ نہیں، پھر کو دلی کہاں؟ ان کوئی شرف و ہند  
 میں بس نام کا تھا۔‘  
 (مجلد ۲، ۲۔ دسمبر ۱۸۵۹ء)

’میرا تم بڑے بے درد ہو۔ دلی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا، بلکہ تم اس کی آباد جانتے ہو۔ یہاں  
 نیمہ ہند تو سیر نہیں صحت اور نقاشی کہاں؟‘

(انفیس، ۳۔ ستمبر ۱۸۵۹ء)

’کل تھارے خط میں دوبارہ کو رقم دیکھا کہ دلی بڑا شرم ہے۔ ہر قسم کے ادبی دانا بہت ہیں گئے۔  
 آئے میری جان! وہ دلی نہیں ہے جس میں تم پیو ہو گئے ہو۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم نے قلم چل  
 کیا۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم۔۔۔ مجھ سے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ وہ دلی نہیں ہے کہ میں  
 میں سات برس کی عمر سے آتا ہوں۔ وہ دلی نہیں ہے جس میں کیا دلی برس سے قلم چل رہا ہے

’صوفیوں سے آگے، اُس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ میرزا صاحب غصت سے ایسے تھے، وہ نہ بے صبر  
 لی تیرہ کو نہ لگاتے۔ لیکن وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ۱۸۶۳ء میں شنگری صاحب نے بڑا کر غصت دیا، تو کہا کہ  
 ہم تیس مزدور دیتے ہیں۔ صاحب کو رزیرجیل جلاوٹے لپٹے دفتر میں قمار سے دوبارہ غصت کے پکڑ رہا  
 رہے کا حکم لکھا دیا۔۔۔ اس صورت میں یہ بھی فیصلہ کرنا پڑے گا، کہ انہوں نے کسی غصت سے اسی  
 وقت یہ بات مشورہ کی تھی۔‘

’میرزا، قیاد علی عرفی، حواشی نکاتیب نواب، ص ۱۴۱، ص ۱۴۱،

کپ ہے۔۔۔۔۔ (حقائق ، ۱۶ - مئی ۱۸۹۲ء)

”اٹھ اٹھ ، دل نہ رہی اور دل واسے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہہ جاتے ہیں۔ ماہ رسے ،  
سُنی اعتبار ! فرسے بندہ خدا ، اُردو بازار نہ رہا ، اُردو کہاں ؟ دل ، دُعا اب شریعہ ہے ، کپ  
ہے ، چھاؤنی ہے۔ نہ فقیر نہ شہر ، نہ بازار ، نہ خیر۔۔۔۔۔“

(مجموع ، ۱۸۹۰ء)

”میں تم کو کھینچا ہوں کہ وہی کاغذ کریں کہ وہاں یہاں اگر کیا کر دے گا“

(تفصیل ، ۳۱ - جنوری ۱۸۹۸ء)

”ہر شرا ، اب شریعہ ، قرعہ۔۔۔۔۔ (تفصیل خاص (۲) ، مارچ جولائی ۱۸۹۰ء)

”یہاں سے باہر نذر کوئی چیز ٹھٹ کے آتے جاتے نہیں پاتا۔ تم زنجار یہاں کا اور اور مکن ، ابھی دیکھا  
چاہیے شملہ ان کی آدمی کا سلم ہر تہہ یا نہیں۔۔۔۔۔“

(تفصیل ، ۵ - دسمبر ۱۸۹۰ء)

”تم کہتے ہو کہ تو چاہتا ہوں ، اگر آؤ تو بے ٹھٹ کے نہ آنا۔۔۔۔۔“

(مجموع ، ۱۰ - فروری ۱۸۹۸ء)

”شملہ آدمی شریعہ شریک پر ہی ٹھٹ پر نہیں سکتا۔۔۔۔۔“

(تفصیل ، ۵ - مارچ ۱۸۹۸ء)

”اب الہ دلی ہندو ہیں یا الہ مرہٹہ ہیں یا خاک ہیں یا پٹنالی ہیں یا گروہے ہیں۔۔۔۔۔“

(مجموع ، ۱ - اپریل ۱۸۹۱ء)

”۔۔۔ ایک آئندہ مورخا خوش ، دوسرا غائب ، وہ بے خود و بے جوش ، نہ سنجیدی دہی نہ سنجدانی  
 کہیں ہستے بہ تپانی ؛ ہستے دل ؛ دانے دل ؛ ہماڑ میں جلتے دل ۔۔۔“

(مجموعہ ، ۲۳ - مئی ۱۹۶۱ء)

”دب دہلی میں ، اشخاص ، اہل حرفہ و احکام کے شاگد پیشہ ، اہل سراسر ہندو - مسیحی اور شاہ و کھنڈ  
 کے ذکور ، برقیہ - سیف میں ، وہ پانچ پانچ دہے میں پاتے ہیں - انٹ میں سے جہیز و زن میں ،  
 گھنٹیاں اور جرجان ہیں ، کہیاں ۔۔۔“

(مثنوی ، ۱۶ - ستمبر دہی ۱۹۶۲ء)

”ملنے کھنڈ ، پتہ نہیں کھنڈ کر اس ہلا بستان پر کیا گڑی ؛ اہل کیا ہونے ؛ اشخاص کہاں گئے ؛  
 غلاب شہان حدود کے نل و مرد کا انجام کیا تھا ؟“

(امر ، ۱ - اگست ۱۹۵۸ء)

”بھائی ، کھنڈ میں وہ امن و امان ہے کہ نہ ہندوستانی مولاری میں ایسا امن و امان ہوگا ، نہ کہیں  
 قند و نثار سے چلتا انگریزی مولاری میں یہ چین ہوگا - اٹوار اور شرفا کی مقام سے ٹھکانا ہیں ، ہندو  
 و تہذیب و ترقی و پیش کی تقسیم علی العموم ، آبادی کا حکم عام - لوگوں کو کال تلفت اور نئی سے آباد کرتے  
 جلتے ہیں ، اور ایک نقل و حرکت ، دہلی کے صاحب کشتیرانہ حکم نے جو دیکھا کہ غلے میں ہندو جہیز  
 جہتے ہیں ، اہل اسلام نہیں ، ہندو اور ملائوں پر بھیج دیا اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی  
 کیا - آفت تو دہلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے - کھنڈ کے سوا اور شہروں میں مولاری کی وہ صورت ہے جو  
 خود سے چلتی تھی ۔۔۔“

(مجموعہ ، ۱ - ستمبر دہی ۱۹۵۹ء)

”کھنڈ کا کیا کیا ؛ وہ ہندوستان کا ہندو تھا ، اٹوار اور سراسر ایسے گھنٹے جیسے سوا دہلی  
 پہنچا ، آمیر بن گیا - اسس راج کی یہ فصل خرابی ۔۔۔“

(استیلا ، ۳۰ - جولائی ۱۹۶۰ء)

”خوش فضا اور بڑی شگم۔ یہاں کوئی طرح آسائش کی نہیں ہے۔ اپنی دہلی عورتاؤں سے شہر لگے، وہ مارچ آئے گا یہی حال سے بہت خیر نکلا۔“

(پندرہویں مہینہ، ستمبر ۱۸۵۹ء)

”دن کے اٹار، خرمیاؤں سے شاہی، ہر شہر میں بدنام اتنے ہیں کہ لوگ ان کے مانے سے بھاگتے ہیں۔“  
(ایک ستمبر، ۲۹ نومبر ۱۸۵۹ء)

”دن، اب شہر نہیں، چھانڈی ہے، کپ ہے۔ دقہر، دقہر کے اٹار، اندھڑاؤں کے شہر کے دوسرا۔“  
(نواب دوست علی خان، ۳۰ دسمبر ۱۸۶۳ء)

”یہ شہریت غلط زندگی ہے، دشنام باقی، ڈاکٹر۔“

(جنوری، ۲۲۔ ستمبر ۱۸۶۱ء)

”دیکھیں چلنے کا شکار، ڈاکٹر میرے پاس آئے گا۔“

(ایک ستمبر، ۲۸۔ ستمبر ۱۸۵۹ء)

”اپنے مکان میں بیٹھا ہوں، دروازے سے باہر نہیں نکل سکتا، سوار ہونا اور کہیں، جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ دیکھو کہ کوئی میرے پاس آئے، شہر میں ہے کہ کون جاتا ہے؟ اگر کہے کہ میرے پرانے چلے ہیں۔“  
(تختہ، ۵۔ دسمبر ۱۸۵۵ء)

”امیر صاحب، انہیں شہر سے باہر شہر میں اور کیوں کسی کے ہاتھ کی راہ دیکھیں، حکومت میں، کوئی بھی، چرچہ میں، یعنی ڈاک میں آئیں۔ نئی راہوں کے متعلق میرے مکان پر اتار چڑی ... خاک کو رونا کوئی نہیں دیکھتا۔“  
(مجموع، مئی ۱۸۵۸ء)

”ڈاک کی ساری پر اگر آپ اسی شہر میں میرے مکان تک آجائے تو ملے گا، مگر بہت شہر میں ہے صوبی



ہذا تہ حاکم متکلم ضرور لکھتا ہے۔ اگر خیر و بر تو دور، اگر خیر و بر چلنے تو اہل قیامت ہے۔  
 احمد علی عبدالغفور، برہان، ۱۸۵۸ء

مگر، کوئی طرح شرمیں تمہارے کہنے کی ٹھہری یا نہیں؟ بُدبختیں کس اور آدمہ کس پر رہے۔ میری  
 جان، تم خیر و بر چلنے میں جو۔ مجھ کو تم جلتے کچھ اور شرمیں ہونا، بے اعانت سرکار کے نہیں اور باہر  
 نہ لکھنے لکھتے نہیں، پھر میں کیا کروں؟ یہیں کہ وہاں آنکں؟ شرمیں تم جلتے تو جرات کر کے ٹھٹھ  
 پاس چھ آتا۔۔۔ (علامہ نعت خاں، جمادی ۱۸۵۸ء)

”کچھ خیر و بر دوم فردی ہے۔ مجھ کو (میر شمس) آگے بھٹے ہیں دن ہے۔۔۔۔۔“

دو اس شرمیں اک مشکم یا ہوتا ہے

کہ میری نہیں آتا ہے کہ کیا ہو آتا ہے

میر شمس اگر دیکھا کہ بیاں بڑی شدت ہے اور وہ جلتے کہ گردن کی پاسبانی پر قنوت نہیں ہے  
 وہ فردی اور اسے کا قتلے دار مژدہ چاہی کہ سرنگ پر بیٹھتا ہے، جو باہر سے گورے کی آنکھ چھا کر  
 آتا ہے۔ اُس کو پرکھ کر حالات میں بیٹھتی ہے۔ حاکم کے اس سے باہر پانچ بیٹھتے ہیں یا دو وہ  
 جواز لیا جاتا ہے۔ آخر دن قید ہوتا ہے۔ (مجموعہ ۲۰، مسند فردی ۱۸۵۹ء)

”سب قافوں پر حکم ہے کہ وہ اہل قیامت کر، گن بے گنٹ مقیم ہے اور گن گنٹ لکھتا ہے۔ سخاوت  
 میں نقشے ترش ہونے لگے۔ یہاں کا جہاد دار میر سے پاس ہی آیا۔ میں نے کہا، جہانی، تو مجھے نشتے  
 میں دو کہ، میری کیفیت کی عبادت الگ کچھ۔ عبادت یہ کہ، انما قرآن نہیں دار ۱۸۵۸ء سے  
 حکم چیلنے والے کے جہانی کی عربی میں رہتا ہے۔ نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا، نہ گوروں کے لٹانے  
 میں نکلا اور نہ لگا لگا گیا۔ کرنی ہر دن صاحب ہمارے کے زبانی حکم پر، اس کی اقامت کا خانہ ہے۔ ابھی  
 کسی حاکم نے وہ حکم نہیں دیا۔ اب حاکم وقت کو اختیار ہے۔ ہر من و عادت ہمارے دلے نشتے کے  
 نشتے کے ساتھ کہ تو اہل بیچ دی۔“ (مجموعہ ۲۰، فردی ۱۸۵۹ء)

”خاطر، دھڑلے کو شلانی اس شرمیں نہیں دتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حوزہ، اگر کچھ میں تو



آبادی یہ دیکھ کر کہ ڈھنڈو دھانچا کر ٹھٹھک چھپا کر اچھڑی صاحب ہلار (مبشریٹ ویلی) بطریق ٹھٹھک کلن چلے گئے۔ وہی کے معقار جو باہر پڑے ہوئے ہیں، منہ کھول کر رو گئے۔ اب جب وہ سادہوت کریں گے، تب شاید آبادی بھگتی یا کوئی اور نئی صورت نکلے۔

(مجموع ، مسعودی ۱۸۵۹ء)

ابلی شرک آبادی سکھ، یہاں اس صورت پر نہیں ہے جس اور کہیں ہے۔ اور جگہ ریاست ہے کہ منہو ضروریات ریاست ہے۔ یہاں شرک آگے ہے کہ منشا رتیا ہی ہے۔  
(انوار الدولہ شفق، ختم مارچ ۱۸۵۹ء)

بہلی کا حال تو یہ ہے :

گھر میں خٹاکا جو تراخم لئے حادث کرتا

وہ ہم رکھتے تھے ہم اک صورت نمبر مر ہے

یہاں زہرا کیسے ہو کر کوئی لے گا۔ وہ خرمیض غلط ہے۔ اگر کچھ ہے تو یہی فط ہے کہ چند روز گودوں نے اہل بازار کو لیا تھا، اہل قمار اور اہل فرج نے برائیاں ہیسا بندوبست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا، اب اس زمانہ ہے۔

(مجموع ، ۱۸۵۹ء)

آبادی کا آوازہ پھر فر ہے۔ لاہوری دروازے کے علاقے میں کچھ کم سو گرا آباد ہوئے ہیں۔ کئی ہزار کی جتنی ہے۔ ابی خدا، افریقائی دوچار برس میں وہ علاقہ آباد ہو جائے گا اور جب وہ علاقہ آباد ہو جائے گا تو دوسرا علاقہ شروع ہو گا۔ گجرات نہیں، جلدی کیسے۔

(تشمین میرزا ۱۸۰۰ء - جون ۱۸۵۹ء)

آمدرفت کا ٹھٹھک بر وقت ہو گیا۔ فخر اور ہتھیار میں پاس ہو، وہ نہ کہنے اور باقی ہندو مسلمان، صورت، مرد، سوار، پیادہ، چاہے چلا آئے، چلا جاتے، مگر اخیر آبادی کے ٹھٹھک کے رات کو رہنے رہا ہے۔  
(سنت میرزا ، مار اگست ۱۸۵۹ء)

• شرکی آبادی کا پیر چاہرا۔ کراتے کے مکان ملنے لگے۔ چارہ نر گھر آباد ہونے لگے کہ چھوٹا قلعہ  
مٹ گیا۔ شہر جانے کیا دستور جاری ہوا ہے، آئندہ کیا ہوگا۔ ۹  
(جلد ۱، ص ۱۵۰۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء)

• آہوی کا قلعہ عام ہے۔ خلق کاڑھ عام ہے۔ آگے حکم تھا کہ مالکان دیں، کرایہ وار نہ دیں، یہ سوں سے  
حکم ہو گیا ہے کہ کرایہ وار بھی دیں، کہیں نہ سمجھا کہ تم دہانیں یا کوئی اور اپنے مکان میں کرایہ وار کو آباد کرے۔  
وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور پیشے سے کراتے کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی آ رہیں، اگر کرایہ  
سزا کر دیں؟ (شعبہ میرٹھا ۹۔ ذمہ ۲۱۸۵۹ء)

• منسلک کی املاک کی انگوشت کا قلعہ عام ہو گیا ہے۔ جن کو کراتے پرلی ہے، ان کو کرایہ رعایت ہو  
گیا ہے۔ (جلد ۱، حکم میرٹھی ۲۱۸۶۰ء)

• شرکی عدالت پر سرگرمی نہیں آئی اور برسات میں آٹھے نہیں گئی، وہ سب قالی پٹی ہے، کرایہ دار  
کا نام نہیں۔ (ایسٹ میرٹھا ۲۸۰۔ دسمبر ۱۸۵۹ء)

• مکانات کے گرنے کا حال یہ ہے کہ پل پانچ برس پہلے ہے۔ بیٹانی (ٹیپو)، لوگ، ایکڑی، تخت،  
کراڑ، چکٹ، بعض مکانات کی چھت کا سال، سب ملے گئے۔ اب ان عمارتوں کو وہ مکان ملے تو  
ان میں رہت کا مشورہ کیا؟ فرمائیے مکانات کیوں کڑ گریں؟  
(اندرالودر شفق، ۱۱۔ اگست ۱۸۵۹ء)

• مسزیت! اشیاء عامہ کے دساجہ کا حال کیا اگر کرکس کر دیں؟ اپنی شرکو وہ اہتمام مکانات کے بننے  
میں نہ ہو گا۔ جو اب دہانوں تک کا قلعہ ہے میں ہے ساڈر، اڈر! قلعہ میں کھڑا اور شرم میں بعض بعض  
وہ شاہجہانی عمارتیں، ڈھان گئی ہیں کہ کڑال ٹوٹ ٹوٹ گئے ہیں، بگڑ گئے ہیں تو ان کو کت سے کام نہ لگا،  
سرنگیں کھودی گئیں اور باندہ، پھانسی گئی اور مکانات سب گئیں اڑا دیے گئے۔

(اندرالودر شفق، ۲۴۰۔ اگست ۱۸۶۰ء)

”آغا باقر کا اہم بیٹا، اس سے علاوہ کہ خاندان کا مورخہ خاندان ہے، ایک نئے قریب مشرقی اور اس کے اندام کا قریبی گھر“

(ایسٹ میوزیا، ۲۶، جولائی ۱۸۵۹ء)

”مسجد جامع کے باب میں کچھ نئی شیں لاہور سے آئی تھیں، یہاں سے ان کے چوب گئے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ ان کا حکم آئے اور مسلمانوں کو مل جانے۔ ہنوز پچھترہ پراہیشا ہوا ہے اور کوئی چلنے نہیں پاتا“

(سینج، ۲۰، مئی ۱۸۶۲ء)

”مسجد جامع کی داگرہشت کی فرشتہ ہے۔ اگر کچھ چلے آگیا خود ہے۔ شاہ اودھ کی مالک کی داگرہشت کی فرشتہ ہے۔“

(مجموعہ، ۲۰، فرسب ۱۸۶۲ء)

”مسجد جامع و داگرہشت ہر گنتی چھتری کی طوت ہنر میں پکاہیوں نے لکائی، بنائیں۔ ان کا مرنی بہتر چلے لکھے۔ سنو، ہنر و مرنی دس ہنر کے، مرنی آگنی ہنر، مولوی صدر الدین، تحصیل عثمانی خاں تین ہنر۔“

(مجموعہ، ۱۶، فرسب ۱۸۶۲ء)

”کیسے صاحبزادوں کی بات کرتے ہو۔ دلی کو دیا ہی آباد ہلتے ہو، جیسے آگے تھی، اس میں جان کی گئی،“

سنہ ۱۸۵۰ء کے چھٹے کے بعد ہی پراہنریوں کا قبضہ ہو گیا تو انہوں نے جامع شاہجہانی پر بھی قبضہ کر لیا تھا کہیں کو دلی سے بھی نادرہوں کے ایک گروہ نے انگریزوں پر مشدد حملہ کیا تھا۔ لیکن انگریزوں کا یہ حملاً بھی کسی کو مسدد ہوا ہی چلتا، لیکن کہتے تھے کہ اسے کسی میں تبدیل کر دیا جائے۔ کئی سال کے بعد انگریزوں نے اسے دلا کر دیا اور انعام کے لیے ایک کیٹیج بنا دی جس میں انگریز اپنے مستحق مسلمانوں کو نذر کرتے۔“

اور ان کا ختم ہوا ہے، غلطی غلط، بد اول، لاہور، ۱۸۶۹ء، ص ۴۴۹

”سنہ“ یعنی شاہ اودھ کی وہ مالک جو دلی میں تھیں، ان کے لیے اودھ سے خاص منتظم مقرر ہو کر دلی آگیا۔“

اور ان کا ختم ہوا ہے، غلطی غلط، لاہور، ۱۸۶۹ء

میر خیرا کی پہلیک سے بیچ افریگ خلی کے پھاٹک تک پہنچا ہے۔ اس اگر آبادی ہے تو  
 ہے کہ خنوم سین خاس کی پہلی ہسپتال ہے اور ضیا، افریخاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور  
 کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالی شان ٹھکانے تشریف رکھتے ہیں۔ ضیا افری  
 خلی اور ان کے بھائی میخ تبارکی و عشار زباند ہیں۔ حال کزری کے علاقے میں خاک لٹتی ہے۔۔۔ کھس  
 کی کمان پہنچتے نہتے ہیں۔“  
 (مولوی مسدق افری، ۱۸۵۸ء)

”میں شمر سے رہا ہے۔ پڑے پڑے نامی بازار، خاسی ازار اور اُردو بازار اور خاتم بازار کو ہر ایک  
 بھلے خود ایک تھہر تھا۔ اب پتا بھی نہیں لگتا کہ اسے کیا کہیں نہیں پتا کہ کس کس کا مکان  
 کس کا اور کس کاں کس کی؟“  
 (محمد علی محمد منصور مسود، ستمبر ۱۸۶۰ء)

”جائے سہ کے گرد پچیس پچیس ٹٹ گول میدان بنے گا۔ کانیں، سولیاں، فصائی ہائیں گی۔ درکس گول  
 دار البتار، قنارہ بدلے گی۔ بہ نام افر کا، خاسی چندا کوہ، شاہ پرہ کے پرکھ ٹھہرے گا، دونوں طرف  
 سے پھاڑا، پھل رہا ہے۔“  
 (محمد علی، ۱۸۵۹ء)

”ہرک، چاندنی، میں بیگم کے بارخ کے دواڑے کے محلے، حوض کے پاس جو کڑیاں تھا، اس میں  
 رنگ دھشت پھل کر بند کر دیا، لی اوروں کے دواڑے کے پاس کئی کانیں دھاک راستہ چڑا کر دیا۔“  
 (محمد علی، ۱۸۵۸ء)

”میں دو سڑکیں دہائی بھرتی ہیں : ایک ٹھنڈی سڑک، ایک آہن سڑک درمیانے لائن اصل، ان کا  
 ایک ایک۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گردوں کا بارک بھی شمر میں بنے گا اور قلعے کے آگے  
 جہاں لال ڈنگی ہے، ایک میدان نکالا جائے گا۔ جنوب کی کانیں، بیہیوں کے گھر، فیض خانہ، جاتی نیگم  
 کے کمرے کے دواڑے سے قلعے کی خندق تک سرائے لال ڈنگی اور دو چار کمروں کے، آٹھ عمارات  
 باقی نہ رہیں گے۔ آج جان نثار خاں کے چچے کے مکان ڈھینچے شروع ہو گئے ہیں۔ کیوں میں ولی کی  
 دیوانی سے خوش نہ ہوں؟ جب اہل شمر نہ رہے، شمر کس کے کیا چلے میں ہوں؟“

(احسان میرزا، ۲۶ جولائی ۱۸۵۹ء)

”وہ خود غل خا کو سڑکیں نکلیں گی اور گروں کی پھاؤں سے لے کر کچھ بھی نہ بڑھا۔ ریت کے ایک ہاں نڈھال کے چھ کی سڑکی نکلی۔“  
(ایسٹ میٹا، ۱۸، گیسٹ ۱۸۵۶ء)

”تم آتے ہو، چپے کو، نڈھال کے چپے کی سڑکی، غل چندن کے کوپے کی سڑکی دیکھ جاؤ۔ غل بیگم کے کوپے کا ڈھینا، چپے سب کے گرد مڑ مڑ کر میدان نکلا، ٹٹ جاؤ، غلابہ اسروہ دل کو دیکھ جاؤ، چپے جاؤ۔“  
(ایسٹ میٹا، ۲۰، دسمبر ۱۸۵۶ء)

”نیل نڈ، ٹک پیرا، مال ڈنگ کے ملائی کے نکات، سب گرانے گئے۔ غل بیگم کا کوپہ اترا میں ہے۔ (غل نڈ ڈھال چلتے ہیں، اہل غم، اصل حکام، بچاتے ہیں، پاپا نہ کار، دیکھو کیا ہو۔“  
(اسٹین بیڈا، ۱۶، دسمبر ۱۸۵۶ء)

”کٹری کرنا بڑا گلیا ہے۔ آتے آتے کیا آسے آسے ذرا وہ بڑی بڑی کڑیاں دوروں نظریں آئیں کہ کیا ہوئیں۔“  
(ایسٹ میٹا، ۲۰، جنوری ۱۸۶۰ء)

”کھسڑ کی دیرانی پر دل ہنسا ہے، گرم کوڑا ہے کہ وہاں ہمارا منہا کے ایک کوئی ہوگا، لگاؤ کے بعد بتاؤ کہ صورت نکلی گی، ۱۱، بینا راہی کو سیتے ہو جائیں گی، ہانڈا آپٹے گل آئیں گے، جو دیکھے گا، وہ داد دے گا۔ اور دلی کے منہا کے بعد کوئی نہیں ہے۔ یہاں منہا ہر منہا چلا جائے گا، شہر کی صورت سوائے اس بازار کے ہر قلعے کے لاہوری دھلا سے ہے، شہر کے لاہوری دھلا سے ٹک ہے سراسر جوتائی ہے اور بڑا قلعہ ہوتا ہے۔“  
(ایسٹ میٹا، ۱۱، جنوری ۱۸۶۰ء)

”تھری کا کڑاں بند ہو گیا۔ مال ڈنگ کے کوپے ایک تم کار ہی ہو گئے، خیر کداری ہی پانی چپے، گرم پانی نکلتا ہے، پردوں میں سارے کو کھڑوں کا حال دریافت کرنے لگا تھا، چپے سب ہو گیا، راج گھاٹ دروازے کو چلا، سب چپے سے راج گھاٹ دروازے تک، سبے ٹالہ ایک صحرا، دوق، درخت کے ڈھیر چپے ہیں، وہ اگر آٹھ چپے تو خیر کا مکان ہو جائے۔“  
یاد رکھو، مرزا کوہر کے بیٹے کے اس جانب کو کئی افس فشیپ تھا، وہ اب بیٹے کے من کے برابر ہو گیا، جہاں تک کہ راج گھاٹ

کا وہ زور بند ہو گیا۔ فیصل کے کنگڑے کھٹے رہے ہیں، باقی سب آٹ گیا۔ کٹیری دروازے کا حال تم دیکھ گئے ہو۔ اب آہنی سڑک کے واسطے کھلتے دروازے کا ہی دروازے تک میدان ہو گیا پنہائی کٹڑا، دھول، دھواں، دھم جی گئی، رسالت خلی کا کٹڑا، جرنیل کی لڑائی کی مہلی، دھم جی دھم گروہم داس کے مکانات، صاحب رام کا باغ، مہلی، ان میں سے کسی کا پتہ نہیں چلتا۔ قہر شہر صحران ہو گیا تھا، اب جو کتیری جلتے رہے اور پانی گہر زایب ہو گیا تو یہ صحران صحرانے کر رہ جاتے گا۔

(مجموعہ ۱، ۱۸۶۱ء)

• (دکن و نول) شریچ پاپ، دکنیں چھاؤڑا بھاسے، دکنریک لگا کر کوئی مکان اڑا دیا جاتا ہے نہ آہنی سڑک آئی ہے، دکنیں دودھ جلتے، دلی شہر شہر خشتاں ہے۔

(مجموعہ ۲، ۲۲۔ ستمبر ۱۸۶۱ء)



• مٹے کی گرانی آفت آسانی۔

(غیرالہ ول شفیق، ۲۴۔ اگست ۱۸۶۰ء)

• فترتیں ہے، موت اذناں ہے۔ میرے کے سول اذنی بجاتے۔ ماش کی دال آٹھ میر، اجرو سول میر، گیسوں تیرو میر، چنے سولہ میر، دھن دھن میر، دھن دھن میر۔

(چھتری صیدانغفور سرور، ستمبر ۱۸۶۱ء)

• گرانی اور ارنانی امیر حاتم میں ہے۔ دنیا کے کام خوش و ناخوش چھ جلتے ہیں۔ تھنٹے کے کاٹنے آمادہ وکیل ہیں۔

(چھتری صیدانغفور سرور، نومبر ۱۸۶۰ء)

• بیان کا حال یہ ہے کہ مسلمان میروں میں جیج آدمی، قواب حسن علی خاں، قواب حیدر علی خاں، حکیم احسن خان، سران کا حال یہ ہے کہ روٹی ہے تو کچھ نہیں۔ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی میر نہیں ہے۔ وہ لوگ اس (انجام کی خریداری کی طرف کیوں توجہ کریں گے؟ تم ادھر کا خیال دل نہ دھو ڈالو۔

(شیر خاں کامام، ۱۲۔ جون ۱۸۵۹ء)



میں اتنی کہیں ہے کہ اخبار کا فروار ۹ صابن لوگ جو یہاں بچتے ہیں، دو روز ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ گیوں کہاں سکتے ہیں۔ بہت سخی ہیں گے کہ جس پہلی آئل دیں گے، کاغذ (یعنی اخبار) روپہ بیچنے کا کہیں ملے گی۔

اشیر نرائی آرام، ۱۸۵۸ء

۔ مٹر کے واسطے صاحب، فرتو کا گلیز اور پھر بچے کی وال کے برابر ادھشت پہلو، اس اچھے شریں کہاں ملے گا۔

اشیر نرائی آرام، ۱۸۵۹ء

۔ بادشاہ دغز، کی تصویر کی صورت ہے کہ ابڑا ہوا شہر، دکھائی دے آہ زانو، اگر ان دو ایک شخصوں کو آبادی کا علم چاہیے، وہ دہتے ہیں، سو وہ بھی بولنے لگے کہ آہ بڑے ہیں، تصویریں بھی ان کے گروں سے ٹٹ گئیں، جو کچھ دیں، وہ صاحبان اگر نہ بڑی خواہش سے خرید کر لیں، ایک شخص کے پاس ایک تصویر ہے، وہ تیس روپے سے کم کو نہیں دیتا، کہتا ہے کہ تہی تہی اشرفی کوئی نے صاحب لوگوں کے اشرفی میں، تم کو اور اشرفی کروں گا۔ اتنی دانت کی تھکی پر وہ تصویر ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کی نقل کاغذ پر تیار دے، اس کے بھی ہیں روپے ملتا ہے۔۔۔۔۔ میں نے دو ایک آدمیوں سے کہہ رکھا ہے، اگر کہیں سے اتنا آہنے گی تو ہے کہ تم کو بھی دوں گا۔ شخصوں سے خوب کہنے کا نہ ٹھہریں متھو، نہ تمہارا نقصان متھو۔

اشیر نرائی آرام، ۱۳۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء

۔ ہل کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی ٹٹ پنجاب صاب میں گئی ہے۔

امیر ہمدی جروج، ۲۰۔ اپریل ۱۸۵۹ء

۔ دہلی کی اجنبی کا دھڑوہ فروٹ گیا۔ کوئی کاغذ باقی نہیں رہا۔

دھڑوہ عبدالحق، فرتو، اپریل ۱۸۵۹ء

۔ دہلی وٹھٹ گورنر سے انتظام پائی اور اعلیٰ پنجاب کے تحت حکومت آگئی۔

الزہرہ شفق، ۱۸۵۹ء

”اب یہ شہر پنجاب املاہ میں ملی گیا۔ پنجاب کا نواب عشق گور زبدار یہاں کا سردار تھا۔“  
(چودھری عبدالغفور مسرور، فریدی ایچ ۱۹۵۷ء)

”ذخائر سمیہ گلشن ڈیکھو کہ دہلی کی عمارتیں میرٹھ اور اگرہ اور جگموشی کی مثل ہے۔ یہ پنجاب خطے میں شامل ہے۔ ذکاؤن، ذہانتیں۔ جس حاکم کی جرات ہے میرٹھ کے، وہ وہاں ہی کرے۔“  
(چودھری عبدالغفور مسرور، موسم گرام ۱۹۵۵ء)

”قادر عمارت کے برہم ہو گئے، نئے نئے دستدریں۔“

(مجموعہ ۱، ۱۸۹۳ء)

”ذو حکام ہیں، ان کو میں جانتا تھا۔ ذو مدد ہے جس سے میری وقایع تھی۔ ذو عدالت کے قادر ہیں، ان کو نہیں پس میں نے دیکھا ہے۔ ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیک بندہ کار کا تاش دیکھ رہا ہوں۔ ”یا حافظ“، ”یا حفیظ“ وہ زبان ہے۔“

(کاشت ۱، ۱۳۔ مئی ۱۸۹۳ء)

”ہر شخص کی سرزشت کے مطابق حکم ہو رہے ہیں۔ ذکاؤن کا ہے، ذکاوت ہے۔ نہ نظیر کام آئے۔ نہ تفریح پیش آئے۔ بعضی خاں، ابن مرقطی خاں کی پوری دوسو روپے کی خن کی منگوری کی دہشت آگئی اور ان کی دوزخیں سو سو دہرے میں اپنے دایروں کو حکم ہڑا کر چکر تھارے جہاں ٹہم تھے، قلعہ کی پس منبٹا بطریق ترقم دس دس روپے میں نام کسے گا۔ ترقم یہ ہے تو خاں کیا ترقم ہو گا؟ میں خود سوڑ ہوں اور حکام صدر کا روشناس، پٹن نہیں لکھ سکتا۔ ترقم ہیں کا پس، تفریح کس کا ترقم لہذا ایک اور منگوری گورنٹ، اور پھر فلا ہے، ذلے کا، خیر مثال ہے طے کا۔“

(دست میرزا ۱، ۱۵۔ جولائی ۱۸۵۹ء)

”ایک علیحدہ پروں کا منور، حافظ ترقم لگا، ثابت ہو چکے، دہائی پچھے، حاکم کے سامنے حاضر نما کرتے ہیں“ ”حاکم اپنی دنگتے ہیں، تعجب و تعزیر ان کا ثابت ہو چکا، صوفی لکھ دیے۔“ — برسوں وہ

عائز ہوئے، اسل خوش ہوئی۔ حاکم نے پہچا،

• حافظ عمر بخش کوں ؟

عمرن کیا کر • • • میں •

پہر پہچا کر • • • حافظ عمرن کوں ؟

عمرن کیا کر • • • میں •، اصل نام میرا عمر بخش ہے، عمر مرشور ہیں •

فرایا کر • • • یہ کہ بات نہیں، حافظ عمر بخش ہیں تم، حافظ عمر بھی تم، جو دنیا میں ہے، وہ بھی

تم ہم مکان کس کو ہیں ؟

اسل، داخل دفتر ہوئی، یہاں تو رہنے لگو رہے تھے •

(ایست میرزا • جون ۱۸۵۹ء)

جو تقریر دہشتہ کے باب میں تم نے کی ہے، وہ بہت مناسب ہے، و مشروط پیش ہونے کے اور

ولایت پہنچنے کے، نہاد میرزا اور اکبر میرزا اپنی پیرا ذمہ داری میں اس پر تاجیں ہر دہی کے • • • (نشا افغانی)

نے "دہشتہ کی کیفیت" ہے کہ شادان درج گاہت اور کاکا کاک دستور ہے، تھاکر ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو ہندوستان کے مختلف حصوں پر مشغول ہو چکی تھی، بڑی بڑی قبیلی جمہور ترقین سے لیتے اور ان کے سود کو دیکھ اپنے عزیزوں، احمقوں یا غلاموں کے نام کو دیتے تھے۔ کمپنی کی حکومت کے خزانے سے سود کی قبیلی مشورہ لوگوں کو ملتی رہتی تھی۔ میں نے اور ان کے بجائی منظور الدولہ بیعت الدین حیدر خاں کے لیے بھی دہشتہ مقرر تھے، جو ۱۸۵۷ء کے جنگ سے منسلک ہو گئے۔ منظور الدولہ پہاڑ سے تو اوست پکڑے آئے اور اُس گروہ کے ساتھ شہید کر دیے گئے، جنہیں ہندو چلانے اور تحقیق کے بغیر گروہ کا فوہ میں شہید کر دیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسین میرزا دہشتہ کی بجائی کے لیے ہندو، ولایت ملک سے ہانا چاہتے تھے۔ یقیناً انہیں اس کا پورا حق حاصل تھا، کیوں کہ دہشتہ، ترقین دی ہوئی رقم کا سود تھا، مگر وہاں ملتی یا سود ادا دیتا رہتا۔ یہ اگر ترقین کا طریقہ تھا کہ اسے منسلک کر لیا نہایت ہوتا •

(مولا غلام رسول مرزا، خطوط غالب (جلد دوم)، ۱۹۶۹ء ص ۹۸)

نہ میرزا غالب نے لکھا ہے کہ بے شک، ہندو دار کردو، لیکن تغیر شاید اس وقت ہوتا ہو، جب آپ کے •

(مولا غلام رسول مرزا، ایضاً)

فرزاد احمد میرزا اور اکبر میرزا، بڑے بوجا بھی گئے •

میں حکم کی نقل کے واسطے تم لکھتے ہو۔ وہ اہل کماں ہے، جس کی نقل لوں؟ ان زبان مذحق ہے کہ تیم  
لوگوں سے باز چس نہیں، شاہد اس کے خلاف ہے۔

(احسن میرزا، ۱۰ جولائی ۱۸۵۹ء)

”ہمشیر کا درخواست کیوں کر گڑھے؟ جب وہ غذا آئیں اور درخواست دیں اور شکوہ ہو اور مکان ملے  
تو اس قدر شہرستان و زبان میں سے ملک حویلی ملے گی کہ ان کو پہلی رہنا ہو گا۔ کہیں کس دیوانے  
میں تیار ہیں کی؟ ہم کہہ رہے تھے۔ ناگہبڑ تیار کر لیں، لکھائی کی کماں ہے؟ ہر حال۔۔۔۔۔  
نقل کو مین اور چر دھڑا اور یہ اس حکم کی نقل مین، یہ احمد ایسے نہیں کہ بڑا فیصل ہو جائیں۔ حکام پڑا  
مناہیم الفروست۔“

(احسن میرزا، ۱۰۔۹۔ نمبر ۱۸۵۹ء)

”بھائی فضل۔۔۔ آئے ہوئے ہیں۔ دہشتے ہیں، عویناں دیتے پھرتے ہیں، اکوئی سنائیں۔  
(احسن میرزا، ۱۸۔ اگست ۱۸۵۹ء)

”تم اب تک مجھے نہیں کہ حکام کیا کہتے ہیں اور دیکھی جھوٹے۔۔۔۔۔ کہیں نقل حکم، کیا ملاحظہ  
جو احکام کو دہلی میں صادر ہوتے ہیں، وہ احکام قضاء و قدر ہیں، ان کا ملاحظہ نہیں۔“

(احسن میرزا، ۳۱۔ دسمبر ۱۸۵۹ء)

”ایک ٹکڑا ہر میں صادر، نقصان، دہلی کے واسطے جوئے نیا ہے اور یہ حکم ہے کہ جو دیت  
کا مال، کماں نے لٹا ہے، البتہ اس کا صادر بحساب وہ کسٹ کار سے ہو گا، یعنی ہزار روپیہ  
لگنے والے کو سو روپیہ میں لے اور جو گدوں کے وقت کی غارت گری ہے، وہ در اور بھل (سہارا)  
سات ۱۰ ہے، اس کا صادر ہو گا۔“

(احسن میرزا، ۳۱۔ دسمبر ۱۸۵۹ء)

”بھائی بیاں کا قضا ہی کہہ رہے ہیں، جو یہ کسی کے نہیں، اگر کیا طور ہے۔ اور اہل ماہ اگر لے دیں



”نکم ہوا ہے کہ وہ شیعہ کے دی پٹی آئین کا نمبر کہ رات کے وقت سب غیر غلامان اگر چہ اپنے گھر میں دوشنی کریں اور بانلوں میں اور صاحب ڈیٹش بکشر مبارک کو کوشی پر بھی دوشنی ہوگی۔ غیر بھی اس ہی دوستی میں کہ انعام بیٹھے پس متوری نہیں آیا، اپنے مکان پر دوشنی کرے گا اور قطعہ پندرہ بیت کا بلکہ صاحب کشر خرا کہہ رہا ہے۔“

(آرام ، احسنہ کتب ۱۵۵۰ء)

”یہاں پہلی زبرد (دوشنی) کے دی سب الحکم حکام ، کوچ و انار میں دوشنی ہوئی اور شب کو کین کا شیکا ٹٹ جانا اور غلو ہند کا بارش ہی مل میں آنا پایا گیا۔ قاب گر زمزل ہند کیلنگ ہلار کو کوشنر انگلی سے فرزند ارجمند کا خطاب دیا اور اپنی طرف سے نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ یہ فیصلہ اس تحنیت میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں :

ما نال دوستی کے روم      عالیہ نسیم دھنے کا شرم  
(انور الدولہ شوق ، پنجم زمبر ۱۵۵۰ء)

”نکم منہ نصیر نام ہو گیا ہے ۔ لہذا دلہ آتے جلتے ہیں اور آلات حرب دیکھا دے کہ قریع آراوی پاتے ہیں۔“

(نقشہ ، ۲۰ ، نمبر ۱۵۵۰ء)



”صاحب ! تم جانتے ہو کہ یہ سال کیا ہے اور کیا واقعہ ہوا ؟ وہ ایک جہنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور ملحق تھے کہ ہم میں تم میں ملاقات ضرورت نہ پیش آئے ۔ شرکے ، دیوان میں کیے ۔ ناگہ ، زور زور دیا ، زور اشتیاق ، نہ ملاقات ، نہ اختلاط ، نہ اجناسط ۔ بعد چند مدت کے پھر دو سال جہنم کو ملا ۔ اگرچہ صورت اس جہنم کی بیسٹ مثل پہلے جہنم کے ہے یعنی ۔۔۔ میں جس شہر میں ہوں ، اُس کا نام بھی دلی اور اُس تھکے کا نام بھی دلی ، اردو کا حق ہے لیکن ایک دست انیس جہنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔“

(نقشہ ، ۵ دسمبر ۱۵۵۰ء)

”اس چرخ کی دست اکرنا ہو ۔ ہم نے اس کا کیا بگڑا ستا ؟ حکم دیاں دجاہ و جلال کہ نہیں

کہتے تھے، ایک گڑھ توڑ دیا۔ چند شخص دے دیا، ایک بگڑا ہم جو کہ جس بل پختہ تھے،  
 سو بھی نہ کو کوئی دم دیکھ سکا، اُسے ٹھک !  
 اور توڑیاں کہہ دیا تھا، ایک گڑھ دیکھا

(مجموعہ ۲، اپریل ۱۸۵۹ء)

دوست جگہ سے ٹکڑا کر، دھڑا دی جاتا ہے۔ خاص سوری ٹکڑا کر ہے کہ اب بچہ ہے ہوتے یا کہیں قیامت  
 ہی کہ جس میں تو ہیں، سوداں کیا خاک جمع ہوں گے، اسٹیٹ ایک، ڈیرہ ایک، ایک ٹکڑا، بدلتا !  
 (مجموعہ ۲، ۲۰ - ستمبر ۱۸۵۸ء)

• وہی بالا خاں ہے اور وہی نہیں ہوں۔ میرٹھ میں پانچ لاکھ دو سو سو آئے، وہ بے دست میرٹھ آئے،  
 وہ میرٹھ آئے، وہ بے دست علی خاں آئے۔ سوئے ہوئی کا نام نہیں لیتا، بچہ ہے ہوئی میں سے کچھ  
 گئے ہیں۔ اٹھ، اٹھ، اٹھ ! ہزاروں کا ہیں، قلم دار ہوں، میں سوں کا تو بڑا کرانہ دے گا۔  
 کیا بھی پر ہم ہوا ہے ! بھوکہ کیا قلم بڑا ہے ۔ (ایک سہ ماہی ۱۸۵۸ء)

• تانا شرم میں جانا، موجب تقویت دل تھا۔ گروہ نہ تھے تھے، پر ایک شرم میں تو رہتے تھے۔ جانا  
 ایک سیردیکھ دیا ہوں۔ کئی آدمی عیور آکھیاں گم کر وہ کی طرح، بڑھوت اڑتے پھرتے ہیں۔ ان میں  
 سے دو چار مجھے پہچنے لگیں یہاں ہی آجاتے ہیں۔

• نواب امین الدین احمد خاں، ۲۲ جون ۱۸۵۹ء

• آدمی گزرتا قلم سے سوداں ہو جاتے ہیں۔ جتن جاتی رہتی ہے۔ اگر اس ہجوم قلم میں میری قوت متکثر ہو  
 قوت آگیا ہو تو کیا جب ہے، بکر اس کا ہونٹن غضب ہے۔ پرچہ کہ قلم کیا ہے، قلم مرگ، قلم خزان  
 قلم ہفت، قلم عزت۔۔۔ قلم خزان حسین میرزا، میر بہی، میر حسنہ، میر حسین، میر صاحب، شہ  
 ان کو جیتا رکھے۔ کاش وہ ہوتا کہ جہاں جہتے، وہ اس خوش ہوتے، اگر ان کے بے چارے، وہ خود آتے۔  
 سہارہ اور بکر کے محل کا جب تصور کرتا ہوں کیا بکر کے ٹکڑے ہوتا ہے۔

(بے دست میرزا، ۲۸ نومبر ۱۸۵۹ء)















”بچے صاحب مدی اٹاک پچ کر، نریش جان کے، بیک بینی و دو گوش بھرت پر چلے گئے۔“  
(علاقہ ۱۶۰، مسودہ ۱۶۱۸۹۲)

”ضیاء اللہ کی پانہ روپے کاسے کی اٹاک، اگر اشت ہو کر، پھر قرق ہو گئی۔ تباہ و خراب ہو کر  
گیا، وہاں پڑا تھا ہے، دیکھیے کیا ہو تا ہے۔“ (علاقہ ۱۶۰، مسودہ ۱۶۱۸۹۲)

”تمارے امروں۔۔۔ کی جادو کی داگشت کا حکم تو ہو گیا ہے۔۔۔ دیکھیے انجام کار کیا ہو گیا ہے۔۔۔  
ہر گاہ کیا، اگر جادو کی لی بھی نہیں تو قصداً دام دام میں گئے۔“  
(راست میرزا، ۱۶۰، مئی ۱۶۱۸۹۰)

”روپے کا نقصان اگرچہ حالہ اور جاگزا ہے، پر بوجہ ”تفت المال غلت المر“ عرض ہے۔  
جو دہر پر اتارے گیا، اُس کو جس قیمت بیٹھے اور اثبات ذات اور حقے عرض دنا موسیٰ کو قیمت بیٹھے۔“  
(انوار الرشید، اکتوبر ۱۶۱۸۵۸)

”ہاں، غلام فرماؤں غلام کی ملانی، زندگی دوبارہ ہے، خاتم کرمہدک کرے۔“  
(غلام جمع غلام، جولائی اگست ۱۶۱۸۵۸)

”بچے صاحب کا نام غلام کی لہریں قاعدہ لایا ہے۔ وہاں کے سرکردہ دنا میں شمار ہوتے تھے، یک  
وزر روپے ہزار پیش تھی۔ تین سو روپے روایت لایا ہے۔ اسے اسے اور پانہ روپے ۱۵ ڈکڑا آقا تھا۔“  
(مولا غلام رحیل مراد خیل و غلام، جدو جم، ۱۶۱۸۹۲، مسودہ ۱۶۱۸۹۲)  
”دیکھ لکھ کے لکھ۔۔۔ یہ بھی پائے رکس تھے۔ ہنگامہ ۱۶۱۸۵۵ کے بعد لائی پت پچ گئے تھے، وہاں سے  
پکڑے گئے۔“ (مولا غلام رحیل مراد، ویٹا مسودہ ۱۶۱۸۹۲)  
”میرزا غلام کے بلکہ سستی علی بخش غلام کے فرزند مراد غلام کی سستی حوزہ ملنا غلام کے شہرہ ۱۶۱۸۵۵  
یہ نضر، ہر پچس میں آگئے تھے کہ بادشاہ کی جاگیر کوٹ کا سم کے غم و غم تھے۔“  
(مولا غلام رحیل مراد خیل و غلام، جدو جم، ۱۶۱۸۹۲، مسودہ ۱۶۱۸۹۲)

”دس احادیث، بعد کہ پچھلے ہی موسم ہو گیا تھا۔ قضا و قدر کے اندر میں ہم اپنے کی گناہیں نہیں ہے۔  
 کہیں جاگیر پر جانے کی اہلیت جو ہر جاننے والا سب یک جا بہم آہم سے روٹ۔“

انتہا ، ۱۲۱۸۵۰

”ایں امریں خاں کو جاگیر دینے کا حال۔۔۔ کہ کر دیکھوں۔۔۔ ان کو جاگیر گت میرا ہی۔“

(مجموعہ ۱، ۱۲۱۸۵۰)

”نصاب ہے اور دہلی میں ان دونوں صاحبوں (ایم امین امیر خاں اور ضیاء الدین احمد خاں) کو مل گیا۔ یہی  
 ایک تحفہ ہے، خدا سب کا بھلا کرے۔“ (خاتم نبوت خاں، چھٹی اگست ۱۲۱۸۵۰)



”نواب گورنر جنرل بہادر، ۱۵۔ دسمبر کی رات داخل ہوں گے۔ دیکھیے کہاں آتے ہیں اور کہاں کو رہنا  
 کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں رات جاگیر دار تھے (دہلی کے آس پاس سے رات چھوٹی چھٹی آتے تھے)  
 کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ بھڑ، بہار گڑھ، فرخ گڑھ، دودھان، پانڈی، لواری، چار  
 سندھ و محض پٹی۔ یہ باقی ہے، اسی میں دودھان و لواری حکومت دہلی صدر، پانڈی ناصر  
 اگر صدر کے صاحب کشر بہادر ان دونوں (دودھان و لواری) کو یہاں لے گئے تو تین رئیس ہوتے

تے۔“ (۱۸۵۰ء کے خاتمہ پر ایلی دہلی شہر چھڑ کر نکلے تو ایم امین امیر خاں اور ضیاء الدین احمد خاں  
 نے لواری کا قصد کیا، پہلے پہنچے تو ان کا سامان لڑا گیا۔ دہلی میں ان کے مکافوں کو لوٹ کر آگ لگا دی گئی تھی  
 وہ دودھان پہنچے تو وہاں سے پکڑے گئے اور خاصیت انگریزوں کی خواست میں وال تھے کہ اندر گزاری، آخر تک  
 ٹیٹھ چھڑے اور انہیں چھوڑا ۱۸۵۰ء کے بعد لواری چلنے کی اجازت دی۔“

(مجموعہ خاتمہ دہلی مرزا مظہر خاں بہادر، ۱۱۹۹، صفحہ ۴۱۹)

”چار (۱) بھڑ، بہادر گڑھ، بہار گڑھ اور فرخ گڑھ۔ بھڑ کے نواب مہاراجہ خاں، بہار گڑھ کے (۲) بھڑ گڑھ  
 اور فرخ گڑھ کے رئیس احمد علی خاں کو بہار گڑھ پر جانی دے دی گئی اور ان کی ریاستیں جنہوں میں آئیں۔ بہادر گڑھ  
 کے رئیس بہادر جنگ کی ریاست خیر آباد تھی۔ دہلی کے (۳) بھڑ گڑھ کے رئیس۔“

(مجموعہ خاتمہ دہلی مرزا مظہر خاں بہادر، ۱۱۹۹، صفحہ ۴۱۹)

یکہ نہیں — دربار عام دے مادی رنگ، سب مروجہ، الہی اسم میں جبروت تین آدلی باقی ہے،  
میرے میں شعلہ نکل، سلطان ہیں میں غوری صد غوری خاں دلی دلوں کی ملک ڈنڈا سووم ہا سہ تجلی  
مہرود مہرود، مہرود مہرود،

قرآنچے جب کہ ہم بسیر، مجرم کو کیا  
آسمان سے اڑے گی ستارہ کو ہر سکہ

(جلد ۱، ص ۲۰، سب ۱۸۵۹)

”جس کو آہ، غم اور جزا، جلد گردہ اور جب گردہ اور خزا گم دیش تیس ہلک کی روایتی وٹ گئی۔  
اس، اب میں ہر صحت غم میں نے کیا ہے، اس کہ..... ہج باز۔“

(غنائی، ۱۶، مسندوی ۱۸۶۴)

”نہو کہ رنگ ہے جوں، نشیون کے مال پر اور رنس فریخ آئندہ پر خواہا کہ ہاز سے انداز فریخ  
عرب میں پھر آؤ۔“

نہیہ کہ پھر آؤ کوئی نہ ہر تیار دار

اور اگر فریختے آؤ ہر خواں کوئی نہ ہر

(غنائی، ۱۶، جوں ۱۸۶۴)

”یہاں کا مال ہے کہ سلطان امیر دلی میں تھی آؤی، فراب حسن علی غنائی، فراب حامد علی غنائی،

نے ”وہ رنگ جنسی، ۱۸۵۰ کے ہنگامے میں شرکت کی بنا پر قزلباشوں کی روگیا تھا۔“

(اصفا ختم، دہلی مر و غفور و غائب، جلد اول، ۱۹۶۶ء، صفحہ ۱۷۷)

”فراب تشعل میں غنائی، رنس فریخ آؤی، ان پر ہی ۱۸۵۰ کے ہنگامے میں شرکت کا لایم لگا تھا اور نہایت  
شہد کی گئی تھی، فراب کہ، ان کی خواہش کے معین ہاز بھی روگیا، ان کی ننگال کے باقی دن کو اکثر میں ہر سہ نے۔“

(اصفا ختم، دہلی مر، ایضاً صفحہ ۱۷۷)

”نہایت علی غنائی والی جز کے پھٹے بیٹے، اپنی شہ سے جانی فراب نہیں اور غنائی کے کہہ کر است (ایضاً صفحہ ۱۷۷)۔“





”بادشاہ، میرزا جوں بہشت، میرزا عباس شاہ (بہادر شاہ علی کے ایک فرزند جو ہندوخت سے  
 چھوڑ گئے، اذیت مل، نکلتے پہنچے وہ وہاں سے ہماز پر چھائی ہوئی۔ دیکھیے کیپٹن میں یہی :  
 لندن میں۔“ (جلد ۲۰، ۲۲، دسمبر ۱۸۵۵ء)

”میرزا الکی بخش جو شہزادوں میں ہیں، ان کو حکم لکھا کہ بندہ چلے گا ہے اور وہ الکار رہے ہیں دیکھیے  
 کیا ہو؟“ (تفت، ۵، نومبر ۱۸۵۶ء)

”کیپٹن سے بہی ہر مراد (کیپٹن آؤگنڈ ہارپ) یسٹن، ”راس اُمید“ ہے،  
 جو بڑا عقلمند فریقہ کے انتہائی جنوبی گوشے میں واقع ہے۔ اس زمانے  
 میں ولایت جانتے والے جہاز سوار ”راس اُمید“ کا چکر لگا کر اوقیانوس  
 میں داخل ہوتے تھے۔ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ استعماری  
 افراد گرم تھی، بادشاہ کو باتو راس امید میں دیکھیں گے یا ولایت لے جائیں  
 گے، لیکن اس مظلوم کو رنگوں میں دکھا گیا۔“

(مولا نا غلام رسول مہر، خطوط غالب جلد اول، صفحہ ۴۴)  
 بہادر شاہ ثانی کے دوسرے ولی محمد مرزا غفران کی مشادی میرزا الکی بخش  
 کی پیشی سے ہوئی اور شہزادہ ابوبکر اسی کے بطن سے متعلق ہے۔ پڑوس نے  
 بہادر شاہ کے دو بیٹوں کے ساتھ وہی دروازے کے باہر غریب دروازے  
 کے پاس گولی مار دی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں میرزا الکی بخش انگریزوں  
 کا محبوس رہا اسی کے مشورے کے مطابق بہادر شاہ نے اپنے  
 آپ کو انگریزوں کے حوالے کیا تھا اور شاہی خاندان کے اکثر افراد انتہائی  
 بے دردی سے مارے گئے تھے، بعد میں میرزا الکی بخش کو تیسری خاندان  
 کا سربراہ بنایا گیا اور بخشی شقی رہی۔“

(مولا نا غلام رسول مہر، ایسا، صفحہ ۹۶)

میرزا آقہ بخش کو حکم کیا کہ بندر جانے کا ہے۔ انہوں نے زمین کچی ہے۔ سلطان بھی میں پہنچتے ہیں، خود کہہ رہے ہیں۔ دیکھو وہ ہر آٹھ چھ دن خود آٹھ جاتی ہے۔ (شین میرزا، ۹۔ نومبر ۱۸۶۶ء)

• آندھرا خاندان میں بادشاہ کے بچے کی خبر دی گئی، مگر پھر کسی سے تصدیق نہیں ہوئی۔ (بھڑج، ۱۰۔ نومبر ۱۸۶۶ء)

۵۰۔ نومبر/۳۰۔ جنوری، انڈیا سال حال (۱۸۶۶/۱۸۶۷ء) نمبر کے دن ابراہیم علی مرزا علی علی بہادر شاہ قیصر مرزا قیصر جم سے آزاد ہو گئے۔ (آٹھ دنہ الیہ راجپوت، ۱۰۔ جنوری، ۱۶۔ دسمبر ۱۸۶۶ء)

..... ہندو غلوہ ۲ ذوق شرب باطل افسردہ ہو گیا۔ ۴۰

— غلبہ —

بہشت ضیاء الایمان

کامجوئے نشرو نظم فارسی ارکھ لے ہر دیکھا ہو امیراجو اوٹکی کتابچی  
 میں تباغدرین گشت کیا بعد غدر خرق شرب باطل اور دل افسردہ ہو گیا  
 غزلین فارسی جہت جو بکھر بن او سکا انتخاب بھی چنچا سے نہ سکتا رہو ہوا  
 برس برس کے بڑا ڈھنگی کس ہوا

جواب خطبہ علی خان کے نام غلبہ کا خط مورخہ ۱۸- دسمبر ۱۸۹۹ء

پیش از ذکر گوشت

نکودہ مار میں ۱۰ بارہر اور میضہ سرچ ماہ مردار بہ تین زمین حوام کی جگہ  
 قحط نہیں بد نہ اگر چہ پسند اور وہ بار کمال را بکنی غصہ و قوت ہو گیا

## انقلابِ ستادِ اور غالب کا شعری ردیہ



”انقلابِ ستادِ اور غالب کی فکر کے اس لیے کہ صرف غالب شناسوں کی نظرِ باہم  
نہیں گئی کہ اس نے ہم سے شاعرِ غالب کو جینا دیا۔“

— ڈاکٹر سید شعیب الرحمن



غزلیں، پر جو لے لے ہے، اگر اُسے جگ کتاب کی شکل میں مرتب کیا جائے تو یقین ہے کہ ایک ضخیم مجلہ تیار ہو جائے گا۔

غزلیں انگریزی میں کس موضوع پر غالب کی ایک مستقل کتاب ہے۔ ”دستبنو“ یہ غزلیں انگریز حکام کی تائید و تحمیل میں ہے اور ذاتی نقطہ اور مزاج مراتب کی طرف سے لکھی گئی ہے، اس لیے اس کے مضامین پر جبر و سر نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں انگریزوں سے سبھی کبھی وفاداری کا اظہار کیا گیا ہے اور غالب کا سدا زور بیان انگریزوں کی وکالت اور اپنی مداخلت میں صرف ہوا ہے۔ غزلیں انجم میں غالب کا آخری مجموعہ تہذیبیہ مطبع ممبئی، دہلی سے ریچ انٹرنیشنل ۱۹۸۸ء اور راکست ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ، غالب کے لی غزلیں اشعار پر مشتمل ہے جو ”کلیات غالب“ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے یا اس کی مطابقت (۱۹۸۳ء) کے بعد موزوں ہوتے۔ چالیس صفحات کے اس مختصر مجموعے میں دو قصیدے، ایک ترجیع بند، چھ قطعات، تین رباعیاں اور شاعر اشعار کا اسی فیصد سے متجاوز حصہ انگریز حکام کی شان میں ہے۔ غالب نے غزلیں نے عجیب کہا ہے کہ:

”غالب کی ان قصیدہ خواہشوں کے مقصد کو پانا کچھ مشکل نہیں۔ غالب، ایک چمکے شاعر تھے۔ دلی کے دوسو سالین شمار ہو گا تھا، دو ہزار شہ کے ملک خوار رہ چکے تھے۔ اسی صورت میں انگریزوں کی نظر میں ان کا مشتبہ ہر ناکچہ بعید تھا۔۔۔۔۔ غالب کے لیے ضروری تھا کہ وہ کوئی دکان ایسی ضرورت اختصار کرنے میں سے انگریزوں کے دل سے اس شک و شبہ کو دور کرنے میں مدد ملتی اور اس کے لیے قصیدوں سے اچھا اور کون سا ذریعہ ہو سکتا تھا، چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا اور ان کو خاص اہتمام سے شائع بھی کیا۔ اس طرح ”دستبنو“ کو غالب کی خارجی شاعری میں وہی درجہ حاصل ہے، جو ان کی خارجی شاعری میں ”دستبنو“ کو۔۔۔۔۔“

یہ دوسرے کتابیں تاریخی اہمیت کی حامل ضرور ہیں، لیکن حاشہ فی ہے غلطی ہیں۔ میر ہندی غزل کے نام ۲۔ فردوسی ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں غالب نے دلی کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”مذکر اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے  
چلے گئے ہیں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے۔“

یہ شعر غالب کے انتقال کے کئی ماہ بعد تین ماہ پہلے ”محمود ہندی“ میں شائع ہوا (محمود ہندی)

جمع اقل، طبع نقبانی، میرٹھ ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۶۸ء، صفحہ ۱۸۲، اس وقتانی شعر کے علاوہ، جو درانِ غالب سے خارج ہے، اردو نظم میں، غالب کے ہاں دائرۂ تذکرہ سے کتنی غرض ایک خوشی قطعہ ملتا ہے۔ یہ ۱۸۵۸ء کے ایک خوب نام ملاتی میں محفوظ ہے و

ہر خوشی تجھے چھوٹا ہے	بکے فضل، میرٹھ ہے آج
زہر و ہوتا ہے آبِ انار کا	گھر سے بازار میں نکلتے ہوتے
تھرنا ہے نرنگ زخاں کا	ہرک جس کو کہیں، وہ متعل ہے
تشہ خوں ہے ہر مسماں کا	شہرِ ملی کا مذہ و ذرۂ خاک
آدمی دامنِ نہا کے، یاں کا	کوئی دامن سے نہا کے یاں تک
وہی ذاتِ حق و دل و جسد کا	میں نے ماکو مل گئے پھر کیا؟
سرسبز راغاسی پنہاں کا	گاہ جل کر گیا کیسے شکوہ
باجرا دیدہ بای گمراہ کا	گاہ رو کر کس کیسے باہم؟
نکاحی دل سے داغِ جہول کا	اس طرح کے وصالِ عذیب

۱۸۵۷ء کے بعد غالب کا اردو دیوان، ان کی زندگی میں متعدد بار شائع ہوا، لیکن اس قطعہ کو دران کی کسی اشاعت میں جگہ نہیں ملی۔ یہ قطعہ ان کے انتقال کے بعد ۱۸۶۹ء میں ”اردوئے معلّٰی“ کے ذریعہ پہلی بار شائع ہوا۔ اس ایک استثنائے علاوہ غالب کے کام میں ہمیں ۱۸۵۷ء کے دل و دماغ کے کوئی آثار و احساس نہیں ملتا۔ اور یہ اتنی غیر معمولی بات تھی کہ خود غالب کی زندگی میں سوال بن کر زبان پر آگئی تھی۔ غالب نے کس کا چاہا جواز پیش کیا ہے؟

”و اُسے جھٹو! مرثیہ کہیں تو ایک کا کھیں، (مرثیہ تو دو کا کیجئے، جب تو ام شہر برباد ہو کر گرجا جاتے تو کیا خاک بن آتے ہیں۔۔۔۔۔“

”و فریادِ احساس“ بھی اس کا باعث ہو سکتا ہے، اِسے بے بغاقتی اور بے حس و شاعری سے بھی

۱۔ حاتمِ علی

۲۔ تفصیل کیجئے دیکھئے، اشارتِ غالب، ڈاکٹر تیسے عین الرحمن، ۵۰، پتہ ۱۹۶۹ء، صفحہ ۷۹۔ ۸۲۔

۳۔ اردوئے معلّٰی، جمع اقل، اصل و طبع، دہلی، ۱۸۶۹ء، صفحہ ۱۰۴۔

۴۔ میرٹھ، تاریخِ نکاحی، اردو، طبع میرٹھ، ۱۹۶۸ء، صفحہ ۴۴، بولا، اصل و طبع، اردو، نکاحی، ۱۹۶۸ء، صفحہ ۴۴۔







ماطرہ ستر و سہ پہ کی پٹن اور صنعت اکٹس زخم کاری کا مرم نہیں ہو سکتا تھا، ہر حادثہ فہرہ سے ان کے دل پر نگاہ رہا۔ ایک ضعیف اور ادا انسان، وقت اور احتیاج سے مجبور ہو کر صدقہ و عطا تینا اور پی وی دل سے کر دیتا ہے، مگر کچھ اس سے دل کے اعلیٰ عموما و جذبات مت نہیں تھکتے۔ علی الخصوص ایسے حادثہ کبریٰ اور ضعیف عقل کے موقوفوں پر جس کو دیکھ کر جسے جسے خوار و ذلت فہرہ شش دلوں سے بھی آہیں نکل گئی ہوں گی۔

لیکن ۱۸۵۷ء کے ”حادثہ کبریٰ“ اور ”ضعیف عقل“ پر غالب کے دلی جذبات اور اصلی و حقیقی عموما و شعری پیکر میں نہیں ڈھلے۔ ان کا نگاہ و نگاہ ان کے نظروں میں ہوا ہے جو اس موضوع پر غالب نے زیادہ تر اس احساس کے بغیر لکھے کہ یہ کسی چینیس گے بھی انہوں میں انقباض ستان سے متعلق غالب کے حقیقی جذبات اور ان کا سوز و دل چھوٹا کرتا ہے۔ — اشعار غالب اس سے گھبراتی ہیں۔ — اس امر پر اعلیٰ کلام غالب میں اس داستانِ دلم کی تفصیل محض نہیں، کسی طرح درست نہیں۔ اہل علم نے کلام غالب سے اس نوع کے نتائج، اس صورت میں نکالے ہیں، جب انہوں نے۔ غالب کے اشعار کو صحیح خاطر میں نہیں دیکھا اور شاعر کے کام کا مطالعہ تاریخی اور ذہنی ترتیب سے نہیں کیا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء اور اس کے اثرات و ابعاد کے بارے میں کلام غالب سے استشاد کی روایت چند کے ڈاکٹر سید محمد رفیع ڈالی، انہوں نے ۱۹۱۹ء میں دیوان غالب، نظامی ایڈیشن پر ایک مفضل مقدمہ تحریر کیا اور دو برس بعد ۱۹۲۱ء میں اس پر نظر ثانی کر کے اسے زیادہ دلچسپ بنا دیا۔ ڈاکٹر سید محمد نے بارہ تیرہ صفحات (ص ۳۳-۴۵) ضمن اس بحث کے لیے وقف کیے ہیں کہ انقلاب ستان کا غالب کی حیثیت پر بہت گہرا اثر ہوا، وہ سیاسی خیالات سے بے بہرہ نہیں تھے، انہیں کئی قوی تباہی کا جھریا ہوا تھا۔ — وہ اپنے اس موقف کی تائید میں ڈاکٹر سید محمد نے غالب کے کبھی سے زیادہ اردو اشعار پیش کیے ہیں۔ — لیکن اس بحث آفرینہ کی کچھ حقیقت اور وقت باقی نہیں رہتی، جب یہ معلوم ہو کہ غالب کے جن اشعار کو سند میں پیش کیا گیا ہے وہ بیشتر ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۲ء سال پہلے کے ہیں جب غالب کی عمر ۱۸ سے ۲۴ سال کی رہی ہوگی۔ ان اشعار میں سے کسی ایک کا بھی انقلاب ستان سے کچھ تعلق نہیں۔ — بلکہ صفحات میں ڈاکٹر سید محمد کے مقدمے کے متعلقہ اقتابات، اشعار و

لے اہل علم کے نامہ، ۱۹۱۳ء، بکراں، غالب اور ابوالکلام، ریف، صفحہ ۶۲

۱۔ مقدمہ، اردو دیوان غالب مع شرح نظامی، نظامی ایڈیشن، بڈایوں میں ششم، ۱۹۲۷ء، صفحہ ۹-۳۷  
۲۔ ڈاکٹر گیان چند کو اقباس ہوا ہے کہ یہ ڈاکٹر سید محمد ”سرتیہ کے صاحبزادے“ تھے۔ —  
(صحیفہ، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۹ء، ص ۵۰)

راقم بحروف کے موافق کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے :

۱۔ اکثر صاحبان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ غالب سیاسی خیالات سے بے پروا تھے اور ان کو ملکی و قومی تباہی کا بالکل احساس نہ تھا ، میرے عزیز دوست سید اسعود صاحب ..... ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

” غالب کی اکثر تحریرات میرے پاس موجود ہیں جن میں انہوں نے انگریزوں کی اور انگریزی طرز حکومت کی بہت سی تعریفیں کی ہیں ۔۔۔۔۔“

مجھ سے انکار نہیں ، لیکن کسی غیر ملکی حکومت یا طرز حکومت کی تعریف و توصیف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاعر ملکی و قومی جذبات سے بے پروا ہے ، اس لیے میں نے اس تحریر میں جا بجا خود مرزا ( کے اشعار اور ) عبارتیں نقل کر دی ہیں تاکہ آپ کی حیثیت سے بھی پتہ چل جائے کہ وہ ان حالات سے کس درجہ متاثر تھے ان کو اپنے ملک کی مٹی پرانی عظمت کا کتنا گہرا احساس تھا ..... غالب نے کچھ تو اس نپٹنے کے حالات کے اعتبار کے باعث اور کچھ خود اردو شاعری کے خاص طرز بیان کی وجہ سے اگر ملکی و قومی جذبات کو انفاذ میں پیدا ہے تو ..... قہر کا کیا مقام ہے ۔“

( مقتدر ، ۲۲ )

” اُس زمانے میں جو حالات تھے اُس کے اعتبار سے صاف صاف الفاظ میں ان خیالات کا اظہار کرنے سے وہ معذور تھے اور میرزا ایسے خیالات کا اظہار نہایت گہرے اور پوشیدہ معنوں ہی میں کر سکتے تھے ۔ چنانچہ ایک خط میں ملک کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ” دو مفضل حالات لکھتے ہوئے ” خدا ہوں “ اور پھر لکھتے ہیں :

زبان اہل زبان میں ہے مرگ خاروشی  
یہ بات بزم میں دشمن ہوتی زبانی شمع

اور پھر لکھتے ہیں :

آتش کدہ ہے سبب زرا زدنیل سے  
اُسے دلتے اگر معرض اظہار میں آئے

۱۔ بعض غالب دانشور اور شاعرانہ حلقوں میں ۱۸۵۷ء ( نو فروری ) کو دہلی ۱۹۷۷ء ( ۱۱ صفر ۱۲۷۷ء ) میں شاعر مرزا نے یہ خیال اظہار کیا تھا کہ ملکی و قومی تباہی کا وہ بڑا ہی شعور و دعا کی فکر تباہی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا ۔  
۲۔ پھر ۱۸۵۷ء ( ۱۱ صفر ۱۲۷۷ء ) میں مرزا نے ( نو فروری ۱۸۵۷ء ) لکھے ہیں ۱۸۵۷ء کی تباہی سے کوئی نسبت نہیں ۔

ایک اور جگہ جتنا ہے :

گرو خٹھی سے منہ نہ اٹھانے حال ہے  
خوش ہوں، مگر میری بات کہیں حال ہے !

(مقتدرہ : ۴۶)

”بندوستان میں کی زندگی کا خاتمہ پریشیت ایک قوم کے ۱۸۵۰ کے مشہور جنگ کے سے پہلے ہو چکا تھا اور اُس وقت کے شعراء اور صاحبان سیاست دونوں نے اسے محسوس کیا۔ اہل سیاست کے اسی کا نتیجہ جنگ مرزا اور شہزاد نے مختلف طریقوں سے اس پر فوج کیا۔ مرزا غالب کا اس کا اس کا اثر تھا اور انہیں نے ہدایت پرورد پیلے میں اس کا اظہار کیا ہے :

کیوں گرو خٹھی دام سے گھرا نہ جانے دل ؟  
انسان ہوں پلار و سافر نہیں ہوں میں  
یاد زمانہ بل کوٹا آ ہے کس لیے ؟  
سوج جہاں پر حوت مکر نہیں ہوں میرا

پھر کہتے ہیں :

بستی ہماری اپنی منہ پر وسیل ہے  
یاں تک تھے کہ آپ ہم اپنی قوم پر تھے

(مقتدرہ : ص ۴۴، ۴۳)

اے پیشتر، شہزاد محمد (۱۸۸۱ء) کا حال ہے۔ دیکھئے شہزاد محمد، مرتبہ : پروفیسر مسعود احمد خاں، لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۲

۳۔ ۲۳۔ شعبان ۱۲۹۹ھ - ۴۔ جولائی ۱۸۵۰ء کو غالب قزوین شہر سے متعلق رہنے لگا۔ وہاں نے انہیں خطاب اور خلعت دیا اور شہزادین جزیہ کی تاریخ لکھے کی خدمت، ان کی کہ پہرہ ہوتی تو غالب نے طرز فہم پر ایک ٹول لکھی (دیکھیے : مکتبہ غالب طرخی طبع دوم، تین، ص ۵۲)۔ یہ شعرا غزل کے ہیں۔ جنگ مرزا و ان اشعار کے کہ جانے کے سات برس بعد قزوین میں آیا اس لیے جن اشعار کو ۱۸۵۰ء کے مشہور جنگ کے کا پڑدو فوجیوں کی، جنس کی بات ہے۔

۴۔ یہ شعرا محض غالب (۱۸۱۶ء) میں سرور (۱۸۲۳ء - ۲۲۵ء) فخر خوش زاد (ص ۸۹) یعنی جنگ مرزا و ان سے چالیس سال سے بھی زیادہ پہلے کا !

” چنگار۔ ۱۸۵۰ء کے بعد دلی اور نواح دلی پر جراتیں کرتیں، انہوں نے ہزار ہائے گلاب  
 خدا کو بے خاندان اور تار کر دیا۔ شہزادے اور شہزادیاں جنگوں میں مارے مارے پھرتے تھے  
 دلی اجڑ گئی اور شہزادے کے مکان ویران و برباد کر دیئے گئے۔۔۔۔۔ ان واقعات کو مرزا  
 غالب نے چشمِ غم و دیکھا تھا، غالب اس کے متعلق فرماتے ہیں :

” کم نہیں وہ بھی خرابی میں پے دستِ معلوم  
 دشت میں ہے لہجے وہ عیش کو مگر یاد نہیں  
 (مقتدر، ص ۲۲)

” اپنے ملک و شہر کے لوگوں پر جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، ان پر مرزا خون کے آنسو بہاتے ہیں۔۔۔  
 خاص کر سلاطین پر جو مسلم آتشے گئے، وہ ناقابلِ بیان ہیں۔ مرزا لکھتے ہیں۔۔۔۔۔

دل میں خود تو مسلسل دیا ویرانک باقی نہیں  
 آج اس مگر میں گی ایسے کو جو خدا جل گیا

دل نہیں دکھاتا درد کچھ کو داغوں کی ببار  
 اس چرخِ فداں کا کہ دل کیا کا رنہ اہل گیا

۱۔ یہ شعر ”نثر و شیعری“ (۱۹۲۶ء) میں شامل ہے۔ دیکھئے :  
 ”نثر و شیعری“ مجلہ ۱۹۶۶ء، ورق ۴۲ ب (حاشیہ)  
 ۲۔ اس لیے یہ یقیناً ۱۸۵۰ء کے واقعات متعلق نہیں۔

نہیں ہوں اور خسرو کی آرزو غالب کر دل  
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا میں گہ

(مقتدر صفحہ ۳۷۲)

تجو مصائب اہلِ ہند پر ۱۵۵۷ء کے کچھ پہلے اور پھر اُس کے بعد نازل  
ہوئے، وہ بعد اُسے خود آئندہ کے لیے ایک سبق تھے، جس کو مرزا نے کس خوبی سے  
ادا کیا ہے اور ان کی خواہش ہے کہ ان کے ہم وطن اُن سے سبق حاصل کریں  
اور آئندہ کے لیے منتہی ہوں :

اہلِ پیش کو ہے اطوفانِ حرارے اکتسب  
نظمِ سوچ، گم از سبیلِ استاذِ نہیں

(مقتدر ۳۷)

یہ اشعار منور حمید پر میں دیکھے جاسکتے ہیں، صفحہ ۱۷۳، قطعِ بیاضِ غالب  
(۱۸۱۶ء) میں شامل ایک غزل کے قطع و نقوش ہیں ۱۷۵۹ء و نصفہ  
عرشی زادہ (۱۷۵۷ء) کی قافیہ صورت ہے، ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۰ء میں  
پہلے کے ان اشعار سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ۱۷۵۷ء میں اپنے ملک و شہر کے لوگوں  
پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں اُن پر مرزا خون کے آنسو بہاتے ہیں، یادِ ہزار  
کرتا کہ ان اشعار میں اُن مقامِ لم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ۱۷۵۷ء  
میں خاص کر مسلمانوں پر توڑے گئے کسی طرح بھی نہیں۔

یہ شعر منورِ شیرانی (۱۸۲۶ء) کے ورق ۴۳۔ ب پر موجود ہے، یعنی ۱۷۵۷ء  
سے تیس سال سے جس زیادہ پہلے کا ہے، اس کی بنیاد پر یہ حکم لگایا کہ  
صبح ہو سکتا ہے کہ ۱۷۵۷ء سے کچھ پہلے اور اس کے بعد اہلِ ہند پر  
جو مصائب نازل ہوئے، غالب نے انہیں خوبی سے شعر میں ادا کیا ہے ؟  
یاد رہے کہ غالب کی خواہش یہ تھی کہ اُن کے ہم وطن اُن مصائب سے سبق  
حاصل کریں اور آئندہ کے لیے منتہی ہوں - ۹۹

”دلی فتح ہونے کے بعد نہ صرف اہل دہلی نے بھرپور ترقیاً تمام ملک نے انگریز ہی سرکار کی اہمیت قبول کر لی اور طرح طرح سے اپنی وفاداری کا اظہار کرنے لگے لیکن حکام انگریز ہی کا بوجھل اشتیاق کم نہ ہوا۔ ہنگامے کے حالات ان کو فراموش نہ ہوتے۔ دکن کو سزا تھی، دہلی تھیں۔ اُتر کی جاگیریں ضبط ہوئیں۔ مڑا کے مکانات مسدود دیتے گئے۔ مڑا ان حالات کا ذکر..... شکایت کے پہلو میں یوں کرتے ہیں:

دائے عسر ہی تسلیم و بد احوال و غم  
جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ نسر اور نہیں ہے

(مقتدرہ: ۳۶)

”ایک اور جگہ رستم فرماتے ہیں: ”جانی، برو کی آہنی ہے“..... اور پھر سزا تھی، دہلی تھیں، ان کی سختی کی گویا یوں شکایت کرتے ہیں:

ہر چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے  
آفرگفت چنگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں ہے

(مقتدرہ: ۳۶، ۳۷)

”ایک دوست کو کہتے ہیں: جانی ہندوستان کا ظرو سہ پڑا تو ہوگا، دھکوں مر گئے ہوں زائدہ ہیں، ان میں سیکڑوں گرفتار بند ہیں۔“ ایک دوسری جگہ شاہی خاندان کی تباہی کا ذکر..... کہتے ہیں۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں بہت کم ناخین نے اپنے مغلوب حریف کے اہل و عیال و نسل کے ساتھ اس قسم کا سخت برتاؤ کیا ہوگا جراثیم انڈیا کمپنی کے ناسدوں نے بہادر شاہ کے خاندان کے ساتھ روا رکھا۔ ان تمام خیالات کے هجوم سے مڑا غالب اس قدر متاثر ہیں کہ جن کا اندازہ مشکل سے کیا جاسکے۔ اپنے درد و دل کا اظہار ذیل کچھ شعر میں بھی فرماتے ہیں اور کہتے پڑو وہ اغلاظ میں کہتے ہیں:

۱۔ یہ شعر بھی نسخہ شیرازی (۱۸۲۹ء) میں شامل ہے (درق ۴۲ - ج ۱)۔ اس لیے یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ وہیں میں شمس ہنگامے کے حالات کا ذکر شکایت کے پیرائے میں ہوا ہے۔ جربجائے خود اس شعر کے کامل اکتیس برس بعد ظهور پذیر ہوا۔

۲۔ یہ شعر، غالب کی اکس غزل کا ہے جو غالب نے بہادر شاہ ظفر سے خطاب و خلعت اور خدمت پانے پر طرزِ آوازہ میں ۲ - جولائی ۱۸۵۰ء یا اکس کے متا بعد کبھی اسے واقعہ ۱۸۵۰ء کے بعد جفا میں دیکھ کر درست نہیں۔



گفتن میں بددلت پر دلگدگ ہے آج  
قری کا حق حلف تیرا نہ ہے آج  
آج ہے ایک پارہ دل ہر نفس کے ساتھ  
تیرے نفس کا کھنڈنکار اثر ہے آج "۔

(مستند ۱۳۸)

غالب کے دیوان میں جگہ جگہ ایسی شاہیں ملتی ہیں جن سے ان کے مختار وطن کا اظہار ہوتا ہے اور وہ بار بار اپنے ملک کی پانچویں پر دہکتے ہیں۔ ایک..... جگہ فرماتے ہیں،  
ہندوستان سایہ گل، پایہ تخت خدا  
جاہ و جلال عہد وصال ہستان نہ پرکھ

۱۔ پہلو شعر، بیاضی غالب (۱۸۱۹ء) میں موجود ہے (نقوش) ص ۱۰۴-۱۰۵، نسخہ خوشی زاد ۱۰۲ ص ۲۰، اردو سرائف، نسخہ حمید (۱۸۲۱ء) صفحہ ۹۷ کے ملاحظے پر سوتے نظم سے ٹکرتے تھا میں تقریر ہوا ہے۔ غزلیہ و دوزخ شعر ۱۸۵۰ء سے ۲۰۱۲ء سال پہلے کے ہیں، اس لیے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ غالب نے یہ شعر اہل ہند کی تباہی اور برباد شدہ اہل دیہات پر اگر یہ حکام کے خلاف سلوک سے متاثر ہو کر قلم اٹھا نہیں کئے۔ غالب کے ایک جدید شریع نگار نے بھی ان اشعار کی توجہ سہ ۱۸۵۰ء کے جنگلات کے پس منظر میں کی ہے۔ اس کا پہلی درجہ کو باطلت اور عبرت سے غافل نہ ہو گا۔  
۲۔ غالب کا یہ شعر غالباً ان ایام میں لکھا گیا جب کہ جنگ مرہ ۱۸۵۰ء واقع ہوا یا بعد میں مگر اشارہ انہیں حالات کی طرف ہے، جس میں جنگلات میں وہی والوں پر گزرتے یہ ہیں "دکھن" سے مراد وہی ہے کہ آجہ قری "وہی والوں سے" اس وقت وہی کی تمام آبادی بہ اسٹیشن چنڈ، جن کی رعایت انگریزوں کو منظور تھی، سب وہی سے نکال دی گئی تھی۔ مگر کی محنت کسی کو نہیں ہوتی اور بالخصوص جب یہ سرد سال کی حالت میں باہر پڑے ہوتے ہیں۔ باہر نکالے سرخ رنگ رات کے اندھیرے میں چہرے کی پچھ شہر میں داخل ہوتے اور پہرہ داروں سے بچ کر گھر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے تو حکومت کا آؤنگ ہوا دیکھ کر دایو کی وجہ سے چمکت پر سرگٹا دیتے ہیں۔ دہانے میں کٹا، زنجیر عام طور پر نیچے چمکت میں ہی لگائی جاتی تھی۔ ان حالات کا بیان غالب اس شعر میں کرتے ہیں..... دوسرا شعر بھی، جس کا اثر کے تحت لکھا گیا ہے۔

(صاحب زادہ حسن علی خاں، مفہوم غالب، مکتبہ میری لاہور، ص ۵۰، پڑ ۱۹۶۹ء ص ۲۴)

ہر داغِ آلودہ ایک ولیِ داغِ اشعار ہے  
خوش نصیب سے نہ دردِ اشعار نہ پوچھو نہ

(مقتدر ۱۰۲۹)

۸۔ ایک خط میں لکھتے ہیں : خداوند گرامی تم ولی کو آباد اور قلعہ کو مستقر اور سلطنت کو بدستور رکھو ہرے  
بر ۹۔ بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں ۔ ” ایک دوسرے نہ میں لکھتے ہیں ، ” اپنے کھنڈر ! کچھ نہیں لکھتا کہ  
ہم بہارستان پر کیا گزری ۔ ” سوال کیا ہوئے ، ” اشخاص کہیں گئے ، خاندان شجاع اللہ دلا کے زین بدر کا کیا انجام  
ہوا ؟ ..... ” ابی تمام واقعات ولی فرخاش پر دستے ہیں اور فرماتے ہیں :

میں آقا گرو دار غائب تو لے اہل جہاں  
دیکھنا اب بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں نہ

(مقتدر ۱۰۲۹)

کسی قدر معنی خیز اور دردناک شعر ہے ۔ ۱۰۔  
۱۱۔ اگر مرزا غائب کے دیوان کو بغیر ترجمہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کو پہلے ملک سے کس وجہ سے  
ہجرت ہے۔ اپنے صاحب شہ قومی وقار کا کس وجہ سے رنج ہے اور اپنی کھوئی ہوئی کلی آبادی پر ان کے افسوس کی نہیں  
تھکتے ، فرماتے ہیں :

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں  
لیکن اب نقش و نگار حلقِ نسیاں ہو گئیں  
ہوئے خالی آنکھوں سے جیسے دو کہے شامِ فراق  
میں یہ سبکوں گا کر شمعیں دو فروزاں ہو گئیں نہ

(مقتدر ۱۰۳۰-۳۱)

۱۲۔ یہ اشعار بیاختہ غائب ( ۱۸۱۶ء ) سے ماخوذ ہیں ( نقوش ) ص ۱۹۲-۱۹۳ ، سفر خوش زاد  
ص ۳۶ ، ۱۹ جنوری ۱۹۱۸ء کی لکڑی کے غائب کے اور نقوایہ ص ۱۸۵ء سے ص ۴۱ برس پہلے کے ۔  
اولیٰ اندر سمر کی سند کے ساتھ یہ دفتر فریدی نے بھی لکھا ہے کہ :

” خود میں ہندوستانوں کی ناکامی اور انگریزوں کی کامیابی کے بعد مل پر جو کچھ گزری ” ص ۱۱ پر  
غائب کا دل بدشاہ ” ( دوسرا فریدی و ادبی القاد ، اردو ریسرچ اکادمی ، رام پور ۱۹۷۳ء ص ۶۷ )

۱۳۔ یہ اشعار غائب کی کس منزل سے ہیں جو دلی اردو اخبار ” اہل ۱۳ ، نمبر ۳۲ مورخہ ۲۱ شوال  
۱۲۶۸ھ مطابق ۲۸-۲۹ اگست ۱۸۵۲ء میں اس سیر کیسے لکھا ہے برقی خط کہ یہ اس جتنے  
کا کام ہے ( سفر خوش ) ص ۳۴ ) ( ظاہر ہے یہ اشعار ، اس وقت کے میں جب ولی  
آباد ، قلعہ مستقر سلطنت مستقر اور آباد ، درجو ، حترا )

”ہی وقت تک ہر حالت تھی، اُسے یاد کر کے کہتے ہیں۔  
 کیا ملک ہم ستم زردان کا جہنم ہے  
 جس میں کہ ایک بیضہ مرد آسمان ہے“  
 (مقدمہ ۴۰)

”اپنی کل آزادی کے جانے پر ہر چند صبر کرنا چاہتے ہیں، لیکن خبیث نہیں ہوتا اور ہے اختیار پہنچا  
 اٹھتے ہیں۔“

”بس کہ روکا میں نے اور کچھ نہیں بھریا ہے۔ پچھ  
 میری آہیں بجائے چاک گریباں ہو گئیں تھیں  
 (مقدمہ ۴۰)

”جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور سلطنت کے ملک بن چکے، اس وقت سے برابر۔  
 ان کا یہی دھول دیا کہ وہ ہندوستان میں صرف ہندوستانوں کے مفاد کی طرف سے حکومت کر رہے ہیں۔  
 اور یہ کہ ان کا ملک ہندوستان کی حکومت، ہندوستانوں کو روز بروز دہی جانے لگی۔ یہی ملک کہ ایسا وقت  
 آئے گا جب حکومت کی مدد ہی وقت واری اہل ہند کے سپرد کر دی جائے گی۔ مرزا غالب کہتے ہیں اور حسرت  
 دہلی سے کے ساتھ کہتے ہیں۔“

”آہ کہ چاہیے ایک شہر اثر ہونے تک  
 خون جیوا ہے قری زلف کے سر سے تک  
 دلم ہر صبح میں ہے حلقہ صد کام ننگ  
 دیکھیں کیا گدے سے قویہ چکر ہونے تک  
 عاشق صبر طلب اور فنا جیوا  
 دل کا کیا ملک کہیں غریب جگ ہونے تک  
 (مقدمہ ۴۱)

”لے“ شعر ۱۵۵۷ سے چالیس سال سے بھی زیادہ پہلے کا ہے اور جیوا جی غالب (۱۸۱۷ء)

میں موجود ہے (فقوش) ۱۹۶۷ء ۱۹۶۷ء (شعر غرضی زادہ ۱۱۰۷)

”لے“ شعر کل آزادی کے جانے سے کنی برس پہلے (اگست ۱۹۵۲ء) کا ہے!

”عاشق دلم صبر طلب جیوا میں نکال ہیں (شعر ۱۵۵۷ء) اور کن ششیں سیسی ہی نظر نہیں رکھتے۔“









ڈیڑ سو دو سو روپے کے صرف میں بڑا میں۔ میرے خاطر جمع کر کام میرا اب ایک جا فراہم ہے۔ ہر ایک شہزادے نے اس جہیز نظم و نشر کی نقل لی، اب دو جگہ میرا کام اکٹھا ہوا۔ جس سے یہ فتنہ بڑا ہوا اور شہر اٹھ۔ وہ دونوں جگہوں کا کتاب خانہ انجمنِ ایفا ہو گیا۔ ہر ہندو نے اسی دورے کو ڈرتے۔ کہیں سے، ان میں سے کوئی کتاب لے کر آئے۔ وہ سب نظمیں ہیں..... اگر کہیں ان میں سے کوئی نسخہ لے کر آئے، تو اس کو میرے واسطے خرید کر لینا اور پھر کو حسلہ کرنا۔ میں قیمت بھیج کر طلباوں کا۔۔۔

(آرام، ۱۱، دسمبر ۱۸۸۵ء)

”یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ ذاتِ خاص باقی، ذاتِ کمزور کتاب فروشوں سے کہہ دوں گا، اگر میری نظم و نشر کے رسالوں سے کوئی رسالہ آجائے گا تو وہ مولے کے خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔۔۔“

(جنرل، ۲۲ - فروری ۱۸۹۱ء)

میں نہیں کہ غالب کا سرائے علی، کیا نظم، کیا شعر، کیا اردو، کیا فارسی، ۱۸۵۷ء کے فتنہ و فساد کی نذر ہوا۔ اس سے بھی کہیں بڑھ کر ستم یہ کہ اس غارت گری کے نتیجے میں غالب کا ذوقِ شعر باطل اور دل آفرود ہو گیا، سخی فحشا اور ہر گھر کی خوش زندگی جاتی رہی۔ قوتِ اظہار پر تصرفِ باقی نہ رہا اور وہ شعر سے بیزار ہو گئے،

”جہاں شہزادہ بن خاں کا مجموعہ نشر و نظم فارسی اور اردو و سرائی لکھا ہوا میرا، جو ان کے کتاب خانے میں تھا، اندر میں لٹ گیا۔ بعدِ فتنہ ذوقِ شعر باطل اور دل آفرود..... وہ نہیں سزا لیں، وہ سزا دہندہ..... کھیں ہیں۔۔۔“

(غالب کتب علی خاں، ۱۰، ستمبر ۱۸۹۶ء)

وہ شعر کو تو لے لے اور لکھ کر شعر سے ہرگز نسبت باقی نہیں رہی، اس فتنہ و فساد (۱۸۵۷ء) کے بعد ایک قصیدہ ”دستگیر“ (نومبر ۱۸۵۷ء) میں ہے اور ایک قصیدہ (مارچ اپریل ۱۸۵۹ء) غالب تعلیمت گورنر بہادر عزب و شمالی (ساجد ایڈمنٹن) کی مدح میں ایک اور قصیدہ (مارچ ۱۸۵۹ء) غالب تعلیمت گورنر بہادر پنجاب و سرائیٹ منگھری کی مدح میں اور دو بیت کا ایک قطعہ اور ایک ڈیڑہائی، اس نظم کے سوا، اگر کوئی لکھا ہو تو مجھ سے ستم چلیے۔۔۔“

(چودھری عبد الغفور سرور، ۱۸۵۹ء)

”فارسی کیا گفتوں، یہاں ترکی تمام ہے۔ انجمن و احباب یا مقتول یا مفقود انجمن



بزاروں کا ہجوم داروں۔ آپ غزوہ اور غلبہ ہیں۔ اس سے تعلق نظر کہ تباہ اور غراب  
ہیں اور فرائض پہنچتا ہے، پارکاب ہوں۔ ۱۱۔

(جنوری بریلوی ۵۰ - ستمبر ۱۸۵۹ء)

۸۔ میں انوات میں ہوں، سرورہ شعر کیا کہے گا؟ غزل کا آؤ سنگ بھول گیا۔ معشوق کی  
کو قرار دوں جو غزل کی بدکش منیر میں لکھو؟ رہم قصیدہ، محدود کن ہے؟۔۔۔۔۔  
مگر رنٹ کے مدار میں ہمیشہ سے میری حرف سے قصیدہ نذر گزرتا ہے۔۔۔۔۔ خلعت  
۹۔ غزوہ ۱۔۔۔۔۔ بلکہ گواہ کرتا ہے۔ آب و تاب گورنر جنرل بیادریاں تھے میں دربار  
میں نہ جاتے جانے کی توقع نہیں، بھر کس دل سے قصیدہ کہوں؟ سلامت شعر، اعضا، و  
جوانی کا کام نہیں، دل چاہیے، و مانع چاہیے، ذوق چاہیے، انگ چاہیے، پیلان  
کہیں سے ہادی جو شعر کہیں؟ چٹو برکس کی عمر، دلاور شباب کہاں؟ رعایت  
فن اس کے اسباب کہاں؟ آنا پڑنا آئیے راجپوت۔

(مرد و حری عبد الغفور مراد ۱۸۵۹ء)

۸۔ اشعار تازہ، مانگتے ہو، میں سے ہادی؟ عاشقانہ اشعار سے بلکہ گودہ بند ہے جو  
ایمان سے لکھ کر۔ مگر رنٹ کا بھٹ تھا، جتنی کرتا تھا خلعت پاتا تھا۔ خلعت موقوف،  
جشن متروک۔ نہ غزل، نہ دھرت، نہ دل، بھر، میرا آئین نہیں۔ بھر کر کیا کہوں؟ رہے  
بیوان کے سچے بچے نہ کرنا گیا ہوں۔ اکثر اطراف و جانب سے اشعار آجاتے ہیں۔  
اصول چاہتے ہیں۔ یاد کرنا اور نجاتی واقعہ ہیں۔ ۱۱۔

(علاقہ ۶ - جولائی ۱۸۶۰ء)

۸۔ میں شاعر نہیں، اب نہیں رہا۔ مرثیہ سنن ہم رہ گیا ہوں۔ روٹھے بیوان کی طرح بچ  
باتے کہ گئی کا ہیں۔ بدلت دھیم شعر کیا بچے سے ہاتھ بھٹ گیا۔ اپنا لگا کام دیکھ کر جن  
رہ جاتا ہیں کہے تھے نے کہیں کرکھتا ۹۔ ۱۱۔

(تفتہ ۱۱ - اپریل ۱۸۵۸ء)

۸۔ نثر کیا کہوں گا اور نظم کیا کہوں گا۔ وہ نثر جو تم دیکھ گئے ہو وہی دو چار ورق ڈاؤن  
اور جی سیہ کیے گئے ہیں۔۔۔۔۔ جب آؤ گے اور پھر کہتا پانگے تو دیکھ لو گے۔ ۱۱۔

(بریلوی، ہفت روزہ ۱۸۵۸ء)

۸۔ نظم و نثر کا کام مرثیہ پس کی شوق کے اندر سے چلتا ہے اور نہ ہر مرثیہ خوشن  
کہیں؟ بڑھا بیوان کی بچ بات ہے، زندہ نہیں رہا سکتا۔ ۱۱۔  
(نیدھرمسن ۲۱ - ستمبر ۱۸۶۰ء)

” قصیدے کا قصد ..... تو کر لیتے ہوں، تاہم کون کہے گا؟ سوائے ایک شخص کے کہ وہ  
 بچا ہی روس کی شوق کا نتیجہ ہے، کوئی قوت باقی نہیں رہی۔ کبھی برساتی کی، بچی غم و غمزہ لکھتے  
 ہوں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تقریر میری ہے، مگر یہ نہ بتاتا ہوں کہ یہ شذیہ ہے کیوں کہ کبھی حتیٰ الحد  
 نہیں کہ شعر لکھتے تھے۔ “

( چٹھری جیل انٹرویو، ص ۱۸۱، نومبر ۱۹۵۹ء )

” از در باز غم و شرم کی گیم، غم خواہی پارس، خواہی اردو، خواہیست فراخوش۔ “

( رخت جودہائی، افشا سے فریشتہ، ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء، برائے )

مقدمہ دروانِ غالب، ۱۹۸۱ء، ص ۶۸ )

” میں! خدی جان کی قسم، نہ میرا اب ریت لکھے کوئی چاہتا ہے، نہ جسے کہا جاتے۔

اس وہ برکت دی حرف وہ پچیس شعر طبعی قصیدہ تباری خاطر ہے کہ کہ بھیجتے (دین بدین کے  
 بیشک دودت کا، کبیر شمری قصیدہ اردو، جسے ڈرامے نے غالب سے لکھ کر، دین بدین کو لکھ  
 سواتے ان کے گریں کے کوئی ریت لکھا ہوگا تو گنہ گار، بلکہ غار سی منزل بھی، واللہ نہیں کبھی حرف  
 وہ قصیدے لکھے ہیں، کیا کہیں کو کمال و ادب کا کیا حال ہے؟ “

( شیراز آگام، ۲۲، اپریل ۱۹۵۹ء )

” گن ذہنت بود بر منت نہ ہے دودی

بدست مرگ، اوسے بدتر از گن ذہنت

مجھے زندہ بچتے ہو، جو شرفا کسی کی ذرا لگیں کہتے برا فہمیت نہیں جانتے کہ مرگہ کچھ کھوکھ  
 بدست رہتا ہے؟ “

( غلام نجف خاں، ۱۸، جولائی ۱۹۵۸ء )

[شعور غالب، مولانا غلام رسول مہر جیسہ، ۲، ستمبر ۱۹۳۲ء]

” میرا عمل اس بنی (شعور حسن) میں اب یہ ہے کہ شعر لکھنے کی بدش اور دل کا کہہ جوتے شعر  
 سب جوں گیا۔ مگر اس (انجمن ہندی کام میں سے) تو ترہ شعر یعنی ایک مطلق اور ایک مضبوط  
 یادہ کیا ہے، سو گاہ گاہ جب دل اٹھنے لگتا ہے، تب اس پانچ بار یہ مطلق زبان پر آتا ہے

زندگی اپنی بہت ہی شکل سے گذری غالب

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے !

ہر بہت منت مکررات ہوں اور تلک آتا ہوں تو یہ صحران چمکے کہ چپ ہر جاتا ہوں،

لے دو گم ہنگام۔ تجھے کیا انتظار ہے ؟

( پدم، سری عبد الغفور سرمد، ۱۹۵۹ء )

” بیار کیا باتیں کہتے ہو ؟ میں کتنی کہیں سے چھپتا ہوں، روٹی کا ٹکڑا نہیں، شراب پیچھے کو نہیں..... کتا بھی کیا چھپاؤں گا۔ “

( جبریل، انگلور، ۱۹۵۸ء )

” اگر تجھے قوتِ ناطقہ پر مشرقت باقی رہا ہوتا تو..... حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ کہتا۔ “

( جنوں، بریل، ۲۰ جنوری ۱۹۶۳ء )

” اس تیرا کس میں ہر روز رنگ نکالنا چکنا، بھول، بھولنا میں کہ کن سرسب زینت کی نہیں پھر رہی کہیں جیتا ہوں ؟ ہر دم میری، اب ہم میں اس طرح ٹکرتی ہے جس طرح حصارِ قفس میں، کوئی شکل، کوئی خصلت، کوئی سہلہ، کوئی عجیب پسند نہیں۔ کتاب سے نفرت، شعر سے نفرت، جسم سے نفرت، روح سے نفرت۔ یہ جو کچھ ہے، بے بہانہ اور بیانِ واقعہ ہے۔ “

( جنوں، بریل، ۱۹۶۳ء )

” اگر یہ صورت چاروں طرف تو میرا خدا تجھ سے بیزار ہے۔ “

( آغا، ۱۹۶۳ء )

” ابھر قصیدے کی فکر، اُدھر وہ پہلے کی تدبیر، حواس تھکانے ہیں، شکر کام دل، دماغ کا بچہ وہ روپے کی گڑھی پر لیٹا ہے۔ “

( آغا، ۴، ۱۹۶۳ء )

” شمعیں اٹھ : تم جاننے پر اُٹھیں اب دو معرے محاذوں کے سفر پر قادر ہوں، جو جگہ سے مطلع مانگتے ہیں ! “

( آغا، ۱۹۶۳ء )

” ہے ہے تم اب تک یہ مانگتے ہو کہ غالب شکر کرتا ہے ؟ یا کہہ سکتا ہے ؟ “

( خیر، کاکوروی، ۱۹ جنوری ۱۹۶۴ء )

” کاکوروی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ،

” ساتھ ہر سبکی زندگی میں غالب کے ذہن اور زندگی پر یہ آغوشِ ادب سب سے قریب قریب۔ اسی ذہن نے ہر اداس کے بعد جب تک وہ زندہ رہے، ان کی قوتِ تشریف رسی، خارجی، محکم اور گود میں زیادہ۔ “

( غالب، شناسی، ایچی، ۱۹۶۵ء، ص ۸۱ )

انقلاب ستاروں نے غالب سے دلوں شہری چین لیا ۱۵۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک کے درمیان غالب نے  
 گنتی کے شعر لکھے۔ سخن سنی جاتی رہی اور صرف سخن جنی رہ گئی تھا کیا بے شیخ ہو کر ارام کا خیال ہے کہ ،  
 ” خدا اور خدا کے بعد چراغ کھلے گئے ..... وہ تین اور دو نہیں اور چند نظر ہی  
 قضا ..... ان سے ایک علامہ وادب شہری ، قریب دینے میں کوئی شکست نہیں ۔  
 حقیقتاً یہ زمانہ مرزا غالب کی اردو شہر کا تھا ۔“

( غالب نامہ ، طبع اول ۱۹۳۶ء ، صفحہ ۱۷۱ )

غالب نے اسی زمانہ میں یہ جو کہ ہے کہ ، ” اگر میری شعریں چار سو تیرا تو میرا خدا بھگتے  
 ہزار “ یہی ہالہ اور بیان واقعہ معلوم ہوتا ہے ۔ شیخ ہو کر ارام کی اشعار شہری کے شعرا ہیں ؛  
 ” ہر تھکے دور ( ۱۸۵۶ء - ۱۸۶۹ء ) میں میری شاعری کا چودہ برس کا کلام مرع  
 ہے ، مرزا غالب نے ایک قلم اور ایک قول قضا دو تھیں اردو میں لکھی ہیں ۔“

( غالب نامہ ، طبع اول ۱۹۳۶ء ، صفحہ ۱۶۳ )

اکرام صاحب کے یہ اعداد و شمار قریب چالیس برس پہلے کے ہیں ۔ اس دوران میں نئے نئے ہفتے غالبیات  
 میں اخذ ہوا ہے ۔ غالب کے خطوط اور دیگر نثر الفی کی بنیاد پر ” اب ہم غالب کے جن اردو اشعار کو جنگلات ستاروں  
 کے بعد سے آخر عمر ۱۸۶۹ء تک کے درمیان کا قرار دے سکتے ہیں ، اسی کی تفصیل ہے ، سات خلیں ، گیارہ  
 قطعات ، چار قصائد ، تین نثریات ، ایک سرشتی کے تین بند ، تین شعر شہری کی صنف ہے اور کچھ شعرا اشعار  
 ہے انقلاب اور اس کے بعد سے انتقال تک کے بارہ برسوں کا گنتی شہری اکتاب ، اس کا بھی زیادہ حصہ  
 غالب کے نظموں میں ” حسن و تجربہ نہیں “ ۔ ان میں سے بیشتر چیزیں فراموشی ، جنگلات اور وقتی نوعیت اور  
 اہمیت کی ہیں ۔ انقلاب ستاروں کی غارت گری کے اس ایسے کی طرف غالب شناسوں کی فکر و اہمیت نہیں گئی کہ اس  
 نے ہم سے شاعر غالب کو چین لیا ؛

سخن میں خند غالب کی آتش آفتابی  
 یقیناً ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں ہم کیا ہے

( بنام ہر ۱۹۵۸ء )

اس کے برعکس نثر نگار غالب کا ظہور انقلاب ستاروں کے بعد ہوا ۔  
 ” حقیقتاً یہ زمانہ ( ۱۸۵۷ء - ۱۸۶۹ء ) مرزا غالب کی اردو شہر کا تھا ۔“  
 ” ڈاکٹر شیخ ہو کر ارام

”ہندوستان“ (۱۸۵۷ء) میں ادبی کے بعد صیغہ تک تو درمیان غالب م زندہ رہے، ان کی  
تو شر پر رہی، خارجی میں کم اور دین زیادہ ملے۔

— ڈاکٹر خدۃ انصاری —

غالب کی معروف اور ضخیم خارجی نثری کتب ”پنج آہنگ“ (۱۸۳۹ء) اور ”مہرِ نیروز“ (۱۸۵۳ء)  
انقلاب سے پہلے کی ہیں۔ ۱۸۵۰ء کے بعد غلامی نثر میں غالب کی صرف دو مختصر کتابیں شائع ہوئیں، ایک ”تجربہ“  
(۱۸۵۸ء) اور دوسری ”قاطع برہان“ (۱۸۶۶ء) جس کی دوسری شاعت مولیٰ رتو و جل اور کچھ مزید فائدہ و  
مغالب کے ساتھ ”در فتر کا دیوان“ کے اضافی نام کے ساتھ ۱۸۶۵ء میں سامعہ آئی۔ ”دستبنو“ براہ راست  
انقلاب ستاروں سے متعلق ہے جبکہ ”قاطع برہان“ کو ڈاکٹر شیخ محمد رام کے بقول: ”دستبنو“ کا غیر نثری  
بھنا چاہیے۔

اردو نثر میں غالب کی کوئی کتاب سرے سے، قبل انقلاب شائع نہیں ہوئی، ان کی نثر اردو کی اب  
کی سب کی ہیں۔ ۱۸۵۰ء کے بعد جیسے۔ ”شہادتِ نیران“ کے سلسلے کی چار کتابیں، ”انقلابِ فیض“ (۱۸۶۳ء)،  
”غلام“ (۱۸۶۵ء) ”ملاقاتِ محمدِ مکرم“ (۱۸۶۵ء) اور ”تبیخِ تیرز“ (۱۸۶۸ء) تو کھلی بھی گئیں، ۱۸۵۰ء کے  
بعد ایک سلسلے سے ایفیم انقلاب میں غالب کی خداداد نشیمن کا حاصل ہیں، بشعور غالب کے سارے تجربے میں انقلاب  
کے بعد منظرِ جام پر آتے۔ ”دورانِ کئی ندی“ میں ”محمد بندہ“ (۱۸۶۸ء)، ”اردوئے شعلی“ (۱۸۶۹ء) اور  
”مسعود“ ان کی زندگی کے بعد، ”مکاتیبِ غالب“ (۱۸۶۴ء)، ”نارِ لبِ غالب“ (۱۸۶۹ء)، ”غالب  
کی نامہ تحریریں“ (۱۸۶۹ء) وغیرہ۔ ان خطوط کا اس فیصلے سے تمنا اور سخت انقلاب ستاروں کے بعد۔  
اس محقق میں یہ کہنا ہے جانیں کہ انقلاب ۱۸۵۰ء نے ہم سے شاعر غالب کو چھین لیا، جب کہ نثر  
نگار غالب کا ظہور اس انقلاب کے بعد ہوا، اور ان کا کل سوانح ”نثرِ اردو“ کسی نہ کسی طرح اس انقلاب ہی  
کی دین ہے۔



پیش قدم

میرزا غلام محمد صاحب  
پیش قدم  
تاریخ ولادت ۱۲۸۵  
تاریخ وفات ۱۳۵۵

میرزا غلام محمد صاحب

ضمیمہ اول :

---

نغمین اسد اللہ خان غالب و دیاب :

## تباہی شہر دہلی

مطبوعہ :

[ ریلادہلی سوکسٹی ، شمارہ اول ۱۹۶۴ء ص ۲۲-۲۴ ]

رسالہ دہلی سوسائٹی، شمارہ اول (مئی ۱۸۹۶ء) اور مہینہ ستمبر ۱۸۹۶ء) میں غالب کا ایک مضمون  
تجزیاتی مضمون "نواب آسہ اللہ خاں صاحب المستخلص بہ غالب" (صفحہ ۱۲-۲۲) نیز مضمون  
پر غالب کا نام بول کر درج ہے۔

دو "آدم آسہ اللہ خاں شاعر، غالب تخلص، برادر زادہ نصر اللہ حیک خاں برادر نہیں

سوانح خرافہ، برقوق، ۱۵ مارچ ۱۸۹۵ء

یہ مضمون غالب نے دہلی سوسائٹی کے دوسرے جلدی مضمون "۱۱- اگست ۱۸۹۵ء میں پڑھا۔ رسالہ  
دہلی سوسائٹی کے پہلے شمارے میں اس جلدی کے زوداد بھی ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس جلدی میں اولیٰ  
دو اصحاب کے مضافین پڑھ گئے۔

"بھر صاحب کشر بہادر نے نواب آسہ اللہ خاں غالب سے فرمایا کہ میرا صاحب  
آپ نے بھی کوئی مضمون چار دی سوسائٹی کے لیے لکھا ہے۔ نواب صاحب نے بیان کیا کہ  
"نہ لکھا ہے۔ اگر تو میں یہ طاقت نہیں کہ کھڑا کر کہتا ہوں۔ اگر اجازت ہو بیٹھے بیٹھے  
پڑھوں۔ صاحب موصوف نے فرمایا بیت لکھا۔ نواب صاحب نے اسی وقت اپنی سب  
میں سے ایک کاغذ نکال کر پڑھا شروع کیا۔ اس میں لکھ حال تباہی شہر دہلی اور دہلی پادشہ کا  
خدا۔ سب حاضرین جلسہ میں کربت خوش ہوئے اور فراب صاحب کی سب تعریف کی۔"  
(رسالہ دہلی سوسائٹی ۱۱: ۱۸۹۶ء، صفحہ ۵)

رسالہ دہلی سوسائٹی کے تیسرے شمارے (مئی ۱۸۹۷ء، اہل الطابع، دہلی، ۱۱) میں "ان مضمونوں کی فہرست  
دی گئی ہے جو سوسائٹی کے جلسوں میں پڑھے گئے تھے۔ اس فہرست میں غالب کے مضمون کا ذکر ان مضمونوں میں ہے  
"نواب آسہ اللہ خاں غالب قنداب تباہی شہر دہلی"

(صفحہ ۲۹)

اس تحریر کا تعارف سب سے پہلے ایک نام نے لکھا (اولیٰ دنیا، ۵ جون، شہرہ ستمبر ۱۸۹۳ء) چتر، کٹر  
حمید اسرار صدیقی نے اپنے ایک قیمتی مقالے "دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب" (مطبوعہ اعلیٰ گزٹ پٹنہ، غالب نمبر  
۱۸۳۵ء، صفحہ ۲۹-۶۳) میں غالب کی اس تحریر کو نقل کیا۔ "اولیٰ غالب" (عبداللہ بن احمد، علی گڑھ،  
جون ۱۸۵۳ء) میں لکھا کہ "میری صورتی صاحب کے مقالے کے ساتھ شائع ہوتی ہے۔" (۱۸۳۵ء، ۱۸۵۳ء) غالب نے  
بہت مضمونوں میں اس موضوع پر بحث کر لکھا ہے۔ اس سے ایک دہلی کی تباہی کے بارے میں غالب کی یہ واحد  
اولیٰ تحریر ہے جو مجموعہ صورتی میں نہیں ملتی ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر اسے اگلے صفحات میں پیش  
کیا جا رہا ہے۔



”مقام عدالت فرجام اور صاحبان والا مقام کی جناب میں اور علمین، انجمن اہل علم و دانش کے علم و فن کی خدمت میں کچھ جو شخص شہر پرست و حق شناس ہے، اس سے میرا احساس ہے کہ یاد کرو۔ ۱۹۵۰ء میں دہلی کے بعض دلوں نے حاگوں پر شہر کا دروازہ بند کر دیا اور ایسے فراموشانہ دواگر سے جاتی کا قصد کیا، انگریزوں کا دروازہ کھولا اور انہیں کی گئی بارود سے، ان پر آگ کا مینہ برسا۔ چار جیسے تباہ کن بم کی تیزی سے تلو اور شہر اور باہر خون ریزی ہوئی۔ ناگہا قبر اہل اس شدت سے نازل ہوا کہ ہر بار کو مینا خشک کر دیا۔ قوم اگر نہ کہ شہر نے فتح قیامت کی۔ انہوں نے سیاست کے بعد رعیت کی رعایت کی۔ ہر شخص کو جینے کا حق دیا۔ مگر قبر حکم حقیقی پر منظور نہ کیا۔ کہیں کپتہ۔ نہ مکان کے اندر نہ وہ لگا کر ہے۔ نہ وہ بازار۔ ناگہا شہر کی صورت اب اس سے بہتر ہے، مگر وہ عدالت میں پر خدا کے قہر کی آندھی چلی تھی، وہ کہ مر ہے، شعر:

پس ہر آئینہ شہر سے جدید خوابہ بود

نہ آن کو شاہ جہاں ساخت مرزاں قدیم

رضی قند و نسا و عہد امن و داخلم، لیکن قبر اہل سے کچھ پیش نہیں جاتی، علوت تقدیر، تقدیر بن نہیں آتی۔ — تین برس پہلے کال دیا، ہر شخص خستہ و بد حال رہا۔ آب و ہوا کی ناسازگاری، طبع طرح کی مصیبت، ایک ایک بیماری، کچھوں کو کپ کی عمارت سے نکلنا، محرومی میں جا بجا آگ لگانا، ہزار شاربہ روز، خاک شعلہ، ٹھنڈ، دوا اور کسے کا پانی نہ ہر آب، بہت کچھ پانی کی روانہ کو ہر آباب، اساتذہ اور مولوں، برسات کے

۱۔ ”قبر اہل“ کی تفصیل غالب نے مجروح کے نام ۱۹۶۰ء جولائی ۱۹۶۱ء کے ایک خط میں اس صورت دے رکھی ہے:

”برسات کا نام آگیا، سو پہلے کھلا خنود، ایک خنود کھلوں کا، ایک ہنگامہ گردوں کا، ایک نقشہ افسانہ مہکات کا، ایک آفت و بانی، ایک شخصیت کمال کی، آب پر برسات بھیج مانت کی جاسی ہے۔ آج اکبروں دن ہے۔ آفتاب، سر زمین توڑتا ہے جس طرح بجلی کی۔ ہاتی ہے۔ رات کو کچھ کچھ گرتے دیکھائی دیتے ہیں تو گہنی کو گھنٹہ بولتے ہیں، آخری آواز میں چوں کی کن آتی کوئی دن نہیں کہ وہ چاند ٹھہر کی چوری کا حال نہ سننا جانتے، فہانہ، بھنا، ہزار مکان گر گئے، ٹیکٹوں کو آوی جا بجا خب کر رہ گئے، بجلی کی تہ میں بہ رہی ہے، قدر مقررہ ان کال تاکہ جینے نہ رسا، آواز نہ پیدا ہوا، یہ کال کال سے کال پانی ایسا برس کر رہے ہوتے دیکھ رہے گئے، جنہوں نے ابھی نہیں بویا، وہ بوسے سے رہ گئے، مٹی لیا دتی کاحال!۔۔۔“

دو مہینے تمام ہوتے۔ عبادن کے آخراور بھادوں کے اداک دو چار مہینے ہوتے۔ جس میں ہائی اس قدر برسا کر زمین لڑی  
نے حاصل فصل بڑھ سے ہاتر دھریے۔ پانی ان کار کا حال تھا اہانے، یعنی ان کے اسرار کو کیا جانے۔ گرانی اور زانی  
ایک امر عام ہے، لیکن خاص اپنے عرفیہ کا ہے۔ بڑے ساحلوں، ناقول ہیں، سچ مگر چھتے، قانیم  
جان ہیں۔

ضعف نے، غالب شکاک دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

میں کیاں اور بزم نشین کیاں، نظم و نثر میں وہ رنگین بھلاں، سرور کی خدمت گزار ی کاشانی ہیں مگر  
اب مرنے دو کام کے لائق ہیں۔ مگر کسی امر میں نہ یہ خود بخود سے لپے پڑ چکا جلتے، تو وہ کھر سکتا ہوں جو  
میری دانتے میں آئے۔ یا اگر تحریر نظم و نثر فارسی و اردو کا علم آونے تو کہہ کر بھیج سکتا ہوں۔ آئندہ  
نظام کے پسند نہ ہوا مقبول ہوا دے۔

۱۸۰۶ء عیسوی سے جس کو آج ساٹھ برس ہوتے سرکار انگریزی کا ملک خراج ہوں اور ۱۸۵۵ء یعنی  
دس برس سے شہنشاہ مجرور حضرت ملک رفعت مکن شہر کا مدت نگار ہوں، وہ قصیدے میرے دلائل  
پہنچ گئے، ان میں سے ایک کی سید کی اطلاع پڑ کر آگئی۔ تیسرا قصیدہ میرے مسودات میں موجود اور مطلع  
اس کا ہے۔

لے "مداقل روان میں" ضعف "کی جگہ" عشق" ہے لیکن آخر عمر میں انہوں نے لفظ  
عشق کو "ضعف" سے بدل دیا تھا۔ "ضعف" سیر و طحا یا من الدین امجد نے غالب  
سے اپنی ایک عاقبات مرصعہ پر لائی۔ ۱۸۹۰ء کے سال میں لکھا ہے کہ غالب کے ساتھ  
یہ شعر پڑھا:

"..... جب یہ زبان پر لایا تو مرزا نے پر حبت یہ فرمایا کہ: "اے جھپ  
رہو" یوں کہو کہ "ضعف نے غالب شکاک دیا" یا "دہرنے غالب شکاک دیا"  
عشق کیا، عاشق کا وہ زمانہ نہ رہا۔

(سیرت الی، ص ۱۱۰، ۱۱۱ء، ۱۱۲ء، ۱۱۳ء، ۱۱۴ء، ۱۱۵ء، ۱۱۶ء، ۱۱۷ء، ۱۱۸ء، ۱۱۹ء، ۱۲۰ء، ۱۲۱ء، ۱۲۲ء، ۱۲۳ء، ۱۲۴ء، ۱۲۵ء)

نامہ زونگور یا چر نامہ آمد از مفتی نامہ آفتاب برآمد  
 یہ قصیدہ اسم کے سزاوار ہے کہ ایران بھیجا جائے اور وہاں کے شعراء سے واوٹا لیا جائے۔ آپ  
 میر خانبخشا کی شہزادہ اور محمد علی صاحبان عالی شان کو سہم کرتا ہوں اور نگارش کو تمام کرتا ہوں۔“

(۱۰-۸ اگست ۱۸۶۵ء)



۹۵ اشعار کا یہ قصیدہ ”کیا تونو غالب“ میں ”قصیدہ فی حکیم ہم در مدح شہنشاہ“ کے  
 عنوان سے شہر ہے (تقریباً نام، مجموع دوم، نوکثر، کھتر، ۱۸۵۵ء، ص ۲۰۴-۲۰۶) مولانا  
 غلام محمد لکھتے ہیں کہ اس قصیدہ یا اس کا حصہ چند سلی پیشتر بہادر شاہ کے لیے کہا گیا تھا۔ بعد  
 ازاں کہ اس پر تبدیلیاں کر دی گئیں، علی گڑھ کے قلعہ میں بعض اشعار لکھ دیے گئے۔ یہی ہیں جسے  
 اس وقت کو حقیریت، سپہنچی ہے۔۔۔ مضمون علی گڑھ میں اس شعر ”نامہ زونگور یا  
 چر نامہ آمد کی صورت میں ہے، شاہ دولہا جہد میں یک دگر آمد  
 فتح یہ معنی مرادف بنفس آمد

(تعداد و مثنویات، فارسی، غرض، جہر، پنجاب، برکسٹی، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۹ و ۲۵۲)



نوعیر مزار غالب

## ضمیمہ دوم :

مکہ مکرمہ کا احاطہ اور بیگم حضرت علی کا فرمان

”..... ہندوستان والیاں براست کے ساتھ بھینا نے اس وقت تک جتنے عہد نامے کیے ہیں، ان کی سب شرطوں پر آئندہ ایمان داری کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے گا۔“

— احاطہ : مکہ مکرمہ، انگلستان

دوسرا احاطہ بھی لکھا ہے کہ بھینا نے جرم و عدسے اور عہد و پیمان کیے ہیں، لکھنا نہیں منظور کرے گی۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس چال کو طرے دیکھ لیں۔ بھینا نے مدسے ہندوستان پر قبضہ کر لیا ہے، اور اگر یہ بات تمام رہی تو پھر کس میں نئی بات کیا ہوتی؟“

— فرمان : بیگم حضرت علی، مکہ مکرمہ

” آپ کو جندوستان پر قبضہ کرنے کا اور بچے مرزا کا مستحق قدار دینے کا کیا حق ہے ؟ ہندوستان  
 پر حکومت کرنے کا آپ کو کس نے اختیار دیا ؟ کیا آپ فرنگی لوگ بادشاہ ہیں اور ہم اپنے ملک کے  
 اندر چھوڑ دیں ؟ ”

( اعتدالی رہنما ، نفاذ صاحب ، بنام ) جنرل ہرپ گرانٹ ، اپریل ۱۹۵۹ء )







بیدار اور غسان کے راجاؤں کا انہوں نے نام و نشان نہ سمجھا۔ چھوڑا خود بخود اسے قہریم سلاتے  
 انہوں نے ہم سے یہ یاد کر کے لے لیے کہ فرنگ کو تھرا ہی رہی تھی اور ہمارے ساتھ برعبداللہ اس کی مدد  
 (۲) کیا انہوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم آپ سے اور زیادہ کچھ نہیں لے سکیں گے، اس لیے ہر انتقام لینے کے رک گئے ہیں،  
 وہ اگر سب ماتم رکھے یا نہیں لگے، تو اس سے پہلے کی حالت میں مادہ اب اس نئی حالت میں کنٹھرتی بڑھا؟

یہ سب تو پرانی باتیں ہیں، لیکن حال میں بھی قسموں اور جہزائوں کو تو فکر اور باوجود اس بات کے کہ  
 انگریزوں نے ہم سے کہ و زور دی وہ پتہ نہیں لے سکے تھے۔۔۔ انہوں نے بغیر کسی وجہ کے صرف یہ بیان نہ کیا کہ  
 آپ کا بڑا بڑا چھانچا نہیں ہے، اور آپ کی یہ عیاضیں نہیں تھکتے، اور اب تک کہ وہ بڑوں سے پہلے کا مال ہم سے  
 چھین لیا۔ اگر پھر یہ مایام سے پہلے کے فراب و ابد علی ثناء سے بغیر مطمئن تھی، تو وہ ہم سے مطمئن کیسے ہو سکتی!۔۔۔  
 لیکن کچھ گفرائیں روا کے لیے رعایا نے اپنی جان اور مال کو اس طرح قربان کر کے، اپنی وقار اور شہرت نہیں دیا۔

لے۔۔۔ اب تک اور کچھ ملایا اور ہر یہ ہے۔ فرنگ تھرا سے ملو ہے۔ آئین و عدل کا نام  
 قتل نہیں، جو ان کو کسی کے قول و فعل کو برا دیتے ہیں۔ سرکار انگریز ان غریبوں اور بزرگوں  
 کی زیادہ متعل نہیں کر سکتی اور اب اس کے سرکاری صورت نہیں کہ اب تک اور وہ تمام انتظام  
 ہمیشہ کے لیے سرکار نہیں کے بہرہ کو دیا جاتے۔۔۔

— گورنر جنرل اور ڈپٹی گورنر

(نقلی اشتہار گورنمنٹ انگریز چھوڑ دیا گیا، ۷ فروری ۱۸۵۶ء)

[ بحوالہ: نجم الغنی، تاریخ آندھ، جلد پنجم، صفحہ ۲۶۵-۲۷۰ ]

وہ حقیقت جو کہ بدانتظامی ہے، عیسائی اس وقت اور وہ میں تھی، وہ انگریزوں کی جان و ہر  
 کر پیدا کی ہوئی تھی۔ اور ڈپٹی گورنر لکھتے ہیں:

”حقیقت میں اس طرح کا انتظام حکومت تمام کرنے کے لیے ہے، جو اس شخص کو جو اس  
 ایک ہی ہتھیار کا گورنر کی ترکیب کر سکتی تھی اور وہ یہ کہ انگریزوں نے انت کو واپس نہ لایا جاتے  
 اور فراب اور وہ کو اپنا ریاست کے انتظام میں ہر طرح آزاد چھوڑ دیا جاتے۔۔۔ معصوم  
 اس سے کہ ہے، عیسائی کا سارا گناہ بچنے کے شر ہے۔۔۔“

Charles Ball :

History of the Indian Mutiny, Vol. I, p. 152

(بحوالہ: پڈت سندھ لال دین سنگھ، اعلیٰ گرو، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۱۴۲)



اس کے علاوہ، اس اعلان میں لکھا ہے کہ ملک کو اپنا علاوہ بڑھانے کی خواہش نہیں ہے، البتہ وہ ۱۱ اے  
ہندوستانی ریاستوں کو اپنی حکومت میں ملا لینے سے باز نہیں رہ سکتی۔

○

اس اعلان میں لکھا ہے کہ عیسائی مذہب سچا ہے، لیکن اور کسی مذہب اور آئین سے ساتھ  
زنا و لہذا کی جائے گی اور سب کے ساتھ ایک طرح کا توافقی برآؤ کیا جائے گا۔ سچے نظم و حکومت  
سے کسی مذہب کے سچے یا جھوٹے ہونے سے کیا تعلق ہے ؟

سارے ملک اور غیر اس پرنا، ہر جگہ کے کار قوس و امت سے کام لیا اور آٹے اور مشینوں میں سوز  
کی جہل، فساد، شرک و کفر، ان کے ہاتھ خندوں اور مسجدوں کو گرا کر، بگڑا بنا کر، گھولنا اور کچل دیا  
عیسائی مذہب کی تبلیغ کرنے کے لیے پارلیمنٹ کو مجبور کیا۔ — ان سب باتوں کے ہوتے ہوتے  
ملک کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ ان کے مذہب میں وہ غلط نہ لیا جائے گا۔ ۹

اس اعلان میں لکھا ہے کہ — جن لوگوں نے قتل کیے ہیں یا قتلوں میں مدد دی ہے، ان پر کوئی رحم نہ  
کیا جائے گا، باقی سب کو معاف کر دیا جائے گا۔ ایک بے وقوف آدمی بھی دیکھ سکتا ہے کہ اس اعلان کے مطابق  
ظہور دار یا بے تصور کوئی آدمی بھی نہیں بچ سکتا۔ — ایک بت اس میں صاف لکھی گئی ہے کہ یہ کہ کسی بھی شخص کو  
آدمی کو جھوٹا جانتے گا، اس لیے جس کا وہ بیٹا یا بیٹا ہے جس کی ہمدردی فراموش کرے، اس کے ہاتھ سے نہیں بچا سکتے  
— اس اعلان کو پڑھ کر کسی میں کوئی صاف دشمنی جبری ہوتی ہے، یہی دہلی کی حالت پر بہت افسوس ہے۔  
آپ ہم ایک صاف اور معتبر فرانسیسی ہمدردی کرتے ہیں کہ ہمدردی دیا گیا ہے، جن جن لوگوں نے بے وقوفی  
کر کے گاؤں کے گھسیوں کی حیثیت سے اپنے تئیں انگریزوں کے سامنے پیش کیا ہے، وہ پہلے جنوری ۱۸۵۹ء  
سے پہلے ہمارے کیس میں اگر حاضر ہوں، چارٹریٹ ان کا قصور صاف کر دیا جائے گا۔ — آج تک کہیں  
کسی نے نہیں دیکھا کہ انگریزوں نے کسی کا قصور صاف کیا ہو۔

حاشیہ گرامر مشن سے چوستہ :

”جنگ میں جی جی حالت اور تابیت دکھا دیتی ہے۔ جنگ نے ہماری ساتھ لگا کر جنگ کرنے پر  
کا اعلان کر دیا ہے۔ ان۔۔۔ کی ہمت اور طاقت کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ کے اندر  
وہ کہیں کا نہ زیادہ عقل اور داخلی قوت اپنے اندر پیدا کر لیتی ہیں۔ “ اور وہ کہہ گئے ”اپنے  
ملک اور اپنے بادشاہ کے لیے دل میں جنگ کے جذبات سے متاثر ہو کر جنگ کر رہے تھے۔ “

ہمارے ہاں سے کوئی انگریزوں کے اعلان کے دھمکے میں ڈرتے نہ تھے۔  
— عظیم حضرت مل

Charles Ball :

History of the Indian Mutiny, vol. II

( جولائی تا دسمبر، صفحہ ۲۳۰-۲۳۲ )

۱۔ " کمشنر کے زوال کے بعد پھینکی کی فوج نے کمشنر کے باشندوں کے ساتھ سب سے بڑے کاٹھک کیا وہ  
" تھے عام لوگ اور قتل عام " یہی نقصوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ فضیلت، اجازت دیتا ہے  
کو: کمشنر کے اندر اس وقت کے قتل عام میں کسی طرح کی تیز نہیں کی گئی۔ "

[Lieut. Majendie's up among the Pandies, p. 195-196]

" قتل سے پہلے جس طرح کی سخت تعزیمیں لوگوں کو دی گئیں، اس کی کوئی مثالیں دہلی نے اپنی کتاب  
میں دی ہیں ان میں سے صرف ایک ہم بھیجے نقل کرتے ہیں،

" " آج صبح ہی ان کے زندہ تھے اور ان پر دم کے نہیں مل رہا تھا، لیکن ان میں سے ایک کو بھیج  
کر مکان سے باہر پختہ میدان میں دیا گیا۔ اسے ہاتھوں سے پکڑ کر پھینکا گیا، ایک سہولت کی جگہ  
دیا گیا، وہاں اس کو بٹ دیا گیا، لچے اگر نہ سہا ہیں نہ اس کے منہ اور جسم میں سنگینیں بھرنے  
کرنا پڑتے رہا۔ دوسرے لوگ کاش کو جانے کے لیے کڑے ہو کر رہ گئے۔ جب سب تیار  
ہو گیا تو اسے زندہ جھون دیا گیا اس کام کے کرنے والے انگریز تھے اور کوئی امر کرنا نہ دیکھتے تھے  
لیکن کسی نے نہ غفلت نہ کی اس وقت بھی غلطی و ستم کی طرف ان کی وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب  
کو اس پر قسمت ستم زدہ تھا وہ جلا اور زندہ حالت میں جھاگ کر بچنے کی کوشش کی، ایک ایک  
کوشش کے ذریعہ سے کود پڑا، اس کے جسم کا گوشت ٹکڑوں سے ٹکڑا ہوا تھا وہ بچ کر  
دوڑا، پھر کچلایا گیا، پھر آگ پر رکھ دیا گیا اور جب تک دھکے نہ ہو گیا، سنگینوں سے دبا کر  
گیا۔ " [Russell's Diary, Vol., p. 302]

اس کے ساتھ میں انگریز قیدیوں کے ساتھ عظیم حضرت مل کا سلوک بالکل دوسری طرح کا تھا۔ شروع  
کے دنوں میں جب کہ کمشنر کے اندر انتہا میں کا بڑی بیماری تھا، لچے اگر زندہ اور عورتیں کمشنر میں تیار کر لیے گئے تھے  
لیکن پھر جیسے تک ان کی جان پر کوئی حملہ نہ کیا گیا جس وقت پھینکی کی فوج نے شہر میں فتنے کو تصور دار اور پتھر  
سب کا ایک طرف سے قتل عام شروع کیا لچے پر شیعہ اعتقاد میں نے مل میں ہلکے جگہ سے درخواست کی کہ انگریز  
قیدیوں کو جیسے حال سے دیکھتے ہیں، ان کے ساتھ اگر زندہ لوگوں کے حوالے کر دیا، انہیں فوراً گولی سے

حاشیہ مندرجہ ذیل:

انگریزوں کے لیے یہ بات کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، ان کے لیے ایک نیا اصول بنایا گیا۔ لیکن جب انگریزوں نے قیدیوں کو قتل کر دیا، تو ان کے لیے ایک نیا اصول بنایا گیا۔

” قیدیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے، لیکن ان کے لیے ایک نیا اصول بنایا گیا۔ لیکن جب انگریزوں نے قیدیوں کو قتل کر دیا، تو ان کے لیے ایک نیا اصول بنایا گیا۔

یہ حکم کا یہ کام قیدیوں کی شان اور ان کو ہراسانہ والا تھا۔“

Charles Bell : History of the Indian Mutiny, Vol. II, p. 94

( بیکار، ۱۹۲۱ء، پبلیشرز، لاہور، ص ۱۹۲-۱۹۳ )



لال قلعہ دہلی : جہاں کیوں غائب کے شہر کو پہنچا کر آتے تھے

نثر از قلم : عزا اسحاق خان غالب ، در باب :

## تحسین و تائید سرکارِ انگریزی

”حکِ مراسر بے فتنہ صادر ہو گیا ہے ، فکر و ہند نمونہ گلزار ہو گیا ہے ۔  
بہشت اور دہلیکٹہ جو مرنے کے بعد متصور تھا اب زندگی میں موجود ہے  
وہ احمق ہے ، وہ ناقد دان ہے جو انگریزی عملداری سے ناخوشنود ہے“

— غالب

مطبوعہ :

[ ادبہ اخبار ، ککھنٹو ، ۲۳ - اپریل ۱۸۶۲ء صفحہ ۲۸۱ ]

۱۹۵۵ء اخبار، کنکھڑ کی اشاعت ۲۸-۲۹ اپریل ۱۹۶۳ء میں "ہندوستان کی سمجھ" کے تحت لکھی گئی تھی۔

"افغانستان کا مذہب نامچریت و راز سے سنا جاتا ہے۔ دس برس سے زیادہ ہوئے کہ صحافت اخبار میں دیکھا جاتا ہے کہ فرض ساہا سال گزر گئے، سنتے سنتے کان بھر گئے کسی امر کا ظہور نہ پایا، افسانے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ ان دنوں بھی ایسی ہی باتوں نے شہر ترس پائیں۔ جامد عرف لوگوں نے بے پروا کی اڑائیں۔ ہندوستانیوں کی سمجھ کے قربان، کیا کیا عقلیں ہیں۔ کیسے کیسے انسان نے نئے پانڈو بنائے، تو طبع افسانے محض بے گمان پر سینکڑوں قیاس لگائے۔ اسے بے فکر و خدا سے ڈرو، ناحق عالم کو پریشان نہ کرو۔ معلوم نہیں کہ یہ بے حاصل باتیں کون گھڑا کرتا ہے، خصوصاً وقائع نگاران انگریزی کو کون لکھا کرتا ہے۔۔۔۔۔"

آج کل دانستے روزگار، سرآمد الوالاجار، ارسطو صفت، فلاطون فطنت، جناب دلا شان، عالی مناقب، مرزا اسد اللہ خاں غالب نے جن کی سلامت ذہن مستقیم کی قسم کھائیے "استقامت دانستے سلیم کے صدقے چائیے، ناخبروں کی فہمائش میں یک نہ تحریر فرمائی ہے ہم اس کو درج اخبار کرتے ہیں۔۔۔۔۔"

اس ادارتی نوٹ کے بعد نشر کے عنوان سے مرزا اسد اللہ خاں غالب کا ایک نثری تراجم کیا گیا ہے جو سرسراہ حکام کی تائید و کالت اور انگریزی عہداری کی برکتوں اور نعمتوں کے "اعتراف" میں ہے۔ غالب نے انگریز حکام کو "مویہ من اللہ" بتایا ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ "نیک مراد بے غش و خوار ہو گیا ہے، تلو ہند قوم نہ گزرا ہو گیا ہے۔" "ہندو بیست چور نے کے بعد تصور انقلاب زندہ گی میں موجود ہے۔" فاعتبہر ویا اولی لا بصار ۵

غالب کی یہ نثر اول اول اکبر علی خاں عرش زلہ نے اپنی تیسرے قریب کتاب "عالیہ" کے تیسرے باب میں امیر حسن فردوسی صاحب (کنکھڑ) کے شکر سے کے ساتھ درج کی اور نگار، رامپور شمارہ جون ۱۹۶۳ء صفحہ ۴۴-۴۵ میں شائع ہوئی۔ یہ قطع عبارت اکبر علی خاں صاحب کے ایک قیمتی مضمون "غالب اپنے معاصر خدایات میں" بھی شامل ہے۔ یہاں انقلاب ستاروں کے بارے میں غالب کا یہ کم معروف نثری ٹکڑا بلا تبصرہ درج کیا جاتا ہے۔



”یارب! دنیا میں جتنے تیرے بندے ہیں، سب اپنا بھلا چاہتے ہیں۔ آئی کی نعم واقعہ طلب لوگ کیا چاہتے ہیں، فتنہ و فساد سے خوش اور امن و امان کے دشمن ہیں۔ گویا اپنے نن و فرزند و مال و جان کے دشمن ہیں۔ مگر چہ اس جنگ سے میں آپ بھی بریاد ہوتے ہیں، لیکن جہاں جنگ سے کی خبر سنتے ہیں شاد ہوتے ہیں، سینکڑوں بھی کشتیاں اس دریا میں سرنگوں دیکھ چکے ہیں، یہ غایت دشمنی عبرت نہیں پکڑتے اور جو کوئی ان کو سمجھائے تو اس سے جھگڑتے ہیں۔ کابل کے اخبار پر کس قیمت سے کان دھرتے ہیں اور پھر اس اخبار پر کیا کیا آثار مرتب کرتے ہیں۔“

سرکار انگریزی اذیت کے توجہ طرف، رونا و عام کے ہے، اور حکم کا خیال یا قصد جو کچھ ہے واسطہ انتظام کے ہے ہرگز بحال اگر اس گروہ میں کسی نے کچھ بڑھ کر حوصلہ کیا اور صاحبان عالی شان عدالت نشان کا مقابلہ کیا بات صاف صاف ہے، جلدی صاف ہے، جن سو یہ من اللہ حاکموں نے اپنی فوج باغی کو صرف اپنے حسن تدبیر و ضرب شمشیر سے زیر کیا ہے، اب جو یہ فوج تیز و لشکر ہے شمار ساتھ ہے، مخالفت کا دغ کرنا مشکل کیا ہے۔

ہندو مسلمان جو اہل ہند اگلے فتنہ و فساد سے بچ رہے ہیں، اور اس کے وبا اور قحط کے دکھ سبب ہیں، وہ اپنی سلامتی و صحت پر خدا کا شکر بجالائیں نیا پاکیزہ و مستاناج فراغت سے کھائیں، امن بوٹ اور دیل لاڑی کی صنعت کو دیکھیں، مار بلی میں پیام کے پہنچنے کی سرعت کو دیکھیں، سدھوں کی مدد فرمائی اور دعاؤں علم کی کثرت ملاحظہ فرمائیں، حکام کی نیرایاں اپنی نسبت ملاحظہ فرمائیں۔ ملک سرسبز ہے خس و خوار ہو گیا ہے۔ بہشت اور جہنم جو مرنے کے بعد متصور تھا اب زندگی میں موجود ہے۔ وہ الحق ہے، وہ ناقہ دان ہے جو انگریزی عہداری سے ناخوشنور ہے۔ حکام کو ملک کی آبادی اور رعیت

کی آسودگی منظور ہر صورت ہے اگر اچھا لگتی ہے تو کتنا پسند ہے تو یہ اشخاص کی خوبی قسمت ہے۔ آدمی نہ محنت خاص کو نہ دیکھے، نہ محنت عام پر نظر کرے اگر اس کا کوئی نفع حاصل نہ ہو تو اپنے بخت و قسمت کا گھر کرے۔  
امن و امان کا طالب، بخت و قسمت کا شاک، غالب و فقط۔

[ اودھ اخبار، کلکتہ، ۲۳۔ اپریل ۱۸۶۲ء، صفحہ ۳۸۱ ]

---

سے آپ کے اخبار حق نگار، مطبوعہ ۲۳۔ اپریل سنہ ۱۸۶۲ء (صفحہ ۲۸۱) میں عبارت نشر پختہ قلم جو اس پر رقم۔۔۔ جناب والا مناقب مرزا اسد اللہ خاں غالب و بلوی۔۔۔ کی دو باب تبدیل و تفسیر عوام و کچھ فہمائے ہند میری نظر سے گزری، جس سے یہ مقصود ہے کہ انوار جنگ ایرانیوں بہ افغانوں میں خام لوگ کیا کیا خیالی خام ظاہر کرتے ہیں۔۔۔ بہ طبیعت مضمون شجر انارش جناب بہ مرشد ناو استقامت و تاحضرت غالب۔۔۔ عیا و تفسیر اہلباں، نسبت شہرت جنگ اہلباں بہ افغانوں، تحریر جناب مدد کی، حق بجانب اور میں خیر اندیشی حاکم و مملوک ہے۔  
( اودھ اخبار، کلکتہ، ۱۴۔ مئی ۱۸۶۲ء )

# کلمات استقبال :



لاہر	مولانا حامد علی خاں	لاہر	ڈاکٹر مسید محمد عبداللہ	لاہر	محمد عبدالرحمن چٹاوی
لاہر	پروفیسر بشیر احمد صدیقی	لاہر	ڈاکٹر مسید عبدالحمید	لاہر	ڈاکٹر تنویر مصطفیٰ خان
لاہر	ہالک رام	لاہر	پروفیسر اے احمد مسعود	لاہر	خواجہ منظور حسین ملک
لاہر	ہنیر نیازی	لاہر	مولانا امتیاز علی مرشد	لاہر	پروفیسر شام احمد فاروق
لاہر	ڈاکٹر فیچہ نازنگ	لاہر	مستین الرحمن مرتضیٰ	لاہر	مسعود احمد بکاتی
لاہر	ڈاکٹر فتوان چشتی	لاہر	اکبر علی خان سرخشاہ	لاہر	عبدالقوی دینوی
لاہر	ڈاکٹر وحید قریشی	لاہر	شان الحق حق	لاہر	ڈاکٹر نصیم احمد صدیقی
لاہر	ڈاکٹر جمیل عباسی	لاہر	ڈاکٹر شمس الدین صدیقی	لاہر	ڈاکٹر فرزانہ فہیم پوری
لاہر	ڈاکٹر ایم اے عزیز	لاہر	ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی	لاہر	مشتق خواجہ
لاہر	غلام قادر آزاد	لاہر	ڈاکٹر شکور احسن	لاہر	ڈاکٹر عبادت بریلوی
لاہر	سلیم اختر	لاہر	ڈاکٹر تبسم کاشمیری	لاہر	پروفیسر مشرق انصاری
لاہر	کشور تاجپد	لاہر	پروفیسر میک وقار عظیم	لاہر	عتایت اللہ
لاہر	انور مسدیدی	لاہر	کرامت حسین جعفری	لاہر	ڈاکٹر انور بکاتی
لاہر	محمد کبیر الدین صدیقی	لاہر	ڈاکٹر ظہیر رحید صدیقی	لاہر	محبوب جہا ناہیدی

## مصوّر مشرق محمد عبدالرحمن چغتائی :

غالب کے متعلق کو ایک حدی سے نو پر روز گزر گیا۔ یہ غالب کی خوش قسمتی ہے کہ اسے ہر زمانے میں مقرب نئی نظم نصیب رہے۔ کم سن غالب کو میر تقی میر نے پہچانا، پندرہ گھر غالب سے عالی دود چارہ جوئے حلقی کی "یاد گھر غالب" (۱۶۱۸۵۷۷) سے مظاہر غالب کا ایک مضمون بکشان دود شروع ہوا، پھر اپنے اپنے وقت پر ڈاکٹر عبدالرحمن بھٹوی، ڈاکٹر سید حسن، ڈاکٹر سید عبداللطیف، تنقید بہار خود راقم الحروف، مروانا غلام رسول مراد، ڈاکٹر امین ایم اگر ام، مولانا امتیاز علی عرش، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ہمیش پرشاد، قاضی عبدالودود، بانگ نام، پروفیسر سعید احمد خاں اور ڈاکٹر شوکت سبزوادی نے غالبیات میں روشنی دیا۔ حاکم چغتائی۔ ان میں سے دو تین کے علاوہ سب اپنا کام ختم کر چکے اور خود ختم ہو چکے، باقی جو ہیں وہ تیار بیٹھے ہیں۔

### نہا رہے نام اللہ کا

خوشی کی بات یہ ہے کہ نشر اور نویں بڑی مددگار غالب کی امیر جے جی نئی نسل میں غالبیات سے انہماک کی ایک ٹنڈاں اور مدنی شکل ڈاکٹر سید معین الرحمن کی ذات ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایسے انھوں نے بشارت پائی کہ اب ہم کتاب گھسی، سندھ یونیورسٹی کے ایسے انھوں نے غالب پر تحقیق کام کیا اور سندھ تعلیمات پائی اور یہ ایک ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی ان کا حریف نہیں۔ پاکستانی بھر میں معین صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں جس نے غالب پر اپنی اچھی مڈی کی سطح پر کام کیا ہو۔

اب "غالب اور انقلاب ستاروں" کے محاسن موضوع پر ڈاکٹر سید معین الرحمن کی زیر نظر کتاب شاہ آدھی ہے۔ یہ غالب کا معروضی مطالعہ ہے اور غالب کو ایک بانگ تھے ستاروں میں پیش کرتا ہے۔ معین صاحب نے "آبِ انقلاب" میں غالب کے دل کو کاسیائی کے ساتھ متعین کیا ہے اور انقلاب ستاروں کے حوالے سے غالب کے شعری رویے کا احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد یہ ماننے قائم کی ہے کہ :

"اس انقلاب نے ہم سے شاعر غالب کو چھین لیا، جبکہ شاعر غالب نے اس انقلاب کے بعد نمود پلایا۔"

ڈاکٹر سید معین الرحمن نے اپنے اس موقف کو بڑی خوب صورتی سے نبھایا ہے اور اس کی تائید میں

ایسی محکم شہادتیں پیش کی ہیں اور اس خوش تعبیری سے نتائج نکالے ہیں کہ ان کی بات ماننے بغیر چارہ نہیں۔ مقررہ کہ نصیب صاحب کی یہ کتاب مراد کی فراہمی، نتائج کے استنباط اور اپنے سلیقہ انظار کی بنا پر ادب غالب میں بہت قیمتی اور گرہیں نقد اضافہ ہے۔ امید ہے کہ اعلیٰ سطحوں میں اس کا پرورش استقبال کیا جائے گا۔

— لاہور، ۱۴ جون ۱۹۶۳ء —



### ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ :

ڈاکٹر سید نصیر الرحمن غالب شاعروں میں ایک مقام پیدا کر چکے ہیں۔ مطالعہ غالب کے سلسلے میں ان کی "لذہ تحقیق" و "تنبیہ" سے متعلق ہے جس کا نام "غالب اور انقلاب شاعری" رکھا گیا ہے۔ اس میں رشتہ کار اردو ترجمہ ہے اور انقلاب ۱۹۵۷ء کے بارے میں غالب کے شعری اور شعری مذاہ کے فرق میں واضح کیا گیا ہے۔

سید نصیر الرحمن کے ساتھ تحقیق سرسے کی طرح اس نئی کتاب میں بھی کاوش اور تجربہ کار اور اہتمام موجود ہے۔ آخری باب میں جو انقلاب ۱۹۵۷ء کے بارے میں غالب کے شعری مذاہ سے متعلق ہے، مصنف نے بڑی بے غری سے اس بے لگ رویے کا انظار کیا ہے جو غالب پرستی کے اس دور میں بہت کم لوگوں سے متوقع ہے۔ یہ کتاب، غایبات کے سرسے میں واقع اضافے کا درجہ رکھتی ہے۔

چیتہ بین اردو فاترہ معارف اسلامہ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

— ستمبر ۱۹۶۳ء —



### مولانا حامد علی خاں :

ڈاکٹر سید نصیر الرحمن نے اردو ادب کی ترقی کے لیے آفاتر شہاب ہیں جس جو تحقیق اور انتہائی کام شروع کر رہا ہے۔ اُس کے نتائج اپنی مقدور رفتار اور اپنے معیار کے لحاظ سے حیرت انگیز ہیں اور ان کی کامیابی جسے جنوں کے لیے قابل رشک! "غالب اور انقلاب شاعری" بہ لحاظ نقد اور

ماشا آتہ لی کی نرین گلاب ہے ۛ

نگار ماہوں مضامین تازہ کے انہارا

بیسویں صدی کے آغاز میں، غالب اور غالبیات سے اذہر نور دل چسپی پیدا ہوئی وہ دنیا کو نظر آتی ہے کیونکہ غالب نے موجودہ دور کے نئے ادیبوں کے دل میں بھی گھر کر لیا ہے۔ چنانچہ خود ڈاکٹر سید نعیم الرحمن کی بھی نوکناہوں میں سے غالبیات پر یہ تیسری کتاب ہے۔

بڑے عظیم پاکستان و بھارت پر انگریزوں کے غلبے کے بعد، ان علاقوں میں فارسی زبان وادب سے دلچسپی برابر کم ہوتی چلی گئی، اور انیسویں صدی کے بعد بھی، مشرقی زبانوں کے بجائے ہماری توجہ زیادہ تر انگریزی ہی پر مرکوز ہے۔ بلاشبہ غالب کے اردو دیرانی اور مکتوبات سے قطع نظر اس کی بیشتر نگارشات کی زبان فارسی ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ ہم غالب پر تو مرتے ہیں مگر اس کی زبان سے آشنا نہیں ۛ

زبان یار من ترک دمن ترک نمی دامن

ڈاکٹر سید نعیم الرحمن صاحب نے ”غالب اور انقلاب ستاویں“ میں غالب کی مشہور کتاب ”بختیڑ“ سے مشا قان غالب کو مستعار کرنے کا فرض بڑی خوبی سے انجام دیا ہے، انہوں نے غالب کے اس دوز پانچے کی حسرت تک کہانی پر تفصیل، کتاب کے متن ہی میں نہیں، و حواشی میں بھی بیان کی ہے، اور اس کے ساتھ غالب کے تعلق اردو و کاتب شافی کر کے کتاب کا دل چسپ و دل آویز پس منظر بھی پیش کر دیا ہے۔

خاصی قریب میں ”دستجو“ کی خاص فارسی زبان پر ڈاکٹر عبد الشکور احمد صاحب نے بھی نہایت بصیرت افروز معلومات جمع کی ہیں اور انہیں غالب کے صد سالہ یوم وفات کے موقع پر جامع پنجاب کی طرف سے شائع کر دہ کتاب ”دستجو“ کے مقدمے میں شائع کیا تھا مگر اس میں ”دستجو“ کا اصل فارسی متن ہی تھا ہے، جو کچھ گل کے بے شمار فوج ان قارئین کے لیے ایک شبیہ سرزند سے کم نہیں۔ ڈاکٹر سید نعیم الرحمن صاحب نے ”دستجو“ کے پورے متن کا سلیس اور با محاورہ اردو ترجمہ فراہم کر کے ”دستجو“ کی مہر بند خرابی کو سب کے لیے عام کر دیا ہے۔

کتاب کے تصانیف تعارف اور حواشی کے علاوہ بعض اور نکتہ دہان اشارات میں ہمارے فوج ان محقق نے جو دلو حقیقت دی ہے، اہل نظر، مطالعہ کتاب کے بعد خود اس



کرمیت چٹنے، نامور کہے اور نیک نام رکھے، آمین۔

علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ  
— ۱۲، اکتوبر ۱۹۷۳ء



پروفیسر خواجہ منظور حسین (طیک) :

”غالب اور سن ستاون ہر آپ کی تحقیق و تفریق کی جتنی داد دی جاسکے کم ہے۔ اس مضمون پر اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کی آپ شاید ہی گنجائش رکھیں۔“ ”دستبرد“ کے لکھنے میں ”ذاتی تحفظ اور فردیت“ کی نیت تو مرعہ شامل ہے مگر یہ ”سراسر“ انگریز حکام کی تائید و تحسین میں نہیں..... ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ رکھنے کے باوجود یہ بھی اُس خوں چکھ رُو داد سے خالی نہیں جو غلطی میں بیان ہوئی ہے۔“

— ۵، پور ۲۶، جون ۱۹۷۵ء



پروفیسر الی احمد سرور :

آپ کی کتاب ”غالب اور انقلاب ستاون“ شطے سے ری ڈائریکٹ ہو کر میرا مجھے ہی نہیں شطے سے کچھ دن کے لیے ایک ذاتی کام سے علی گڑھ آیا ہوا ہوں..... آپ کی کتاب سرسری طور پر دیکھ سکا ہوں لیکن اس نے متاثر کیا۔ آپ نے ان کی تقریباً ہر تحریر کو کسٹال لیا ہے۔ غالب پر آپ کا یہ جملہ کہ ”نور نے اردو سے ایک شاعر جنم لیا اور ایک بٹا اثر نگار سے دیا اساتذہ کی حقیقت کو بڑی خوبی سے پیش کرتا ہے۔ یہ یاد رکھیے کہ آپ کی اس کتاب سے آپ کی بالغ نظری، تنقیدی صلاحیت اور تحقیقی استعداد و سب کا اندازہ ہوا اور اس کے ساتھ آپ کی اردو کے لکھنے والوں سے گہری دلچسپی اور تازہ مطبوعات سے شغف کا بھی۔“

— علی گڑھ، ۱۷، مئی ۱۹۷۵ء



مالک رام :

”غالب اور انقلاب ستاون“ آپ کی طرف سے موصول ہونے والی بہت مفید کتاب ہے یہیں آپ سے



اس بلے خوش ہوں کہ آپ کچھ نہ کچھ مفید کام کرتے رہتے ہیں اور وقت ضائع نہیں کرتے، جیسا کہ آج کل کے بیشتر یونیورسٹی کے اساتذہ کی روش ہے۔ غلامرضا۔ وقت ضائع کرنے کی چیز نہیں۔ یہ خدمتِ کریم کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا ضیاع کفرانِ نعمت کے مترادف ہے۔

ذیغض کاوٹی، تہی دلی

۶۱۹۷۵ء



## پروفیسر نثار احمد فاروقی :

پاکستان سے کتابوں کی آمد و رفت ہرچہ پابندی تھی، وہ اب ختم ہو چکی ہے مگر اس کے باوجود کتابوں کا تہلولہ کچھ تیزی سے نہیں ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانا کے بحران کی وجہ سے اُدھر بھی کتابوں کی طباعت کی رفتار کم رہی ہے اور اچھی علمی و ادبی کتابوں کی رفتار بھی بہت سُست ہے میرے سامنے قابلِ ذکر کتابوں میں صرف دو ہیں اور دونوں میرے دوست ڈاکٹر سید نعین الرحمن صاحب کی تصنیفات ہیں۔

نعین صاحب ان دونوں گورنمنٹ کالج، اٹال پور میں شعبہ اُردو کے صدر ہیں۔ انہوں نے غالب صدی کے موقی پر ایک ہلو گرافی بھی شائع کی تھی اور سید سجاد وحید راجہ کے بارے میں بھی ایک ایسی کتاب لکھ چکے ہیں مگر غالب ان کے اختصاصی مطالعہ کا موضوع ہے اور غالب وہ پاکستان میں ڈاکٹر اسکالر بھی ہیں جس نے غالب سے متعلق نعین صاحب کی اپنی ڈی کی سند حاصل کی ہے۔ اُن کی تحریر دیکھ کر میں مراد کا اعطاء اور طرزِ پیش کش میں سلیقہ بدھجہِ احقر پایا جاتا ہے۔ اُن کی ایک جگہ جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان کی علمی و ادبی مطلقوں میں شناساں اعتراف کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔

سن ۱۹۶۹ء عیسوی میں غالب کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر پاکستان میں بہت سی کتابیں چھپیں تھیں۔ اس کے بعد پچھلے چار برسوں میں صرف چھ کتابیں اور آئی ہیں جن میں ایک اہم کتاب ”غالب اور انقلابِ ستاون“ ہے۔ اس کے مُصنّف ڈاکٹر سید نعین الرحمن ہیں۔ بڑے سائز پر ۱۶۶

۱۶ اشاریہ غالب، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۶۹ء

۱۶ کے مُطالعہٴ مُقدم، مطبوعہ انڈسٹریل پبلشرز سرگرم روڈ، لاہور ۱۹۷۱ء

مفتی کی یہ کتاب سنگ میل کی شہرت اور بڑے آئینہ پر چھائی ہے۔

اس کتاب میں اُن تمام مباحث کا احاطہ کر لیا گیا ہے جو ۱۹۵۷ء میں غالب کے دہلی کے ہجرت میں ایک نئے متفرق طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ شروع میں ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں غالب کے روزنامہ ”دستبر“ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ وہ روزنامہ ہے جو ہندو کے زمانے میں غالب نے خاندان نشین کے عالم میں لکھا تھا اور بعد کر پھر اگر انگریز حکام کی خدمت میں تحفے کے طور پر بھیجے رہے تھے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ ۱۹۵۷ء کی شورش کے سلسلے میں اُن کا نقطہ نظر کیا رہا ہوگا۔ اس میں ایک کمی یہ رہ گئی کہ غالب نے اسے اپنی فارسی دانی کے مظاہرے کا اعلان نہیں بنایا اور اس عبارت لکھنے کی کوشش کرتے رہے جس میں کوئی لفظ عربی کا نہ آئے ہوئے، حالانکہ اس میں دو درجی سے زیادہ عربی الفاظ گھس آئے ہیں۔ اس التزام کی وجہ سے عبارت اکثر متعلق اور کہیں کہیں بالکل غلط ہو گئی ہے اور اچھے زمانے فارسی جانتے والے کے لیے بھی اس کتاب سے بے تکلف استفادہ کرنا آسان نہیں رہا تھا۔

”دستبر“ کے دُرد و تراجم بھی گزشتہ آٹھ برسوں میں کئی بار ہوئے۔ دو ترجمے پاکستان سے اور دو ہندوستان سے چھپے۔ اب سید ضیاء الرحمن صاحب نے بھی زیر تبصرہ کتاب میں ”دستبر“ کا پورا ترجمہ شامل کیا ہے جو سہل اور با محاورہ ہے۔ ترجمے پر جا بجا تفسیر و توضیح حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے جن کے علاوہ غالب اور ۱۹۵۷ء کے متعلقہ مباحث کی تفصیلات اور تفسیر کے لیے تمام ممکن تائید سے استفادہ کرتے ہوئے وقائع اور حوادث کی تشریح پیش کی ہے۔ تبصرے باب میں ایسے تقریباً نکل اقتباسات جمع کر لیے گئے ہیں جن میں اُس خط کا حوالہ خطوط غالب میں آیا ہے پھر ان کا عالمانہ تجزیہ کیا ہے۔

ضمیمے میں غالب کا ایک نادر مضمون دو تباہی دہلی اور ملک و کشور کا اعلان اور یکم حفیظ کا فرما بھی ہے۔ اس طرح یہ کتاب محض قریب اور تحقیق کا ایک اچھا نمونہ بنی گئی ہے اور اسے صرف ”دستبر“ کا ترجمہ کہہ کر نہیں گزرنا چاہیے۔ انقلاب ستائیں اور غالب کا شعری تدبیر کے عنایں سے ڈاکٹر سید ضیاء الرحمن نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اُن کی نظر کی تہہ رسی اور فہم کی غیر جانبداری کا شاہد ہے۔ اتنی طویل اور تاریخی حوالوں سے پھر یہ اہم کتاب میں اندکس اور کراؤ لوجی کا نہ ہونا بہت کھٹکتا ہے۔ اُمید ہے کہ مبعث شانی کی ذمت اُن پر ضیاء صاحب پر کسی ضروری کڑی کر دیں گے۔

آل انڈیا ریڈیو، اردو سروس، دہلی



## مولانا امتیاز علی خاں عرشی :

”غالب اور انقلاب ستاروں“ اگر تلوں کے ندیے پر مڑے کا مرقع ملا۔ دیکھ کر دل سے آپ کے لیے ڈھانگی۔ آپ نے محنت کے ساتھ ساتھ بڑے سچے کا ثبوت دیا ہے۔ سالے کی فراہمی میں بھی کوشش نظر آتی ہے۔ وہ لائقِ داد ہے۔ آپ جیسے جوانوں کے کام دیکھ کر اُمید ہوتی ہے کہ ترقی کا مستقبل روشن ہے۔ خدا آپ کو اور حوصلہ عطا فرمائے اور مواقع بھی۔

”اشاریہ غالب“ کی تکمیل کو اذیت دیجئے، یہ مشورہ مزید ہے۔ اس کی اذیت بیان سے بہتر ہے۔ یہ اس واسطے بھی لکھا ہوں کہ اس موضوع کے معاملے میں بھی آپ نے تلاش و تفتیش کا حق ادا کر دیا ہے۔ میرے سامنے اور لوگوں کی کوششیں بھی ہیں مگر آپ کا کام بہت بلند و بڑا ہے۔

تاکم، رضا خیر بیری، ماسکو، (یو۔ پی)

۲۰ اگست ۱۹۷۵ء



## صغیر نیازی :

ڈاکٹر سید نصیر الرحمن کی یہ کتاب ”غالب اور انقلاب ستاروں“ چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلا حصہ ”منتخب“ (فلسفی) کا تعلق ہے۔ ”منتخب“ پر حاکم کے سے قبل چند حقائق ایسے ہیں جنہیں غوروں کے اور جھیل نہیں ہونا چاہیے۔ غالب نے اس کتاب کا ڈول اُس وقت ڈالا جب اُن کی ”زندگی کا باسطوں سال شروع ہوا“ (غالب اور انقلاب ستاروں، ص ۹۰) اور جسمانی کیفیت کا یہ حال تھا کہ ”میں بڑا رخصا اور کمر درد..... گوشہ نشینی میں بیٹھے رہنے..... کا عادی..... (ص ۱۱۰) ہوسکتا تھا کہ وہ جیسے ہی کوئی نیا بلو خاطر حاضر ہو..... (ص ۹۱) اور ساتھ ہی ایک بڑے کنبے کی کفالت کا بوجھ.....“ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ داستان، اُس وقت لکھی گئی جب اُن کے چاروں طرف آگ اور خون کی ہولی کھیل جا رہی تھی..... اور یہ کہ اُسے روزنامہ ”ذاتی تحفظ اور شروع مراتب“ کی غرض سے

۱۔ نعت غالب شمس، اکبر علی خاں عرشی، اردو، اسٹینٹ ڈائیکٹر، رضا خیر بیری، ماسکو۔

۲۔ ”اشاریہ غالب“ کی پہلی جلد ۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری نے شائع کی تھی۔ دوسری اردو ہی جلد کی تکمیل اس وقت ہے۔



فریر ہونے کی حیثیت سے تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔۔۔

سماعی غالب، کراچی، شمارہ ۳،

— جولائی ستمبر ۱۹۷۵ء میں ۱۱۳—۱۱۴



مسعود احمد برکاتی :

ڈاکٹر سید نعیم الرحمن صاحب کی تازہ تصنیف "غالب اور انقلاب ستاروں" غالبیات میں ایک اہم اضافہ ہے جس میں سنہ ۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی کے بارے میں غالب کے رقیے کو واضح کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

غالب اپنی زندگی میں ناقد ری کے شاکی رہے اور حتیٰ یہ ہے کہ قدر جیسی ہوتی چاہیے تھی، ویسی نہ ہو سکی اور غالب کو زندہ رہنے کے لیے کیا کیا پاڑے بننے پڑے، لیکن ان کی وفات کے بعد حالی سے لے کر ضیائی تک بہت سے غالب شناسوں نے غالب کو غالب کرنے میں نگر و تحقیق کے نئے نئے گروٹے نمایاں کیے اور کچ غالب کا مطالعہ اپنے ادبی ذوق کا اعتبار پیدا کرنے کے مترادف ہے لیکن غالبیات کی اس کثرت کے باوجود اب بھی مطالعہ غالب کے بہت سے پہلو نشہ قوت ہیں۔

"غالب اور انقلاب ستاروں" ان کتابوں میں سے نہیں ہے جو غرض غالبیات کی تعداد میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ یہ کتاب غالب کی زندگی اور فن کے متعلق نیا انداز فکر بخشتی ہے۔ "دست خیز بجا" کے دوران غالب کے رقیے کی صحیح تصویر میں غالب پرستی مانع ہوتی ہے لیکن ڈاکٹر سید نعیم الرحمن نے پرستش کی سطح سے بلند ہو کر غالب شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ نعیم صاحب نے غالب کی "دستخبر" خطوط اور شاعری کے بالاستیاب مطالعے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ "دستخبر" میں غالب نے "امالات کو جہاں تھیں نہ صرف کچھ کم کر کے بلکہ رنگ آمیزی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر بھی پیش کیا ہے۔" "دستخبر" کا مقصد انگریزوں کی وارد گیر سے اپنی ہیبت اور اپنی فادری دانی کا سکہ جانا سنا اسی لیے انھوں نے "دستخبر" میں دستخبری زبان استعمال کی اور اسی لیے انگریز کے منت استانی لکام کے باوجود یہ کتاب حاجت طلبا عت پس منگی۔ "فادری آئینہ" ہو عربی "لے" "دستخبر" کو اپنی وطن پروردہ رکھا مگر انگریز لکام کو "نذر کے پارسل" بھیجے گئے۔ کتاب کے شروع میں "ملک مظلوم کا

تصدیق بھی شامل کیا گیا اور حکومت سے درخواست بھی کی گئی کہ وہ اس کتاب کو اپنے خزانے پر عید  
شائع کرے۔

خواجہ من نظامی نے "غالب کا روزنامہ" میں لکھا ہے: "غالب نے پیامِ غم میں یہ کتاب لکھی  
تھی جب کہ شرفا اور خصوصاً مسلمانوں کا سانسِ خوف و یاسی سے گھٹ رہا تھا۔ اس واسطے اگر  
ان کی رائے زنی میں مصلحتِ وقت کا چھلور زیادہ نمایاں نظر آنے تو موجودہ فسلوں کو اعتراض ذکر نہ کیا  
کیوں کہ غالب نے باوجود نزاکت و حقّت بعض باتیں ایسی آزادوی و بے باکی سے لکھ دیں کہ کوئی دوسرا  
لکھنا چاہتا تو وارد گیر کے اس ہولناک وقت میں نہ لکھ سکتا تھا۔" اس میں شک نہیں غالب  
جیسے بے روزگار، اس پسند اور ضعیف شاعر سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اقتدار سے ٹکر لے اور  
جرات میں کوئی نمایاں کردار ادا کرے۔

پہلی یہ ضرور ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں ایک ضعیف الارادہ انسان، وقت  
اور احتیاج سے مجبور ہو کر صد باتیں اور پی ویل سے کہہ بیٹھا ہے مگر کچھ اس سے دل کے اہل  
عمرسات و جذبات صحت نہیں سکتے۔" اور غالب کے احساسات ان کے خطوط میں ظاہر نہ  
خط کے باز رہنے کی امید میں اپنے دل کی بہتر اس اپنے مکاتیب میں نکال لیتے تھے۔ لیکن عجیب  
بات یہ ہے کہ اس انقلاب نے غالب سے شاعری چھین لی۔ مصیبتِ ارحمنی صاحب نے ایک تجرّبہ و  
داخل بحث کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انقلابِ ستاروں نے ہم سے شاعر غالب کو چھین لیا جب کہ نثر نگار  
غالب کا نظریہ اس کے بعد نچرا۔ یہ نتیجہ ایک حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن جس طرح غالب کے کلام کی  
زمانی ترتیب کو پیش نظر کہ کر شعری رویت واضح کیا گیا ہے، اُس طرح جس غالب کے خطوط کی  
تاریخی ترتیب طرزِ نگار کہ کر تجزیہ کرنا ہو گا کہ مارچ ۱۸۵۸ء سے دسمبر ۱۸۵۹ء کے خطوط  
لکھنے شروع کیے، ۱۸۵۷ء تک اور پھر ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۵۹ء تک خطوط کی تعداد اور ان کا کتابت  
کیا ہے۔ یعنی غالب نے ۱۸۵۷ء سے پہلے زیادہ خطوط لکھے یا اس کے بعد۔ مگر غالب نے ۱۸۵۷ء  
سے ہی غم، اور دوسری نثری تحریریں لکھنی شروع کی جو میں تو اہم کہہ سکتے تھے کہ نثر نگار غالب کا  
ظہور انقلاب کے بعد ہوا۔

نوٹ: - یہ کتاب ہے کہ اردو کے نثر نگار کے بعد غالب کا "عمر" انقلابِ ستاروں کے بعد نچرا، یہ کہ ان کی کہ نثر نگار

۱۸۵۷ء میں انقلاب کے بعد نچرا، گتھجی بھائی "سور" کو بھی زیادہ غلابِ حقیقت نہیں  
۱۸۵۷ء میں

ہم نہیں صاحب نے جو وقت اختیار کیا ہے، اُس کی بنیاد فکر اور تحقیق پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں اُن کو بہت عرق پڑی اور جہاں نشان کے کام لینا چاہو گا اس سے قبل بھی "اشاریہ غالب" اور اپنی دوسری کتابیں مُرُقب کرنے میں اُنہوں نے دل جمعی کا ثبوت دیا ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت "کلماتِ استقبال" کے عنوان سے مشہور مشرقی عبدالرحمن چشتی کی تقریظ بھی ہے جو مرحوم کی مطلوبہ تقریروں میں آخری مثبت ہوئی۔ انہوں نے کہہ "کارِ چشتانی" کے نام سے دیوانِ غالب کا جو نیا ایڈیشن شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اُس کے ہم عمر دہرہ گئے۔  
دوسرا بھی "غالب" کہاجی، شماره ۲

— چرکائی، ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۱۶-۱۱۹ —



پرو فیسر حسین الرحمن مرقدی:

ڈاکٹر فرہان فتح پوری صاحب کے ذریعے "غالب اور انقلاب ستاروں" علی، اسٹی روڈ میں نے پڑھ بھی ڈالی۔ غالب کے کردار کے ایک پہلو کا بہت عمدہ تعارف ہے۔ کتاب اپنے مواد اور موضوع کے اعتبار سے بہت اچھی ہے۔

— شعبہ مصافت، کراچی یونیورسٹی، کراچی



"اُدو تڑپیں غالب کی کوئی کتاب میرے سے پہلے انتخاب شائع نہیں ہوئی۔ اُن کی تشریح کی سب کی سب کتابیں ۱۹۵۷ء کے بعد تھیں، نہایت بُرائی کے سلسلے کی چند نذرانے ہیں انہیں میں لکھتی، ۱۹۵۵ء کے بعد، ایک سلسلے سے قیامِ انقلاب میں ملک کی خدائیں کا حاصل ہیں۔ غالب کے اُدو تھکوں کے سلسلے جیسے بھی انقلاب ستاروں کے بعد منظرِ عام پر آئے اور ان خطوط کا جتنی بے حد شہادت اور حقیقت ستاروں کے بعد کا اہم کردار ہے۔"

(غالب اور انقلاب ستاروں، مین بک ص ۱۱۶)

اس زمانہ میں، گناہوں کو تڑپا غالب کا اُدو، اس انقلاب کے بعد تھا اور اُنہیں کا اگلے صفحے پر تڑپا گناہیں دیکھیں سنا ہے  
۱۹۵۵ء کے انقلاب کی دہائی ہے۔ — نہیں دیکھیں





## ڈاکٹر عنوان چشتی :

کراچ کا دن، آپ سے دور ہوتے بھرتے بھی، آپ کے ساتھ گزرا۔ ”غالب اور انقلاب“ کو  
کراؤٹ پلٹ کر دیکھا رہا اور آپ کے تنقیدی شعور اور طنز و عیب کشی کی داد دیتا رہا۔ آپ کی تحریر کے  
غلوں نے اور بھی متاثر کیا، غالب پر آپ کا یہ کام بہت اہم ہے۔

فصلہ اردو، جامعہ قلم اسلامی، نئی دہلی

— ۵ فروری ۱۹۷۵ء —



## ڈاکٹر فصیح احمد صدیقی :

”غالب اور انقلاب ستاون“ اور آپ کی دوسری کتابیں دیکھیں۔ میں نے کیمسٹری میں مضرہ  
میں اور خاصہ بڑے عرصے تک باہر بھی پڑھانے میں وقت گزارا ہے اور اب تو مندرہ میں ہر سہ  
ذریعہ معاش میں ہے۔ لیکن اردو کی شدہ بد سے جس واقفیت رکھنے کی جوش کوشش رہی ہے۔ علی گڑھ  
میں رہیں جانے سے ایک ”خوابی“ یہ ہونی کو کس طرح بی گڑبہ کی چیز پر نظر نہیں جاتی۔ آپ کی کتابیں  
چرچا دینے والی لگتی ہیں۔ خدا کرے دوسرے وقت میں کے ساتھ لکھنے کا کام اسی اہل سطر پر ہوتا ہے۔  
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

— ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء —



## شان الحق حق :

”واقعات ۱۹۵۷ء کی فہرست سے غالب کی نظم و نثر اور ان کی مستقل تالیفات ”دستبر“ کا ذکر  
اکثر ہوتا رہا ہے، لیکن زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر سب سے مفید اور جامع تالیف ہے جس میں نہ  
صرف غالب کی تمام مستقلہ تحریریں بڑی منت سے جمع کی گئی ہیں بلکہ ”دستبر“ کا مکمل ترجمہ بھی شامل  
ہے اور اس پر سیر حاصل ہوا کہ جس۔ یہ غالب کی ہیئت کا ایک ایسا ہی ناقابلِ تخراب ہے، جیسے  
کہ ہماری اپنی تائید کا۔ مگر ایک ناقد یا مفسر کے لیے اس کے سوا چارہ کار بھی کیا کہ

حقائق کو جوں کا توں تسلیم کرے۔ ڈاکٹر یہ نہیں ارغمن نے حقائق کے بیان میں غالب کی طرفاری نہیں کی اور وطن و تفریق سے بھی پرہیز کیا ہے۔ وہ ایک منجھے ہوئے ناقد اور نقاد ہیں، انھوں نے اپنی نظمیں بہت تنقید اور گارآمد حواشی سے کتاب کو شہادت دل چسپ اور قابل مطالعہ بنا دیا ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر دوسرے ناقدین کی تحریروں کے بھی سیر حاصل انتہا سات دیتے ہیں اور ان کو بڑی شرف نگاہی سے جانچا کر لکھا ہے۔ ان کی اس تمام کاوش کا یہ ثلثہ کہ ۱۸۵۷ء نے ہم سے غالب شاعر کو چھین لیا اور نثر نگار کو جنم دیا، مطالعہ غالب کے سلسلے میں ایک نئی بصیرت کا کلم رکھتا ہے، اور موضوع پر پوری بحث قابل مطالعہ ہے۔

کتاب عبدالرحمن چغتائی (مروم) کے لکھے ہوئے پیش لفظ یا کلمات استقبال سے مزین ہے۔ اس میں مزاج غالب کی نئی اور پرانی تصاویر بھی شامل ہیں، جو اس لحاظ سے بھی موزوں ہیں کہ مصنف نے ۱۸۵۷ء میں شاعر کی معنوی موت کا واقعہ بڑی کاوش سے دریافت کیا ہے۔  
(اردو ہمسایہ کراچی شمارہ ۵۰، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۳۴)



## ڈاکٹر وحید قریشی :

”غالب اور انقلاب ستاروں کے شروج کے چہ ہر منے ابتدائی اورانی کو چھوڑ کر دستبر کے تعارف کو پیش کرتے ہیں، پھر ترجمے کا متن مع حواشی ہے۔ کتاب کے آخر میں انقلاب ۱۸۵۷ء سے متعلق وہ انتہا سات ہیں جو غالب کے خطوط سے یکجا جاکتے گئے ہیں۔ اس کے بعد انقلاب ۱۸۵۷ء اور غالب کا شعری رد و تشریک، اشاعت ہے۔ دو مضمیوں میں کچھ اور تفریق معلومات درج ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا مقدمہ ”دستبر“ کی اشاعتوں، موضوع، تجزیہ طباعت، ترسیل کتاب، انگریزوں سے مرسلت پریش کے اجرا کی اُمید، ملکہ و کٹوریہ کی مدح، طبع کا سرورق اور خاتمہ انکسار تائی و دستبر کی زبان، امتعال کی حکمت، جمع و ترتیب، طبع اول کا نکاس، سندرجات کی کیفیت، طبع تصنیف، ہمیں اشاعتوں اور قلمی شے کو عادی ہے۔“

”حیات غالب“ اور ”شیخ محمد اکرم میں دہلی کی مابین کے عزاں سے غالب کے بعض بیانات کی تردید مسر ساندسن کے خط کے حوالے سے کی گئی ہے۔ مبین صاحب نے اس موقع پر ۱۸۵۷ء سے متعلق معاشرا و قوں پھر اس سدا ل کو آگے بڑھایا ہے اور مقدمے کا یہ حصہ پڑانے معلوم مراء

میں اٹھانے کا باعث ہوا ہے.....

انقلابِ ستاروں اور غالب کا شعری ردیہ کا بنیادی نتیجہ اگرچہ نیا نہیں مبین صاحب کے علاوہ اور کئی غالب شناس اس کے قائل رہے ہیں، لیکن مواد کی فراہمی اور کلامِ غالب کے ساتھ اس کی کڑیاں ملا کر غالب کے آخری دور کے کلام کو سمجھنے کے لیے مبین صاحب کے ناویہ نظر سے بصیرت منور ملتی ہے۔ اس لحاظ سے اس جتنے کو کتاب کا حاصل سمجھا جاسکے.....

ڈاکٹر مبین الرحمن کی یہ کاوش دورِ حاضر میں غالب کو عوام میں روشناس کرانے کا سوشل فرمڈ کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب غالبیات پر ڈگری لے چکے ہیں، موضوعات کی مناسبت سے اُن کے سامنے مواد کا ذخیرہ وافر طور پر موجود ہے..... وہ جہاں سال ہیں، جہاں ہمت ہیں، ان میں وہ صبر اور محنت ہے جو اچھی تحقیق کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔

ریڈیو پاکستان، لاہور

— اکتوبر ۱۹۸۷ء



## ڈاکٹر فرمان فتح پوری :

غالب اور غالبیات پر ایک وہ نہیں سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں، تقب کی بات یہ ہے کہ نہ لکھنے والے ٹھکے ہیں، نہ پڑھنے والے سیر ہوتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ غالب کا ہر باغِ نظر نقاد، اُس کی شخصیت اور کلام سے کوئی نہ کوئی ایسا اچھوتا چلو اپنی گفتگو کے لیے نکال لیتا ہے کہ وہ علم و ادب کے قارئین کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے، کم از کم قریبِ نظر کتاب کی ہی صورت ہے۔ اس میں ڈاکٹر سید مبین الرحمن نے غالب کی زندگی اور فکر و نظر کے بارے میں بعض ایسی باتوں کا انکشاف کیا ہے جو ابھی تک غالب کے عام قاری ہی نہیں خاص سے بھی پوشیدہ تھیں۔

ہر چند کہ کتاب کی اساس غالب کی مشہور کتاب "مستقبلِ ہر قادم ہے لیکن مُصنّف نے "مستقبل" کے حوالے سے غالب کے مُستقل امتیازی اور نیا مواد اس کتاب میں جمع کروایا ہے کہ جو لوگ غالب کے ذہن کو فی الواقع پڑھنا چاہتے ہیں، اُن کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ غالب نے "مستقبل" کو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران روزِ ناچھے کے انداز میں لکھا تھا، لیکن کچھ ایسے چیزیں

کے ساتھ کہ ایک طرف وہ اپنے ہم وطنوں میں سرخود بنے رہ سکیں اور دوسری طرف فرنگی حکمرانوں کی خوشنودی بھی حاصل کر لیں۔ ایک تیسرے دو شمار کرنے کے لیے انہوں نے "دستبر" کو کس انداز سے مُرُقب کیا تھا اور اس کے لیے فارسی کا کونسا اسلوب اختیار کیا تھا اُس کی تفصیل اس جگہ ممکن نہیں، مبین صاحب کی کتاب کے مطالعے ہی سے اس کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر سید مبین الرحمن نے "دستبر" کے اُردو ترجمے کو مزوری حواشی و تعلیقات اور مقدمے کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کروایا۔ اس طرح "دستبر" کے مطالب و مباحث ایک عام و خاص، سب کی رسائی ہو گئی اور غالب کے بارے میں کئی ایسی باتیں سامنے آئیں جو صرف نئی نہیں بلکہ بعض جہوں سے حیرت انگیز بھی ہیں۔ "دستبر" کے نکات کو سمجھنا، اس کے منظر اور پس منظر پر روشنی سے نگاہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی، لیکن مبین صاحب چونکہ غالبیات کے پی انکا ڈی میں اور غالب کا مطالعہ اُن کی ادبی زندگی کا محبوب مشغلہ رہا ہے، اس لیے وہ اس مشکل کام سے با آسانی گزر گئے ہیں اور غالب پر ایک ایسی کتاب دے دی ہے جو غالب کے سلسلے میں کئی کتابوں کی مُرکب بن سکتی ہے۔

(دنکار پاکستان، گرامچی جنوری فروری ۱۹۹۵ء، ص ۹۳-۹۴)



### ڈاکٹر شمس الدین صدیقی :

ڈاکٹر سید مبین الرحمن کی کتاب "غالب اور انقلاب ستاروں" سنگو میل پہلی کیشن نے لاہور سے شائع کی ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت بہت عمدہ ہے۔ جلد مع خوبصورت گرد پوشی، ضخامت ۲۱۶ صفحات، قیمت پندرہ روپے۔

یہ کتاب چار حصوں میں مُقسّم ہے۔ پہلے حصے میں غالب کے فارسی روزنامے "دستبر" کا مُفَصَّل تعارف کرایا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں "دستبر" کا اُردو ترجمہ مع حواشی ہے۔ تیسرے حصے میں غالب کے خطوط سے وہ اقتباسات کہا گئے ہیں جو سن ستاروں اور اس کے بعد کے واقعات کے بارے میں کچھ کہتے ہیں اور آخری حصے میں سن ستاروں کے متعلق سے غالب کے شعری ردیے سے بحث کی گئی ہے۔ دو جگہ بھی شامل کتاب میں ہیں: "پہلا فیصلہ جہان" "تباہی شہرِ دہلی" اُس مضمون پر مشتمل ہے۔ جو غالب نے دہلی سوسائٹی کے لیے ۱۸۸۵ء میں لکھا تھا اور رسالہ دہلی سوسائٹی کے شمارہ اول میں

شائع ہوا تھا۔ دوسرے حصے میں انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ کا اعلان جاری کردہ نومبر ۱۸۵۹ء اور اس پر  
گھنٹوں کی نیگم حضرت مل کا تبصرہ شامل ہے۔ غالب کے مزاد کی دو تصویریں اور انقلاب ستاروں سے  
متعلق غالب کی چار نادر قلمی تحریروں کے کس بھی شامل کتاب ہیں

غالب کی تصنیف ”دستنب“ قدیم فارسی زبان میں لکھے ہوئے فارسی ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۸۵۹ء  
۱۸۵۹ء تک کے روزنامے پر مشتمل ہے۔ ”دستنب“ پہلی بار نومبر ۱۸۵۹ء میں چھپی تھی۔ اس کی شاعت  
سے غالب کا متعدد یہ تحاکر قلمہ نعتی سے اپنے تعلق کے دواع کو شایا جانتے اور انگریز حکام کو اپنی  
دفاعی کو یقین دلا کر پیش اور خلعت وغیرہ کو دوبارہ جاری کر دیا جانتے چونکہ انگریز حکام کی خوشنودی  
حاصل کرنے کے لیے غالب نے اپنے حقیقی تاثرات، مشاہدات اور واقعات کے طور پر مصلحت کشن  
اور مروتی شناسی کو پیش نظر رکھا تھا اس لیے ڈر تھا کہ عام قارئین غالب پر ہتکت غالی کریں گے۔

اس لیے اُس نے ایسی قدیم فارسی زبان اختیار کی جس میں عربی الفاظ نہ ہونے کے برابر تھے تاکہ عام  
قارئین اسے سمجھ ہی نہ سکیں۔ پورا بھی یہی کہ غالب کے ہمصر عام طور پر ”دستنب“ کے مطالب سے  
نا آشنا ہی رہے۔ آج جب کہ فارسی کا ذوق اُس زمانے کے مقابلے میں بہت ہی کم رہ گیا ہے ”دستنب“  
کو سمجھنا قارئین کے لیے اور بھی دشوار ہو گیا ہے۔ فاضل مولت نے ”دستنب“ کا وہ اردو ترجمہ جو صدر  
”اردوئے نعتی“ دہلی میں فروری ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا، اپنے تحقیق حراشی کے ساتھ شامل کتاب  
کے غالب کے اس روزنامے کو کج کے عام قاری کی دسترس میں کر دیا ہے، جس کے لیے ہمیں اُن  
کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

”دستنب“ کی شاعت، اس کے موضوع، اس کی فرض تصنیف اور اہمیت وغیرہ کے بارے  
میں یسے صاحب نے تمام ممکن معلومات بطور تعارف یک جا کر دی ہیں ..... ”دستنب“ تو غالب  
نے ذاتی حنفہ اور فرموز مراتب کی عرض سے لکھی تھی، اس لیے اس میں انگریز حکام کی تائید و تحسین بھی  
ہے اور ان کی دعات بھی لیکن غالب کے نجی خطوط سے اُس کے حقیقی جذبات اور سوز و رور کا خوب  
پتا چلتا ہے یسےیں الرحمن صاحب نے بڑی محنت سے وہ سب اقتباسات غالب کے خطوط سے نکال  
کر ترتیب دیتے ہیں جن کا تعلق سن ستاون اور اس کے بعد کے واقعات سے ہے .....

کتاب کے آخری حصے میں ڈاکٹر سید یسےیں الرحمن نے یہ ثابت کیا ہے کہ ۱۸۵۷ء کا سانحہ  
جس پر غالب نے اپنے خطوط میں بہت کچھ لکھا ہے، اُس کے ذوق شعر گرائی کے لیے ملک ثابت  
ہوا، اور اُس نے شعر گرائی تقریباً ترک ہی کر دی۔ اگر کچھ لکھا بھی تو بہی مدافعت اور نئے نظام

کی مدحت میں، چنانچہ اس میں سن ستاون کی دستاویز الم کا کبر انکلاکس نہیں ملتا۔  
 ڈاکٹر سید محمود نے دیوان غالب کے نظامی ایڈیشن پر جو ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا، ایک نکتہ  
 لکھا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ انقلاب ستاون نے غالب پر بہت اثر کیا تھا۔  
 چنانچہ اس کی تائید میں غالب کے تیس سے زیادہ اردو شعر میں پیش کیے گئے تھے، لیکن بعد میں غالب  
 کے کام کی توقیت کا کام ہوا، تو معلوم ہوا کہ وہ سب شعر غالب نے ۲۴ سال کی عمر تک لکھ لیے تھے۔  
 مبینہ صاحب نے انہی ستاون کے ساتھ ڈاکٹر سید محمود کے خیالات کی تردید کر دی ہے۔ سن ستاون کے بعد  
 سے وفات تک بارہ سال کے عرصے میں غالب کی اردو اور فارسی شعری تخلیقات صرف یہ ہیں، سنا  
 غزلیں، گیارہ قطعات، چند قصائد، تین رباعیات، ایک سرشے کے عین بند، ایک شنوی کے تین  
 شعر اور چند مفرد ابیات، ان میں بھی کئی چیزیں فراموش اور وقتی نوعیت کی ہیں۔

غرض فاضل تحقیق نے یہ بات پر مبنی طرح ثابت کر دی ہے کہ انقلاب ستاون نے ہم سے شاعر  
 غالب کو بچیں لیا جبکہ نثر نگار غالب کا بطور سن ستاون کے بعد ہوا۔ اس نکتے کو سب سے پہلے  
 شیخ محمد کریم نے واضح کیا تھا لیکن ڈاکٹر سید معین الرحمن نے اس کے لیے جوتائیدی اور استدلالی  
 بحث کی ہے، اس کی اہمیت بہر حال تسلیم کی جانی چاہیے۔ ”غالب اور انقلاب ستاون“ پڑھنا  
 غالبیات کے سرہانے میں ایک وقیع اضافے کا درجہ رکھتی ہے۔

ریڈیو پاکستان، پشاور

۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔



## ڈاکٹر جمیل جالبی :

اس تصنیف ”غالب اور انقلاب ستاون“ میں ڈاکٹر سید معین الرحمن نے غالب کی تصنیفیں  
 ”دستبر“ کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ ابتدا میں ”دستبر“ کا تعارف ہے اور پھر ترجمے کے بعد خطوط  
 کی مدد سے ۱۸۵۷ء کے حالات و عوامل پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سے اگلے باب میں غالب کے  
 شعری ردیے اور انقلاب ستاون کا ربط و فرق دکھایا گیا ہے۔ آخر میں دو حصے بھی شامل کتاب  
 ہیں جن میں سے ایک میں غالب کے ایک نامور مضمون ”در باب تباہی شہر دہلی“ کو پیش کیا گیا ہے  
 اور دوسرے میں نکلے و گزریے کا اعلان اور بیگم حضرت محل کا فرمان شامل کیا گیا ہے۔ غالب کے

سطح کی یہ ایک قابل ترجمہ کتاب ہے۔

نیا دور، کراچی

— شہد ۵۵ — ۶۶، خاص نمبر ۱۹۷۵ء



## مشفق خواجہ :

ڈاکٹر سید ضیٰ الرحمن کو غالب سے ایک خاص خصوصیت ہے۔ "غالب اور انقلاب ستاؤں" غالب پر ضیٰ الرحمن صاحب کی تیسری کتاب ہے۔ غالب پر ان کی پہلی کتاب "مشاریہ غالب" تھی جسے غالب صدی کے موقع پر پنجاب یونیورسٹی نے شائع کیا تھا۔ غالب پر یہ اتنا عمدہ کام ہے کہ اس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہیں۔ "اشاریہ ساز" تو کئی ایک ہیں لیکن ضیٰ الرحمن صاحب ایسی نفاست اور سلیقہ مندی کسی میں نہیں۔ یہ اشاریہ ذاتِ خود غالبیات میں اضافے کا درجہ رکھتا ہے۔ اچھا کام تو پنا انعام خود ہوتا ہے، لیکن کام کا اعتراف بھی ایک نعمت ہے، خوشی کی بات ہے کہ "اشاریہ غالب" پر ثاؤدی تعلیس بورڈ الاہور نے ضیٰ الرحمن صاحب کو تین ہزار روپے کے انعام سے سرفراز کیا۔

"غالبیات کا تحقیق اور توضیحی مطالعہ"، غالب پر ضیٰ الرحمن صاحب کا دوسرا اہم اور ضخیم کام ہے۔ جس پر انھیں سندھ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ تفاسفی کی سند عطا کی جو بجائے خود ضیٰ الرحمن صاحب کی محنت اور کاوش کا اعتراف اور انعام ہے۔

"غالب اور انقلاب ستاؤں" ڈاکٹر سید ضیٰ الرحمن کی تازہ تحقیق کاوش ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جب لوگ محض صاحبِ کتاب بننے کے شوق میں کتابیں لکھتے ہوں، ضیٰ الرحمن صاحب کے ذوق و شوق، اہتمام اور محنت کو دیکھ کر دل مسرت ہوتی ہے۔ یہ کتاب لکھ کر ضیٰ الرحمن صاحب نے موضوعات ہی سے نہیں، اُن لوگوں سے بھی انصاف کیا ہے، جو ضیٰ الرحمن صاحب سے نیک توقعات وابستہ رکھتے ہیں۔ یہ کتاب حقیقتاً غالبیات میں اہم اضافہ ہے، بالکل اُسی طرح جس طرح خود ضیٰ الرحمن صاحب کی ذات، باہرین غالبیات میں۔

— ناظم آباد، کراچی



## ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی :

”غالب اور انقلاب ستاروں پر دائرو ادبی انعام ملنے کی خبر شہر کر پے حد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مبارک و مسعود فرماتے کہیں۔ اللہ کرے نورِ قلم اور نیا دہ۔ آپ نے اس کتاب پر حسب مزاج عزت بھی بہت کی ہے، مجھے یہ بے حد دل چسپ معلوم ہوئی۔“

صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد

— ۳۳ مئی ۱۹۷۵ء —



## ڈاکٹر ایم۔ اے۔ عزمین :

”غالب اور انقلاب ستاروں بہت خوب ہے۔ میں نے اسے نہایت دل چسپی کے ساتھ پڑھا۔ یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ مجھے یہ اس لیے بھی بہت پسند آئی کہ بعض باتوں کے متعلق میرے بھی وہی نقطہ نگاہ ہے جن کی اس کتاب میں وضاحت کی گئی ہے۔ اس کتاب پر ستمبر ۱۹۷۴ء کے دائرو ادبی انعام کے اعزاز پر ولی مبارک بلا قبول کیجیے۔“

— کراچی، مئی ۱۹۷۵ء —



## ڈاکٹر عبادت بریلوی :

”غالب اور انقلاب ۷۵ء“ دل گسٹ تھی میں نے اسے بہت شوق سے پڑھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ کام کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ ایک زمانے سے ملاقات نہیں ہوئی، ملنے کو جی چاہتا ہے، لاہور آئے تو ضرور وقت نکالیے۔“

پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

— ۲۳ جنوری ۱۹۷۳ء —







تقریباً پندرہ سال پہلے جس میں انہوں نے یوسف مرزا کے والد محمد نصیر مرحوم کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے :

”..... دوسرا امر یہی ہے کہ یہاں مذہب، عیاذ ایاہ ! عل کا غلام کبھی مرتد نہ ہوگا  
ہاں یہ ٹھیک ہے کہ حضرت چٹاگ، سخن ساز اور ظریف تھے۔ سوچتے ہیں گے کہ ان  
دوں میں اپنا کام نکالو اور رہا ہو جاؤ، عقیدہ کب بدلتا ہے۔“

میں سمجھتا ہوں کہ یہی مسلک غالب کا بھی تھا۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ قلعہ شعلی سے بے تعلقی اور  
نئے حکام کی مدد سرائی کی جاتے اور وہی انہوں نے کیا۔ اس ضمن میں آپ نے جس بے باکی  
سے اپنی رائے کا اظہار کیا، اور نتائج نکالے ہیں، وہ لائق تحسین ہے۔ افسوس! مرحوم حمید احمد صاحب  
ذہن نے، اور بے مبالغہ خوش ہوتے اور دل کھول کر دوا دیتے۔

○ شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج، لاہور

— ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء

ڈاکٹر تبسم کا شیری :

”آپ کی عنایت سے ”غالب اور انقلاب ستاروں“ کا ایک نسخہ فہرست پر پہنچا ہے۔ کتاب  
پر ملاحظہ رہا ہوں۔ آپ نے جس محنت، عرق ریزی اور تحقیقی خلوص کا صفحے پر ثبوت دیا ہے، اس  
کی بے اختیار دوا دینے کو جی چاہتا ہے۔ بیعت اچھا کام ہے۔ اس سے پہلے بار انقلاب  
ستاروں میں غالب کا کردار اتنی وضاحت سے سامنے آیا ہے۔“

شعبہ اُردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

— ۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء



سلیم اختر :

ڈاکٹر تبسم صاحب کی ۱۳۷۷ء کی دوا دہی انعام یافتہ کتاب، ”غالب اور انقلاب ستاروں“ ۱۹۷۷ء  
کے انقلاب کے بارے میں غالب کے شخصی، شعری اور شعری رویوں کے متعلق ہے۔ غالب کے خطوط کی  
موضوع میں ۱۹۷۷ء کی جنگ کے بارے میں غالب کے کردار کا مباحثہ ہے (صفحہ ۷۷)۔  
ڈاکٹر تبسم صاحب کی کتاب تنقید و تحسین میں نئی جہات کی نشاندہی کرتی ہے (صفحہ ۷۷)۔

(تہذیب و ادب کی مصروف ترین تاریخ، طبع چارم و ستمبر ۱۹۷۷ء)

”غالب اور انقلاب ستاروں“ - ”دستبر“ کے ترجمے اور اس سے وابستہ دیگر مباحث پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر سید متین الرحمن نے ”دستبر“ کے تہذیبی مطالعے میں غالب کے خطوط اور دیگر ہم عصر دور دستبر ترقی شواہد کی مدد سے غالب کی چ تصویر پیش کی ہے، وہ شایہ غالب کے قاعوں کے لیے قابل قبول نہ ہو۔۔۔۔۔ ”دستبر“ کے ضمن میں ڈاکٹر متین نے کمال محنت سے حواشی وغیرہ تحریر کیے ہیں۔

کتاب کا آخری حصہ بعنوان ”انقلاب ستاروں اور غالب کا شعری رویہ“ غالب کے فن کا ایک خاص زاویہ سے جائزہ لینے کی تنقیدی کوشش ہے اور ڈاکٹر سید محمود کے ۱۹۸۶ء میں مطبعہ صفحہ میں کیے گئے اعتراضات؟ کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ نتیجے میں ڈاکٹر محمود کے اعتراضات ۱۹۸۱ء کی کہیں کتاب اس کتاب کا سب سے نادر وار حصہ ثابت ہوا ہے۔ ”دستبر“ اور اس سے وابستہ اہم مباحث سے دل چسپی رکھنے والے ”غالبین“ کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہے۔

(ماہنامہ حکایت، اپریل ۱۹۹۵ء، ص ۲۴۴-۲۴۵)



## عنایت اللہ (مدیر):

”غالب اور انقلاب ستاروں“ ڈاکٹر سید متین الرحمن صاحب کی، غالب پر تیسری کتاب ہے جس کا کام ڈاکٹر صاحب نے غایات میں کیا ہے، بہت کم لوگوں نے اس انداز میں لکھا ہے۔ غالب کے متعلق پہلی تخلیق ”اشاریہ غالب“ پر انیس ٹائمی قلمیں بورڈ نے تین ہزار کے اقسام سے نواز دی ہیں۔ تصنیف ”غایات کا تیسرا مطالعہ“ پر سندھ یونیورسٹی نے ڈاکٹر بہن خلافت کی سند دی۔

”غالب اور انقلاب ستاروں“ ڈاکٹر صاحب کی تازہ جیتی کتاب ہے۔ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ غالب نے ”دستبر“ کے نام سے ایک کتاب ۱۹۵۰ء میں لکھی تھی۔ یہ فارسی زبان میں تھی۔ ”غالب اور انقلاب ستاروں“ کا پہلا حصہ ”دستبر“ کے تعارف کے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ ”دستبر“ کا ترجمہ ہے، تیسرے حصے میں غالب کے چند خطوط ہیں جو وہ ۱۹۵۰ء کے دہائی میں اپنے دوست احباب کو لکھتے رہے۔ آخری اور چوتھے حصے میں ستاروں کے انقلاب اور غالب کے شعری رویے پر بحث کی گئی ہے اور غالب کی شخصیت پر جو اثر ستاروں کی جنگ آزادی کا ہوا، اس پر غور ڈالی گئی ہے۔ متین صاحب کہتے ہیں کہ اس انقلاب کے بعد غالب، وہ غالب نہیں رہے تھے، جو مقام ان کا ایک شاعر کی حیثیت سے تھا، وہ کچھ بیٹھے تھے اور اس شاعر کے بعد ایک نئے آغاز ہوا۔۔۔۔۔ غایات میں یہ ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

(ماہنامہ حکایت، اپریل ۱۹۹۵ء، ص ۵۱-۵۲)



ڈاکٹر سید معین الرحمن

کشتور ناہید

پروفیسر سید وقار عظیم

— مہمان

— میزبان

— مجتہد

کشتور ناہید : ڈاکٹر سید معین الرحمن کی نئی تصنیف ”غالب اور انقلاب شاہی“ ہمارے پیش نظر ہے اور خوش قسمتی سے کتاب کے مصنف ہمارے اسٹوڈنٹس میں تشریف رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ پروفیسر سید وقار عظیم صاحب بھی تشریف فرما ہیں جو کتاب پر اپنی رائے دیں گے۔

اس کتاب میں یہ تعقیس بنایا گیا ہے کہ غالب نے اپنے زمانے میں، خاص طور سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے کو اپنی نثر میں خوبصورتی سے پیش کیا ہے لیکن شعر میں جنگ آزادی کے کچھ اثر یا اثرات نہیں — پھر ”دستنبو“ میں بات ”درخت بے جانے“ انداز میں بیان ہوئی ہے — وقار بھائی، پہلی چیز جو میں آپ سے پوچھوں گی جو ترجمہ ڈاکٹر سید معین الرحمن صاحب نے اپنی تصنیف میں شامل کیا ہے، کیا یہی سب سے فصیح ترجمہ تھا، جو آپ کی نظر سے بھی گزرا ہو؟

وقار عظیم : بات یہ ہے کہ جیسا ڈاکٹر معین الرحمن صاحب نے اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے ”دستنبو“ کے چار ترجمے ہوتے اور اگر وہ چاروں ترجمے عام طور پر ملتے تو پھر اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ یہ دوبارہ چھپتا۔ اصل میں ترجمے ہوتے لیکن دوسرے نہیں اور عام لوگوں کی دسترس میں نہیں۔

کشتور ناہید : لیکن ”نور سعید“ کا ترجمہ تو دستیاب ہے۔

وقار عظیم : جی ہاں وہ چھپا، لیکن نایاب ذہنی، عام طور پر وہ بھی دستیاب نہیں۔

کشتور ناہید : آج، ”دستنبو“ کیا بہت اہم کتاب بھی جاسکتی ہے؟

وقار عظیم : ”دستنبو“ اپنے موضوع کے لحاظ سے بڑی اہم کتاب ہے۔ کوئی کتاب جو ۱۸۵۷ء

انقلاب کے متعلق کہیں جانتے اہم ہے ، بلاشبہ ، امام جعفر عظیم کے رہنے والوں کے لیے اسے  
شعراؤں کے لیے مخصوص ، اس میں نقطہ نظر کوئی بھی اختیار کیا گیا ہو ، کیوں کہ وہ انقلاب پسند  
کی تہذیب ، معاشی ، معاشرتی ، اخلاقی زندگی کا ایک ایسا انقلاب تھا کہ اس کے بعد شعراؤ  
کو نئے سرے سے اپنی زندگی مرتب کرنی پڑی — جو کچھ بھی کہتے کوئی ، اس کے متعلق  
وہ اہم ہے — لیکن ایسا شخص جو کہ دلی میں بیٹھا ہے اور دلی میں بیٹھ کر سال ، سو سال  
کی زندگی گزار رہا ہے ، اور وہ شخص ہے غالب ، تو ظاہر ہے وہ کتاب اہم ہوگی ، خواہ نقطہ نظر  
اس میں کوئی بھی اختیار کیا گیا ہو ۔

کشور ناہید : ایک بات اور ڈاکٹر سید نعیم الرحمن صاحب نے کہی ہے کہ وہ بندہ جو کہ گھر  
میں بیٹھ کے کتاب لکھ رہے ہیں — تو کیا صورت حال کی نشاندہی گھر میں بیٹھ  
کے — اور جس طرح وہ کہتے ہیں کہ گھر سے باہر نکلا نکلی نہیں ، کیا عینی شواہد جو موجود  
ہیں ، کیا درست ہوں گے ؟

دقار عظیم : دیکھیے ناں ، سو فیصد یہ کہنا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ اُن کا مشاہدہ ہے ، یہ تو  
ظاہر ہے کہ نہیں ہے ۔ اُس زمانے میں ، وہ سال سو سال کی مدت جس میں انہوں  
نے لکھا ہے ، یہ نہیں تھا کہ لوگ آپس میں ملتے جلتے نہ ہوں اور بالکل شہر میں نکلتے  
ہی نہ ہوں ، خود غالب نے ، ان کی جو ذہنی کیفیت تھی ، اُس کی وجہ سے اور کچھ دیگر  
اسباب و حالات ، اگر خیر تنہائی اختیار کیا ، لیکن غالب ترجیح عطا کرتے تھے ، غالب کے  
پاس تو ہر طرح کے آدمی آتے تھے ۔ یہ ہر طرح کے آدمی اگر اپنی خود ادویاں کرتے تھے ، شہر  
میں جو کچھ ہوتا تھا ، بیٹھ کر اُسے سنتے تھے ۔ پس پاس جو ہوا ان کے گھر کے ، وہ ہر حال  
غالب کے مشاہدے کی حیثیت رکھتا ہے — اسے انہوں نے فارسی میں لکھا اور یہ کتاب  
ایک ایسی فارسی میں چھپی ، جسے عام آدمی نہیں سمجھ سکتا ۔

کشور ناہید : کیا وہ جو ڈاکٹر سید نعیم الرحمن صاحب نے بھی

نہ یہ بات میں نے کہیں نہیں کہی کہ غالب نے یہ کتاب ”بندہ“ کے گھر میں بیٹھ کے لکھی ہے کہ  
یہ نقطہ نظر تو اس کے بالکل برعکس ہے دیکھیے ، کتاب ”ڈاکٹر سید نعیم الرحمن“  
(ڈاکٹر سید نعیم الرحمن)

دیا اور باقی ناقدین بھی دیتے رہے کہ اس لیے اس مشکل پسند فارسی میں لکھی گئی کہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر رہے اور وہ چیز، کہ چھپانا چاہتے تھے عام مسلمانوں سے، وہ چھپی رہے؟

دفاعِ عظیم: اصل میں وہ باقیں تھیں، ایک تو غالب کی جو نا تھی، غالب کو اپنی فارسی دینی پر ہوا، فارسی میں ایک خاص درجے کی مہارت رکھنے پر جو فخر تھا، اس کا اظہار وہ زندگی بھر کرتے تھے، کشورِ ناصید: شعر میں بھی کیا ہے۔

دفاعِ عظیم: جی ہاں۔ یوں تو کسی کو نہیں بخشا ہے جس نے اس حیثیت کو تسلیم نہیں کیا اور یا اس میں تھوڑا سا بھی فرق رکھا۔۔۔ ایک ایسے اسلوب کا اختیار کرنا جو اس زبان میں مانگے نہیں ہے، وہ اس لیے بھی ہے کہ شصت پنا اور اپنی قدرتِ بیان کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ بات غالباً زیادہ درست ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ جو سوادِ عظیم ہے آبادی کا وہ، وہ نقطہ نظر نہیں رکھتا، انقلاب کے متعلق جو اُن کا ہے اور اس لیے اگر صاف اور سیدھی زبان میں کتاب لکھی تو بہت سے لوگ غلطے مٹوں کر ہی گئے۔ کتاب لکھنے کا اصل مقصد، اُن کی مالی پریشانیاں تھیں۔ ان پریشانیوں کو دور کرنے کی جو مختلف تدبیریں تھیں، اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ان پر۔۔۔ قطعہ اصل میں یہ ہے کہ بہادر شاہ سے اُن کا اتنا قریبی تعلق تھا کہ اس داورگیر میں بے قصور بھی پکڑے گئے اور جس کا بہادر شاہ سے اور قلمہ شعل سے تعلق ہے، اُس کا پکڑا جانا تو غلب ہے۔

کشورِ ناصید: لیکن ڈاکٹر شعیب الرحمن صاحب ہمیں تو اختلاف کرتے ہیں کیوں ڈاکٹر صاحب آپ فرماتے ہیں کہ چاہے صدر الدین ہوں، چاہے کوئی ہو، وہ معافی مانگ لے تو ان کے لیے وہ بے جا نہیں، لیکن غالب جس کی ڈاکا آپ تذکرہ کر رہے ہیں، اگر وہ اسی وجہ پر کہے اپنے لیے وہ خانے ڈھونڈے کہ جہاں یہ پناہ ہو، تو وہ ان کو گراں گزرتا ہے۔

۱۔ کہ وہ سرے ناقدین نے یہ سمجھا۔ کہیں پیش کیا یا عام طور پر دیتے رہے؟ ڈاکٹر شعیب الرحمن:

۲۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اس زمانے کے بے صغیہ اور بہادر قلمِ عام کو انہیں میں دیکھیں تو انگریزوں سے غالب کو سچائی بھی دکھائی دے گی۔ غالب کی فرہیت کا اندازہ کرنا کہ مشکل نہیں رہ جاتا۔ غالب نے تقریر

وقار عظیم: پناہ کا سوال اس میں نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف معاشی مسئلہ ہے۔ معاش کا دور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ اس زمانے میں سوائے اس کے کہ سرکار دوبارے تعلق ایک قائم کیا جائے۔ ایک دفعہ وہ قید کی صورتیں نبھتے چلے گئے چند مہینے، اور اب اسے پہلے کو تیار نہیں۔ موت کا ہر وقت غیر مقدم کرنے کو تیار ہیں لیکن قید میں رہنا، اس کی عزت نفس کو گرا نہیں۔

کشور ناہید: وقار صاحب، اس سے پہلے کہ معاشرتی زندگی کی طرف غالب کی جانیں، ڈاکٹر نہیں صاحب سے یہ پوچھوں گی کہ یہ جو ترجمہ آپ نے اس میں ”دستور“ کا شامل کیا ہے تو کیا اس کی عقلی صحت مندی کو دیکھ کر آپ نے اس کا اعتبار کر کے اسے شامل کرنا کیا ہے؟  
 نصیب الرحمن: اس میں صحت یہ ہے کہ یہ کتاب صرف ”دستور“ کے ترجمے ہی پر مبنی نہیں جبکہ سب کی شکوک اس غلط فہمی کے دام پاجانے کا امکان ہے۔ حقیقتاً اس کتاب کے بارے میں ہے۔  
 ترجمہ کتاب کا ایک جزو ہے۔ کتاب کا سہ ماہ ”دستور“ کے تفصیلی تہذیبی و فنی ہے کہ اس سے پہلے ایک بار اکس اور کبھی اتنی باتیں اس کے بارے میں سامنے نہیں آئیں۔ اس میں جو باتیں آئے کہ اس کی زبان جتنی ہے۔ یا یہ کہ خاص طور پر انہوں نے اسے ایک ایسی زبان میں لکھا جس میں عربی کا لفظ نہ آئے پائے ایک بھی۔ اور اس میں مثال موجود ہے کہ کتاب کی طاعت کے دور اس میں نہیں احساس اور اندازہ ہو گیا کہ عربی کا ایک لفظ ان کے قلم سے چل گیا ہے تو انہوں نے اسے دس خط لکھے کہ اس لفظ کو نکال دو۔ مسودے میں بھی دوسرے کر دو، اسے چھیل دو اور وہاں بھی باقی نہ رہنے دو۔ ورنہ میرے کان پر۔ جب تک جائے گا اور کتاب نکلتی ہو جائے گی۔ وہ جتنے چھپ چکا تھا تو انہوں نے تمیز سختی کے باوجود ہدایت کی کہ تجھے ہرے سب کا قلم ضائع کر دو، کاغذ کا جو نقصان ہو گا، وہ میں صبر کروں گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوبارہ خاص بہت حساس تھے اور اس میں غلطیوں کو کتاب تک ایسی زبان میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۷ سے)

دوبارے اپنی بریتیت اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے اور انگریزی چٹن کے لیے ایسا اختلاف جانے میں کوئی گسٹاؤ نہ ہو کہیں ہر دم آدمی اس معاملے میں یہی کہنا، غالب سے جس وقت وہ خاص کی طرف تھی۔ وہ یہی کہتا ہوں اور حالات ان کے لیے نساؤ نگار ہوئے تو انہوں نے اپنے بہت سے اوصاف و احباب کی طرح ذاتی طاقت کو دوسری تمام چیزوں پر ترجیح دی۔ اس موقع پر کسی نقد کا ثروت نہیں دیا۔ (ڈاکٹر سید سعید الرحمن)

جو عام فہم نہیں، غیر متوجہ اور نامانوس فارسی میں ہے، ایک ایسی زبان میں جس کے بارے میں خود غالب کا احساس متضاد ہندوستان کا تو کیا مذکور ایران میں بھی اس کا سمجھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہ بالکل لاجیکل معلوم ہوا کہ کتاب میں ”دستبر“ کا اردو ترجمہ شامل کر لیا جائے۔ میں پھر کہوں گا کہ ”دستبر“ غیر متوجہ نامتعارفہ فارسی میں ہے، اس کتاب کا غالب کی زندگی میں ترجمہ نہیں ہوا، بعد میں بھی پچاس سال تک کوئی ترجمہ نہ ہوا۔

کشور ناہید: پشاپانی ہوتا ہے! شعیب الرحمن: جی ہاں۔ کتاب کے لکھے جانے کے بعد ساٹھ مئی سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد مرزا محمد یعقوب بیگ ننگ صاحب نے کیا، لیکن یہ صرف چند اجزاء کا ترجمہ ہے، اس بارہ صفحات ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے اسے شائع کیا اور بہت تعریف کی اور لکھا کہ دو دن کے اندر مرزا صاحب نے کتاب کا ترجمہ کر ڈالا، جیسا مزاج ہے، اس کتاب کا، کیسا بھی عالم اور صاحب نظر ہو، اس کام کے لیے دو دن کافی نہیں ہیں۔ اس ترجمے کے کرنی چالیس برس بعد ۱۹۶۱ء میں دہلی کے ترجمے آگے پیچھے سامنے آئے، دہلی سے۔ ایک خود سیکھنے والا صاحب کا جو رسالہ ”تحریک“ میں چھپا، وہ مسرہ شعریہ اردو دہلی یونیورسٹی کے علمی مجلے ”اردوئے معلیٰ“ کے غالب نمبر میں۔ ”مؤخر الذکر پر کسی مترجم کا نام درج نہیں، یہ کسی ایک کا ہے یا مترجمین نے مل کر؟ میں کسی شیم کا ہے ترجمہ، یہ معلوم نہیں، لیکن اس رسالے کی مجلس ادارت میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، جناب رشید حسن خاں، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر قرقر رئیس وغیرہ ایسے آسمان ہیں جو بہت اعتباری ہیں اور اس ترجمے پر بھروسہ کر کے کی کوئی وجہ نہیں اور بلا وجہ کسی نئے متن کو تعمیر کرنے اور نئے ترجمے کو مرقب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر اس ترجمے کا میں نے اصل سے تقابل بھی کیا ہے۔ اس لیے کتاب کے دوسرے حصے کے طور پر میں نے اسے شامل کیا۔ اس ترجمے پر جہاں حواشی کی ضرورت تھی، یہ خدمت میں نے انجام دی، حواشی وغیرہ اس میں ہیں۔ یہ کتاب کا دوسرا حصہ ہے۔

کشور ناہید: دوسرا حصہ تو شعری رتیلہ کا ہے۔

شعیب: ہاں حق، میں نے حلقہ نقادوں سے ”دستبر“ کا، یہ مقدمہ کتاب سمیت،



صفات ہیں۔ دوسرا حصہ ”دستنبو“ کا اردو ترجمہ ہے یہ چالیس صفحات ہیں۔

کشور ناسید: تیسرا حصہ شعری روایے سے تعلق.....

مُعین الرحمن: جی نہیں..... تیسرا حصہ ۱۸۵۷ء سے متعلق غالب کے خطوط پر مبنی ہے،

اور اسی کی ”دستنبو“ کے اردو ترجمے، یعنی کتاب کے دوسرے حصے کے بعد منطقی ضرورت

”مٹی کیوں کہ“ ”دستنبو“ میں جو کچھ غالب نے کہا، وہ بعض مصلحتوں، اُن کی بعض ضرورت

کے زیر اثر ہے جس سے مجبور ہو کر انہوں نے اس طرح کی باتیں.....

کشور ناسید: جس کی طرہ وقار صاحب نے اشارہ کیا، معاشی.....

مُعین الرحمن: جی ہاں معاشی مشکلات — واقعی، ایک ایسا شخص جس کا بہادر شاہ ظفر کے

دربار سے تعلق ہو اور دربار سے بھی کیسا تعلق کہ غالب نے خود لکھا ہے دربار میں تعین

بڑے عہدے یا منصب تھے، غالب کی توقیر ان تین سے کسی طرح کم نہیں تھی، تو ایسے

شخص کا، اس نے علانیہ انقلاب میں کچھ حصہ لیا ہو یا نہیں، پکڑا جانا بالکل بدیہی بات تھی

— ذرا ذرا سے شے میں لوگ پکڑے گئے تو غالب کا پکڑا جانا تو یقینی مسامحہ، اس مشکل

میں انہوں نے یہ صورت اختیار کی۔

کشور ناسید: لیکن غالب کا یہ پکڑا جانا بھی بالکل یقینی تھا کہ وہ جو خط لکھ رہے تھے تو وہ چھپنے

لازم تھے، کیوں کہ اُن کی نوہر پر سطر چھپتی تھی، کسی نے کسی نے غور نہ کرنے کی تھی لیکن

آپ نے ایک جگہ یہ کہا ہے کہ خطوط جو لکھے ہیں، اُس میں انہوں نے کمال کر طبیعت کا

بیان کیا ہے شاید اس لحاظ سے کیا ہے کہ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ خط چھپ

جائیں گے۔

مُعین الرحمن: یہ ایک عام غلط فہمی ہے، جنہوں نے زمانی ترتیب سے غالب کی نثر یا نظم

کا مطالعہ نہیں کیا، یہ اُلجھن ہوتی ہے انہیں — جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی،

اُس زمانے میں غالب کے خطوط کے چھپنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اب تو ہمارے

مطالعہ ادب کا یہ اتنا لازمی حصہ ہے کہ عام قارئین کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی

کہ یہ کسی وقت چھپے رہے ہوں گے۔ غالب کے جو اردو خط ہیں، وہ ”دستنبو“ کے بعد

کے ہیں اور ”دستنبو“ — بلکہ اس کتاب میں کہا بھی ہے میں نے کہ میں تو ان خطوط

کو ”دستنبو“ کا ایک حصہ، ایک سلسلہ، بلکہ اس کی برکت ماننا ہوں کہ اگر وہ ”دستنبو“

نہ لکھ رہے ہوتے اور خاص حالات میں اس کی طباعت عمل میں نہ آئی ہوتی تو خطوط.....  
 کشور ناہید : ان خطوں کو، اسے آپ ری ایکشن بھی کہہ سکتے ہیں۔  
 معین الرحمن : جی نہیں، کبھی نہیں کہوں گا۔

دقار عظیم : دراصل ری ایکشن ایک اور بات ہے.....  
 کشور ناہید : ڈاکٹر صاحب، ایک سوال، گستاخی ہو گئی، وہ یہ کہ آپ نے تقابل کیا ہے، ان  
 کی نشر کا دونوں انداز میں "دستبر" کے حوالے سے اور خطوں کے حوالے سے "دستبر" کے  
 حوالے سے آپ بتانا چاہتے ہیں کہ انگریزوں کے ایسا پر.....  
 دقار عظیم : ایسا پر تو نہیں۔

کشور ناہید تقریباً ایسے حالات تھے اور وہ چیزیں "رستخیز بے جا" کے انداز میں لکھی گئیں  
 تھیں، اور دوسری طرف وہ ولی کے آشوب اور مسلمانوں کی ابتلا کا حال بیان کرتے  
 ہیں خطوں میں۔ گویا ذہن ان کا دھنوں میں بٹا ہوا ہے، ایک طرف وہ نشر لکھی  
 اور دوسری طرف یہ تذکرہ ولی اور آشوب کا بیان کرتا۔ تو آپ غالب کو بتا لیا  
 چاہتے ہیں، بطور دانشور، بطور اُس زمانے کے ایک بہت بڑے دانشور اور اُس شاہ  
 کے کوجہ وقت کی آواز کو پہچانتا تھا؟

معین الرحمن : میرے سامنے تو اُس دور واقعہ کی صد افقوں کا نقشہ کر دینا تھا۔ غالب ہمارے  
 بڑے شاعر ہیں اور آئیڈیل بھی، لیکن ایک وقت کڑا جب آتا ہے تو وہ اُس آزمائش  
 سے کس طرح گزرتا ہے۔؟ یہ کنا صبح نہیں، جیسا آپ نے کہا کہ "دستبر" انگریزوں  
 کے ایسا پر لکھی گئی۔ میرا کہنا تو یہ ہے کہ "دستبر" انگریزوں کی تائید اور سرپرستی  
 حاصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔ مشکل یہ تھی کہ معاش کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ سب  
 مسدود تھے.....

کشور ناہید : کتاب لکھ رہا ہوں کہ غلامت اور نیشن دوبارہ جاری ہو جاتے اور وہ دوبارہ  
 جاری بھی ہو گئے۔

معین الرحمن : میرا تو احساس ہے کہ اس میں کتاب کا دخل تھا۔ غالب کا ایک

اجتماعی یا سماجی رویہ ہے۔ معاشرے میں ایک بڑا شخص تھا، معاشرہ اسے نہیں پہچانتا، قدر نہیں کرتا جیسے وہ چاہتا ہے۔ اُس کی معاش کی کچھ بھریاں ہیں، اس نویت کو پہنچ گیا کہ وہ دوسری بچت کے لیے جسم و جان کی سلامتی کے لیے جو سائنس میں انہیں باقی رکھنے کے لیے ایک ایسے امر پر مجبور ہوا، ایسی دلتے کے اظہار پر جو مجموعی طور پر شاید اُس کی حقیقت نہیں تھی، یہ ہے "دوستیہ"۔ نئی غلطوں میں انقلاب کے بارے میں وہ جس طرح اظہار خیال کرتے ہیں، وہ ایک بالکل مختلف صورت ہے "دوستیہ" سے۔ ان غلطوں میں بہت حریف اور نوکد کے ساتھ بڑی دردمندی کے ساتھ اظہار خیال ہوا ہے۔ غالب کا سونہروں، اُن کے غلطوں میں جھلکا پڑتا ہے۔

کشور ناہید، وقار عظیم، یہ ہماری معاشرے کا اور معاشرت کا ایک دوسرا رویہ نہیں ہے کہ ہر زمانے میں شاعروں، دانشوروں، ادیبوں کو اپنے معاشرت اور معیشت کو پورا کرنے کے لیے اس قسم کے رویے اختیار کرنے پڑتے رہے ہیں۔ یہ تیسرے زمانے سے لے کر اور آج تک زندگی گزارنے کے جتن کرنے کو، شاعروں اور ادیبوں کو یہ پابندی ہے جتنے ہیں۔ وقار عظیم، اہل میں ہماری اردو شاعری کی جو تاریخ ہے، جو لوگ دوبار سے دہشت رہے، وہ نہیں۔ کشور ناہید، دوبار اُس وقت تھا، اب دوبار کے نچے اور پیمانے بدل گئے۔ وقار عظیم، ظاہر ہے، اصل مسئلہ اگر آپ دیکھیں تو یہی کہ ہر آدمی ذرا سی سائنس کی زندگی گزارنا چاہتا ہے.....



کشور ناہید، اچھا شعری رویوں کے بارے میں غالب کے جب ڈاکٹر نعیم رحمن گفتگو کرتے ہیں تو...  
 نعیم الرحمن: جو کچھ سربراہ شعری موجود اور محفوظ ہے، اُس کی بنیاد پر ہم کچھ نتائج نکالتے ہیں۔  
 اس نتیجے پر پہنچا ہوں، اور اس کتاب میں وضاحت سے اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ شاعر غالب ۱۸۵۷ء میں ہم سے رخصت ہو گیا، جبکہ نثر نگار غالب کا ظہور، اس انقلاب کے بعد ہوا غالب کی کم و بیش ساری اردو نثر اس انقلاب کے بعد کی ہے۔ اس میں دوستوں اور بزرگوں کو اختلاف بھی ممکن ہے، ہو، لیکن میرے نزدیک بات یہی ہے کہ شاعر غالب ختم.....

نہ پہلے ہی پڑتے ہیں، رانی بات نئی شاعروں اور ادیبوں میں عادت آئی، ایسے ہیں وہ ہوتے ہیں کہ اچھانکے انہیں رانی



— اس پس منظر میں نہیں صاحب اپنے موقف میں خود اسی ترمیم کر لیں اور اگر اس طرح کہا جائے کہ یہ بات پہلے ہی شروع ہو چکی تھی، لیکن ۱۸۵۷ء کی غارتگری نے.....

مُعین الدین : اگر یہ مان لیں کہ کھٹنے کے ہنگامے (۱۸۴۸ء) اور اس کے بعد قید کے واقعے (۱۸۴۱ء) اور بار دیگر قید کے سامنے (۱۸۴۷ء) نے شاعر غالب کو ختم کر دیا تو پھر پہلا مسئلہ قیورہ جاتا ہے کہ شاعر غالب ختم ہو چکا تھا کہ ہم اُس سے دوچار ہوتے۔ اس لیے کہ :

غالب کا اردو دیوان پہلی بار ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا، دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں چھپا، اس میں ایک ہزار ایک سو گیارہ (۱۱۱۱) شعر ہیں، دیوان کا تیسرا ایڈیشن ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا اور اس میں طبع دوم کے مقابلے میں ۶۸۵ شعر زیادہ ہیں، یعنی شعروں کی کل تعداد ۱۷۹۶ ہو گئی۔ ”ارمغانِ غالب“ میں اکرام صاحب نے ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۷ء تک کے اشعار کی تعداد ۶۱۵ بتائی ہے۔ جبکہ ”غالب نامہ“ میں اکرام صاحب نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۹ء تک کے چودہ برس میں غالب نے ایک قعدہ اور ایک غزل فقط دو نظمیں اردو میں لکھیں — خود غالب نے اتفاق سے کوئی ارشاد ہی پرس پہلے ۱۰ ستمبر ۱۸۶۶ء کو ”باب کب علی خاں کو لکھا ہے کہ :

”بعد خندہ فوق شعر باطل اور دل اندر وہ ہو گیا۔ دوہین غزلیں ندری اردو کی لکھی ہیں۔“

اس لیے شاعر غالب میرے نزدیک حقیقتاً انقلاب ۱۸۵۷ء ہی کی نذر ہوا — وقارِ عظیم، وہی جو ہر پر دگرام میں ہوتا ہے کہ وقت جیسے پریشان کرے گا — مُعین صاحب کی یہ تفصیلات بہت دل چسپ ہیں — مُعین صاحب کتاب کے اگلے ایڈیشن میں دو ایک باتیں مزور کریں، جس کاوش سے اُنہوں نے کام لیا ہے، جس وقت نظر سے اُنہوں نے یہ کام انجام دیا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ، کتاب کا ایک اشارہ یہ ہونا ضروری ہے، وہ آئندہ یہ کام مزور کریں۔ فارسی متن اور ترجمے کو غور سے پھر لائیں اور غالب کا جو غیر مطبوعہ کلام ہے ۱۸۵۷ء کے بعد کا اُسے بھی آخر کتاب میں جمع کر دیں تو کتاب اور

جس زیادہ محفید چرہائے گلے  
کشتور تاہم یہ : نگاہ ہے ایک تو انقلاب ستاروں کی باتیں اور غالب کے حوالے سے اور وہ  
جس آپ ایسے غالب شناسوں کے ساتھ ، اس کی کوئی حد نہیں ، جہاں بات شخص  
ہے ، وہیں ختم کرتے ہیں ۔

پاکستان ٹیلی ویژن ، لاہور ، گراچی ٹیلی ویژن ، پشاور ، کوئٹہ

— جولائی ، اگست ، ستمبر ۱۹۷۵ء



### ڈاکٹر انور ایچم برکت :

اجازت دیجئے کہ داؤد ادبی انعام منے پر آپ کو مبارک باد دوں جو آپ کی قابلِ قدر  
کتاب " غالب اور انقلاب ستاروں " پر حال ہی میں دیا گیا ہے ۔ آپ ہر طرح اس فہم  
اور اعزاز کے مستحق تھے ۔ اس غیر معمولی عزت اور مسرت میں جو آپ کو حاصل ہوئی ہے  
یہاں ہم سب کو اپنا شریک جانئے ۔ آپ کے علاوہ انہماک اور انکسار کو دیکھتے ہوئے ،  
مجھے یوں یقین ہے کہ آپ کا تحقیقی اور علمی سفر جاری رہے گا ۔

پرنسپل ایف سی کالج لاہور

— ۶ مئی ، ۱۹۷۵ء



### پروفیسر مسید کرامت خمین جعفری :

داؤد ادبی انعام : " غالب اور انقلاب ستاروں " پر میری طرف سے دلی مبارک باد  
قبول فرمائیں ۔ اللہ کے نذرِ ظلم اور زیادہ ، آمین ۔ کاش ! آپ تیسرے زمانے میں دہلی  
ہو گئے لیکن " یہ نہ تھی ہماری قسمت ۔"

— لاہور ، ۳ مئی ۱۹۷۵ء

۷ اشاریہ کتاب ، زیرِ نظر اشاعت میں شامل کر دیا گیا ہے ، نذرِ امتحان امرِ خدا کی حق اور توجہ پرچی  
ایک دوسری نظر آئی کی گئی ہے ۔ ۱۹۷۷ء کے بعد کے " غیر منظرِ کلام " کی فراہمی ، اختیار  
خیز ، ۱۹۷۷ء کے بعد سے تا آخر غالب کے فنی حیرت اور دستیاب اور نادرسی کلام کو بطور ضمیمہ کتاب  
کسی اگلی اشاعت میں شامل کر لینے کا قصد ضرور ہے ۔ ( ضمیمہ الزم )

## الغیر سدید :

آپ کی مقرر تالیفات "غلاب اور انقلاب متلون" اور "ڈاکٹر سید معین الرحمن" دونوں زیر مطالعہ ہیں۔ آپ نے جس وسعت نظر اور جاں گاہ محنت سے یہ کتابیں مرتب کی ہیں، اس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ ان کے ایک ایک صفحے سے آپ کی دیدہ ریزگی اور تحقیقی شوق نگاہیں عیاں ہوتی ہیں۔

— سرگودھا ۱۰ اگست ۱۹۷۵ء

اردو ادب میں ڈاکٹر سید معین الرحمن نے مصنف کو اس کی تصنیفات کے حوالے سے درجہ شرف کرنے کی نئی طرح ڈالی ہے۔ وہ مصنف کی سب تخلیقات کو یکجا کرتے ہیں اور پھر ان کی تندہی و اس طرح کرتے ہیں کہ مصنف کی پوری زندگی اور شخصیت کا خاکہ مرتب ہو جاتا ہے۔ مولانا غلام محسن مہر کے غلاب کی سوانح اس کے خطوط کی حد سے ترتیب دی تھی، کچھ ہی نواز سید تین نواز نے "غلاب اور انقلاب متلون" میں اختیار کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ مولانا صاحب نے پورا غلاب دریافت کرنے کی کوشش کی اور معین صاحب نے اس کتاب کو صرف انقلاب متلون تک محدود رکھا ہے۔

اردو تنقید میں اب تک انقلاب متلون کے بارے میں غلاب کا شعری اور تنقیدی پیش کرنے کے لیے جوا شعاع پریش کرتے ہیں، زیر نظر کتاب میں "ان" میں سے بیشتر کہ قبل از انقلاب تخلیقات قصور کیا گیا ہے، اور آخر میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ غلاب کی شاعری پلاس انقلاب کے بہت کم اثرات تلے ہیں۔ انقلاب متلون کے زیادہ نقوش، غلاب کے خطوط میں بکھرے ہوئے ہیں، سو معین الرحمن صاحب نے ان سب کو ایک نئی ترتیب دے کر غلاب کی نو بہن حالت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا سب سے اہم حصہ انقلاب متلون پر غلاب، کا تصنیف و تفسیر کا اردو ترجمہ جو موصاف حق حواشی کے ساتھ شریک اشاعت کیا گیا ہے۔ ان سب نے مل کر اس کتاب کی اہمیت اور افادیت میں بہت اچھا اضافہ کیا ہے۔ توقع ہے کہ پاکستان کے غلاب شناس اس کتاب کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

ڈاکٹر سید معین الرحمن کی تحقیقی نظر میں گہرائی ہے اور وہ حقیقت کی دریافت میں شہدہ بینی سے کام لیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں اس کے عمدہ نمونے سید صاحب کے حواشی اور ان کے استنباط میں نظر آتے ہیں، کتاب کی طباعت اچلی ہے۔

## محبوب جال زبیدی :

آپ کی کتاب "غلاب اور انقلاب ستاون" پر ۱۹۷۴ء کا دائروہ اولیٰ انعام دیا گیا ہے۔  
از دارو گرم میری انتہائی دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

سیکرٹری جنرل، پاکستان رائٹرز گلڈ، کراچی

— ۲۹ — اپریل ۱۹۷۵ء

## ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی :

آپ کی عطا کردہ کتاب "غلاب اور انقلاب ستاون" مجھے مل گئی تھی کتاب آئی تو مجھے ایک امتحان کے سلسلے میں حیدرآباد جانا تھا، راستے میں اور وطن کے قیام میں یہ کتاب کچھ فانی میں نے ہی نہیں بہت سے احباب نے دلوں کی کتابیں تو اب کچھ ایسی ہی ہو گئی ہیں کہ جب آتی ہیں تو بزرگ کے طود پر احباب کو بھی ضرور دکھائی جاتی ہیں۔ آپ نے بہت محنت اور سلیقے سے بڑا قابل ستائش کام کیا، یقین ہے کہ ادب شناسوں میں کتاب کی پذیرائی ہوگی۔

صدر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

— ۳۱ — جولائی ۱۹۷۵ء

## پروفیسر محمد اکبر الدین صدیقی :

"غلاب اور انقلاب ستاون" کا قیمتی تحفہ ملا۔ اس عنایت اور عطیے کے لیے ممنون ہوں۔ آپ نے یہ کام میں خوب کیا، بغاوت کہتر، لیکن بعیت بہتر اور بھرپور — میری دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

شعبہ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن

— ۱۵ — ستمبر ۱۹۷۵ء





صفحہ

۲۵۹

۲۶۲

۲۶۵

۲۶۷

۲۶۹

۲۷۲

۲۸۵

۱۔ اسماء الزجاء :

۲۔ اسماء المکتبہ :

۳۔ انجلیات و رسائل :

۴۔ آیات :

۵۔ اولیائے :

۶۔ اہلکین و :

۷۔ اسماء القسان :

۸۔ کتب انگریزی :





















عزت‌الدین بهیم دکن : ۵۱ -

عزت‌الدین : ۱۶۱ -

عزت‌الدین : ۹ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۱ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۹ -

عزت‌الدین : ۱۵۱ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۹ -

عزت‌الدین : ۱۶۹ -

عزت‌الدین : ۱۶۰ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۵ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -

عزت‌الدین : ۱۶۳ -



۱۵۱ + ۱۵۳ + ۱۵۵ + ۱۵۷ + ۱۵۹ + ۱۶۱

۱۶۳ + ۱۶۵ + ۱۶۷ + ۱۶۹ + ۱۷۱ + ۱۷۳ + ۱۷۵ + ۱۷۷

- ۲۳۲

دعوت قریشی، (تذکره) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت فطیم، (بیاضی سرسبز) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت فطیم، (بیاضی سرسبز) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

- ۲۵۳ + ۲۵۴

دعوت جنگ، (میرزا) ۱۹۹ -

دعوت مجید، ۳۵ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، ۱۵۰ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، ۱۵۰ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، ۱۵۰ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، ۱۵۰ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

- ۱۳۰ + ۱۳۳ + ۱۳۵ + ۱۳۷ + ۱۳۹ + ۱۴۱ + ۱۴۳ + ۱۴۵ + ۱۴۷ + ۱۴۹ + ۱۵۱ + ۱۵۳ + ۱۵۵ + ۱۵۷ + ۱۵۹ + ۱۶۱ + ۱۶۳ + ۱۶۵ + ۱۶۷ + ۱۶۹ + ۱۷۱ + ۱۷۳ + ۱۷۵ + ۱۷۷

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

دعوت مجید، (میرزا) ۱۳۱۹ + ۲۳۳ -

## اسماء الکُتُب :

آپ بچے ۔ رشید احمد صدیقی ۔ ڈاکٹر سید سید محمد

- ۶ -

آثار الفوائد ۔ سر سید احمد خان : ۱۳۰۵ء - ۱۳۰۸ء

اشارہ مستحق اور اخبارات ۔ حقیق صدیقی : ۱۰ -

اشارہ مسرت ، ان کا تاریخی روزنامہ ۔ ڈاکٹر

حقیق نظامی : ۱۳۱۰ء - ۱۳۱۰ء

احوال غالب ۔ ڈاکٹر محمد حسین احمد

۱۹۰۰ء - ۲۰۲۰ء

اولی اقلد ۔ مولانا رفیع الدین : ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء

اوردو لکچر کا مجموعہ تاریخ ۔ سلیم اختر : ۲۳۲ -

اوردو وارثہ معاویہ ، اسلام آباد : ۱۸۹۰ء -

اوردو کے معنی ۔ غالب : بیچ اقل : ۱۳۱۰ء - ۱۳۱۰ء

۱۹۰۰ء - ۱۹۰۰ء

اوردو کے معنی ، صدی ڈپلٹن ۔ فاضل کنوی

- ۲۳۰۲۹ -

ارمغان غالب ۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اکرام : ۱۳۱۰ء -

اشعار غالب ۔ ڈاکٹر سید شعیب الرحمن :

۲۱۰۹۰ء - ۲۱۰۹۰ء - ۲۱۰۹۰ء

۲۳۱۰ء - ۲۳۱۰ء - ۲۳۱۰ء

الہامی کتاب ۔ غالب برہنہ : ۲۰۰۰ء -

انتخاب غالب (۱۸۹۰ء) : ۱۰۰۰۰۰

افشائے نور چشم ۔ رفعت بھوپالی : ۱۹۴۰ -

انصوب ۱۸۹۰ء - ڈاکٹر کنویر احمد

- ۲۳۵ -

ایمانی اردو ۔ احوال و افکار ۔ ڈاکٹر سید محمد

برہان قاضی : ۱۹۰۰ء - ۱۹۰۰ء

برہان قاضی : مولانا ڈاکٹر محمد حسین

سارو شاہ کا روزنامہ ۔ حسن نظامی : ۱۹۱۰ء -

بیاض غالب (۱۸۹۰ء) : ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء

۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء

بج آبنگ : ۱۳۱۰ء - ۱۳۱۰ء

بج آبنگ (کلی) : ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء

بج آبنگ (۱۸۹۰ء) : ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء

تذکرہ گلستانِ سخن ۔ مرزا صابر : ۱۹۰۰ء -

تاریخ ادبہ جلیفیم ۔ نجم الحسنی : ۲۰۰۰ء -

تاریخ سلاطینِ تاجورس : ۱۳۱۰ء - ۱۳۱۰ء

تاریخ ہند ۔ ڈاکٹر احمد : ۱۹۰۰ء -

تجلیز (۱۸۹۰ء) : ۱۹۰۰ء - ۱۹۰۰ء

حیاتِ غالب ۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اکرام : ۲۳۱۰ء -

خطوطِ غالب : ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء - ۱۸۹۰ء

۱۹۰۰ء - ۱۹۰۰ء - ۱۹۰۰ء

۱۹۰۰ء - ۱۹۰۰ء - ۱۹۰۰ء

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۹۰۱۵۵۱۵۶۱۵۷۱۵۸۱۵۹۱۶۰

دستجو - ڈاکٹر عبد الستار صاحب / کنگرا

۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

- ۱۷۱

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۷۱۷۲۱۷۳۱۷۴۱۷۵۱۷۶۱۷۷۱۷۸۱۷۹۱۸۰

- ۱۸۱

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۸۱۸۲۱۸۳۱۸۴۱۸۵۱۸۶۱۸۷۱۸۸۱۸۹۱۹۰

۱۹۱۹۲۱۹۳۱۹۴۱۹۵۱۹۶۱۹۷۱۹۸۱۹۹۲۰۰

۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

- ۱۳۱۳۲۱۳۳۱۳۴۱۳۵۱۳۶۱۳۷۱۳۸۱۳۹۱۴۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۴۰۱۴۱۴۲۱۴۳۱۴۴۱۴۵۱۴۶۱۴۷۱۴۸۱۴۹۱۵۰

- ۱۵۱

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۵۱۵۲۱۵۳۱۵۴۱۵۵۱۵۶۱۵۷۱۵۸۱۵۹۱۶۰

دستجو - ڈاکٹر عبد الستار صاحب / کنگرا

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۷۱۷۲۱۷۳۱۷۴۱۷۵۱۷۶۱۷۷۱۷۸۱۷۹۱۸۰

- ۱۸۱

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۹۱۹۲۱۹۳۱۹۴۱۹۵۱۹۶۱۹۷۱۹۸۱۹۹۲۰۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۴۰۱۴۱۴۲۱۴۳۱۴۴۱۴۵۱۴۶۱۴۷۱۴۸۱۴۹۱۵۰

- ۱۵۱

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۸۱۸۲۱۸۳۱۸۴۱۸۵۱۸۶۱۸۷۱۸۸۱۸۹۱۹۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۴۰۱۴۱۴۲۱۴۳۱۴۴۱۴۵۱۴۶۱۴۷۱۴۸۱۴۹۱۵۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

خطوط غالب - ڈاکٹر عبد الستار صاحب / کنگرا

- ۱۸۱

خطوط غالب - مولانا غلام رسول صاحب

۱۳۱۳۲۱۳۳۱۳۴۱۳۵۱۳۶۱۳۷۱۳۸۱۳۹۱۴۰

۱۴۰۱۴۱۴۲۱۴۳۱۴۴۱۴۵۱۴۶۱۴۷۱۴۸۱۴۹۱۵۰

- ۱۵۱

خطوط غالب - مولانا غلام رسول صاحب

۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

خیالیں - ڈاکٹر عبد الستار صاحب / کنگرا

- ۱۸۱

دستجو : ۱۹۱۹۲۱۹۳۱۹۴۱۹۵۱۹۶۱۹۷۱۹۸۱۹۹۲۰۰

۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

۱۴۰۱۴۱۴۲۱۴۳۱۴۴۱۴۵۱۴۶۱۴۷۱۴۸۱۴۹۱۵۰

۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

۱۸۱۸۲۱۸۳۱۸۴۱۸۵۱۸۶۱۸۷۱۸۸۱۸۹۱۹۰

۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

۱۴۰۱۴۱۴۲۱۴۳۱۴۴۱۴۵۱۴۶۱۴۷۱۴۸۱۴۹۱۵۰

۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

۱۸۱۸۲۱۸۳۱۸۴۱۸۵۱۸۶۱۸۷۱۸۸۱۸۹۱۹۰

۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

- ۱۵۱

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۶۱۶۲۱۶۳۱۶۴۱۶۵۱۶۶۱۶۷۱۶۸۱۶۹۱۷۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۱۸۱۸۲۱۸۳۱۸۴۱۸۵۱۸۶۱۸۷۱۸۸۱۸۹۱۹۰

دستجو (تذکره و ترجمه) : ۲۰۱۲۱۲۲۱۲۳۱۲۴۱۲۵۱۲۶۱۲۷۱۲۸۱۲۹۱۳۰

غالب کی نامور تقریریں - ڈاکٹر خلیق الحق - ۱۹۷۰۔

غالب نام آواز (۱۹۶۹) - ۱۰۱۔

غالب نامہ - آدابِ غالب، اکرام (پنج جلد) - ۱۹۷۰۔

غالب نامہ - ڈاکٹر م (۱۹۶۶) - ۱۹۶۲ - ۲۵۳۔

غالبیات کا تحقیقی مطالعہ - ڈاکٹر سید سعید الرحمن -

۱۹۷۰ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷۔

غالبیہ - کمرہء دانش عربیہ خاندان - ۲۱۶۰۔

غزل کی دستاویز - ۱۳۰۔

غزل کی صبح شام - حواہدِ سخن نظامی - ۲۵۱۔

فرہادی عبدالغنی - ڈاکٹر سید سعید الرحمن -

۹۔

فرنگیہ انجمنِ ادبی نامہ - ۵۲۱۔

(فرنگیہ نامہ) (۱۹۵۷) - ۹۔

قلمی برداش (۱۹۶۲) - ۱۹۷۰۔

قصائد و متنوایات فارسی، غالب - مہر -

۲۰۳۱ - ۲۰۳۲۔

کارِ چغتائی - ۲۳۱۰ - ۲۳۱۱۔

کلیاتِ غالب، فارسی - ۲۰۱۰۔

کلیاتِ غالب، فارسی (مجلد ۱) - ۱۹۱۹۔

کلیاتِ غالب، فارسی (۱۹۶۳ء) - ۱۷۵۰۔

کلیاتِ غالب، فارسی (دکٹر) - ۱۷۵۰ - ۲۰۴۔

کلیاتِ نثر غالب، فارسی (۱۹۶۵ء) - ۲۳۱۰ - ۲۳۱۱۔

کلیاتِ نثر غالب، فارسی (دکٹر) - ۱۷۵۰ - ۲۰۴۔

دکن پر (۱۹۶۵ء) - ۲۳۱۰ - ۲۳۱۱۔

دکن پر (۱۹۶۵ء) - ۲۳۱۰ - ۲۳۱۱۔

نظامیہ (۱۹۶۵ء) - ۱۷۵۰۔

نورِ نوری، غالب (۱۹۶۵ء) - ۲۳۱۰۔

نورِ مہمان - ڈاکٹر سید سعید الرحمن - ۲۵۵۰ - ۲۵۵۱۔

نورِ غالب (۱۹۶۳ء) - ڈاکٹر م - ۱۹۶۲ - ۲۵۳۔

سید سعید (۱۹۶۵ء) - ۱۷۵۰۔

سید سعید، مختصر - ۱۷۵۰ - ۲۵۳۔

۱۷۵۰ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵۔

سوانحِ عبدالغنی (۱۹۶۵ء) - ۱۷۵۰۔

سید و فارسی - سوانحِ غالب - ڈاکٹر سید سعید الرحمن -

۹۔

سیرِ ادبی - ریاضِ قدوسیہ - ۲۰۴ - ۱۷۵۰۔

مجلد چغتائی (۱۹۶۵ء) - ۲۰۱۰۔

مجلدِ نثر (۱۹۶۵ء) - ۲۰۱۰ - ۲۰۱۱ - ۲۰۱۲۔

۱۷۵۰۔

غالب اور امروزی کلام - سید سعید - ۱۷۵۰۔

۱۷۵۰ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵۔

غالب اور نقیب ستار - ڈاکٹر سید سعید الرحمن -

۲۳۱۰ - ۲۳۱۱ - ۲۳۱۲ - ۲۳۱۳۔

۲۳۱۴ - ۲۳۱۵ - ۲۳۱۶ - ۲۳۱۷۔

۲۳۱۸ - ۲۳۱۹ - ۲۳۲۰ - ۲۳۲۱۔

۲۳۲۲ - ۲۳۲۳ - ۲۳۲۴ - ۲۳۲۵۔

غالب نامہ - ڈاکٹر م (۱۹۶۵ء) - ۱۷۵۰۔

۲۲۸۔

غالب کا روزِ مجاہد - دکن پر (۱۹۶۵ء) - ۲۳۱۰ - ۲۳۱۱۔





## اخبارات و رسائل :

- آفتاب حیات ب - آگرہ : ۱۹۹ -
- آئین اوجہ دہلی : ۱۳۵ - دسمبر ۱۹۳۴ء : ۱۹۱ -
- اخبار حیدر خان : آگرہ : ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۱۵۹ -
- اہلی دنیا ، لاہور ، ستمبر ۱۹۳۹ء : ۲۰۰ -
- اوپر اعلیت ، لاہور ، اکتوبر ، نومبر ۱۹۳۹ء : ۲۲۱ -
- گندھارسہ ، کراچی ، شمارہ ۵۰ ، مارچ ۱۹۴۵ء : ۲۳۳ -
- اردوئے معلیٰ ، دہلی ( غالب بنی ) ، فروری ۱۹۴۱ء : ۲۳۷ ، ۲۳۸ ، ۲۳۹ -
- اعظم ، کراچی ، جنوری مارچ ۱۹۴۹ء : ۱۷۱ -
- الہامی ، گلشنہ : ۱۵ ، جون ۱۹۱۳ء ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۱ -
- انوار حق ، لاہور ، ستمبر اکتوبر ۱۹۴۵ء : ۲۵۵ ، ۲۵۶ -
- انوار اخبار ، گلشنہ : ۱۷۱ -
- انوار اخبار ، گلشنہ ، ۲۳ ، اپریل ۱۹۴۲ء : ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۱۵۵ -
- آشک : ۱۵۹۲ء : ۲۱۵ -
- تحریر کربلی ، اپریل مئی ۱۹۹۹ : ۲۴۸ -
- تصویر جذبات ، فروری ۱۹۲۳ء : ۲۹۷ -
- نامہ انوار : ۲۳ -
- حالات دربار شاہی ، آگرہ : ۱۹۹ -
- حریت ، کراچی : ۱۹ - دسمبر ۱۹۶۸ء : ۵۶ -
- ۳۰ - دسمبر ۱۹۶۸ء : ۵۹ -
- ۵ - دسمبر ۱۹۶۸ء : ۶۹ -
- ۱۳ - دسمبر ۱۹۶۸ء : ۷۹ -
- ۲۱ - دسمبر ۱۹۶۸ء : ۸۹ -
- ۲۴ - دسمبر ۱۹۶۸ء : ۹۹ -
- ۳ - جنوری ۱۹۶۹ء : ۱۰۹ -
- ۱۰ - جنوری ۱۹۶۹ء : ۱۱۹ -
- تحکیم ، لاہور ، اپریل ۱۹۴۵ء : ۲۲۳ -
- ورد میں ، اخبار گلشنہ : ۲۹ -
- دہلی اردو اخبار ، دہلی : ۱۰۷ -
- اکتوبر ، نومبر دسمبر ۱۹۳۳ء : ۱۲۹ ، ۱۳۰ -
- ۲۵ - اگست ۱۹۵۲ء : ۱۸۹ -
- ۱۹ - نومبر ۱۹۵۳ء : ۱۹۱ -
- رسالہ دہلی سوسائٹی ، شمارہ ۱۷ : ۱۱۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ -
- ۱۹۹ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ -
- سراج الاخبار ، دہلی ، ۱۳ ، دسمبر ۱۹۳۴ء : ۱۹۱ -
- سطح الاخبار ، گلشنہ : ۲۹ -
- سجاد سدا سحرش : ۲۹ -
- شاہد حسین ، فروری مارچ ۱۹۶۹ء : ۳۰ -
- ۱۷۸ ، ۱۷۹ -
- صادق الاخبار ، دہلی ، ۱۳ - ذی القعدة ۱۳۴۴ھ : ۱۳۰ -

- حبیب، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۹ء : ۱۷۹ : ۱۷۹-  
 نلی گراہ میگزین، غالب نیر ۱۹۶۹ء : ۲۰۰-  
 غالب، سہ ماہی، کراچی، جولائی، ستمبر ۱۹۷۱ء  
 - ۲۲۹ : ۲۳۱-  
 کتاب فوج، فروزی، ۱۹۷۷ء : ۲۴۳-  
 کوہ نور، لاہور، ۱۷- جولائی، ۱۹۷۷ء : ۱۷۷-  
 گلشنِ دیباہ، نکلستہ : ۲۹-  
 نانو، کراچی، فروزی ۱۹۷۴ء : ۱۷۷-  
 معاصر، پٹنہ، حقہ ۳ : ۱۰۰-  
 نقوش، لاہور، غالب نیر، فروزی ۱۹۶۹ء  
 - ۲۱۶-  
 نقوش، لاہور، غالب نیر، اکتوبر ۱۹۶۹ء :  
 ۱۸۰ : ۱۸۱ : ۱۸۳ : ۱۸۵ : ۱۸۶ : ۱۸۷-  
 - ۱۸۷-  
 نقوش، لاہور، غالب نیر ۳ : ۱۸۷ : ۱۸۷-  
 - ۲۹-  
 نگار پاکستان، کراچی، جنوری، فروری ۱۹۷۱ء  
 - ۲۳۶-  
 نگار، لاہور، جلی ۱۹۶۳ء : ۲۱۹-  
 نگار، کھنڈ، جولائی، ۱۹۶۰ء : ۷۷-  
 دانش و ادب، بمبئی :  
 جنوری ۱۹۷۷ء : ۷۷-  
 اپریل ۱۹۷۷ء : ۷۷-  
 جولائی ۱۹۷۷ء : ۷۷-  
 جولائی، اکتوبر ۱۹۷۶ء : ۷۷-

## ابیات :

- آنا ہے ایک ..... اثر ہے آج : ۱۰۵  
 آتش کدہ ہے ..... میں کو سے : ۱۰۶  
 آہ کو چاہئے ..... سر پہ لے لگ : ۱۰۷  
 آسودہ نخل ..... چہ دستہ : ۱۰۸  
 اس طرح کے وصل ..... بھول کا : ۱۰۹  
 راز پیش کو ہے ..... استہائیں : ۱۱۰  
 سے بہا آرزو کر خاک شدہ : ۱۱۱  
 اسے کاڑھ و دروان ..... نوش ہے : ۱۱۲  
 بس کو روکا ..... گریباں ہو گئیں : ۱۱۳  
 بسکہ فعل مایہ ..... انگلستان کا : ۱۱۴  
 بسیار غریباں و بیہام ..... : ۱۱۵  
 بنام خداوند ..... روز و شب گر : ۱۱۶  
 بہرزدو ..... سبقت شاہ ثانی : ۱۱۷  
 چہے گر چار ..... کوئی دہر : ۱۱۸  
 اقبال دوستی ..... تھے کاشمیر : ۱۱۹  
 تم سلامت رہو ..... پہاں جزیرہ : ۱۲۰  
 رز مٹھے جبکہ ..... گوہر مار سے : ۱۲۱  
 آئیکہ ستارہ ..... ازل و ابد : ۱۲۲  
 بنے خون ..... فرزند ہو گئیں : ۱۲۳  
 ہے حب ..... ترقی اعجاز : ۱۲۴  
 ایک ہیں گوئیں ..... افعال کا : ۱۲۵  
 چون جنبش سپر ..... بنا آسمان ابد : ۱۲۶  
 حد چاہئے سزا میں ..... نہیں ہوں میں : ۱۲۷  
 خوشید ز اندیشہ ..... محارم : ۱۲۸  
 داغ فراق صحت ..... غموش ہے : ۱۲۹  
 دام پر ہوج میں ..... گر ہوئے لگ : ۱۳۰  
 حد تو میدی ..... سپید است : ۱۳۱  
 دل میں ذوقِ دل ..... مل گیا : ۱۳۲  
 دل نہیں کھاتا ورنہ ..... مل گیا : ۱۳۳  
 دیکھو جے جو ..... یورش ہے : ۱۳۴  
 روا سن کشورم ..... ستاں وہو : ۱۳۵  
 روز اس شہر میں ..... کیا ہو تہا سے : ۱۳۶  
 روشنی اسی کے ..... میں بس ہے : ۱۳۷  
 روزگار چراغیں ، اشتہد چراغوں : ۱۳۸  
 زبانِ اہلِ دہاں میں ہے ..... زبانِ شمع : ۱۳۹  
 زبانِ یار میں ترکا دس ترکا نہی و افم : ۱۴۰  
 زندگ اپنی حب ..... غار کھتے تھے : ۱۴۱  
 سات جلدوں کا ..... برمل پینہ : ۱۴۲  
 سپس برائیتہ ..... درجہِ قدیم : ۱۴۳  
 سو بھی نہ فر ..... ایک گر بکنا : ۱۴۴  
 شاہ دولِ عد ..... نظیر آید : ۱۴۵  
 شہر یافت ، روزگار یافت : ۱۴۶

- شہر دہلی کا .... پر سلطان کا : ۱۰۷۹-  
 صنعت (عشق) نے غالب ... کام کے : ۲۰۲-  
 غلت کوڑے میں ... سونگوش ہے : ۱۰۸۹-  
 عاشقی صبر طلب .... جگر پر نے تک : ۱۰۸۷-  
 عشق (صنعت) نے غالب ... کام کے : ۲۰۲-  
 غلام علی .... فی صبر : ۱۰۸۳-  
 کار دنیا کے .... مختصر گریہ : ۱۰۳۸-  
 کار سازا .... کہزیرا : ۱۰۳۸-  
 کتابی نور قلم ... جہانی گشت طالب : ۳۶-  
 کم نہیں وہ بھی .... یاد نہیں : ۱۰۸۲-  
 کوئی دان سے .... پاں کا : ۱۰۷۹-  
 کیا تنگ ہم .... آساں ہے : ۱۰۸۷-  
 کیوں گزشت خام سے ... نہیں ہوں میں : ۱۰۸۱-  
 گاہہ جل کر ... پسند کا : ۱۰۷۹-  
 گاہہ نوکر ... گریاں کا : ۱۰۷۹-  
 مگر غاشمی سے ... محال ہے : ۱۰۸۱-  
 گلشن میں بندہ بہت ... دیکھ آج : ۱۰۸۵-  
 گلابی زیست ... گلابی زخمت : ۱۰۹۳-  
 گھر سے باز میں ... افسان کا : ۱۰۷۹-  
 گھر میں تنہا کیا ... ایک صورتِ قیصر ہے : ۱۰۳۷-  
 مرزا زاد طنگاز ... سے غبار : ۱۰۸۸-  
 میں نے مانا .... دل وہاں کا : ۱۰۷۹-  
 میرا ہون اور ... جلی گیا : ۱۰۸۳-  
 ناصر خود سبیل خوشیں (ادونشاں) : ۳۷-  
 ناصر خود سال .... چہ دستیر : ۳۶-  
 ناسز و کٹھیریہ .... آفتاب برآمد : ۲۰۳-  
 زشتہ قفہ ... دستیابی غالب : ۳۶-  
 دانے مروی .... فریاد نہیں : ۱۰۸۳-  
 ہر داغ تازہ .... امتحان نہ چھو : ۱۰۸۹-  
 ہر کہ خواہ .... بندہ گنہ گار ہم : ۷۳-  
 بہتی جاری .... اپنی قسم ہے : ۱۰۸۱-  
 ہندوستان سائے گل .... تباہ نہ چھو : ۱۰۸۵-  
 ہے موزن اک قلم ... کیا کیا مرے آگے : ۱۰۷۵-  
 یاد نہیں ہم کو ... طاقِ نسیاں پر گیش : ۱۰۸۹-  
 یارب زمانہ .... نہیں ہوں میں : ۱۰۸۱-  
 یاشب کو ... گل فروش ہے : ۱۰۸۸-  
 یا صبح دم جو بجھے .... خروش ہے : ۱۰۸۸-  
 یوں ہی گرفتار رہا .... ویراں پر گیش : ۱۰۸۹-  
 یزدت حق جاری نہت .... : ۲۵۲-

## اداسے :

- آل انڈیا میجر اور وائس چیمبرس، دہلی : ۲۳۶ -
- آرٹھروڈائٹریٹ سوسائٹی اسلامیہ، لاہور : ۲۳۱ -
- آرٹھروڈائٹریٹ آکالٹس، راجپورہ، جے۔ پی : ۱۸۹ -
- ۱۸۸ -
- اسٹوڈنٹس پکستان ٹیبل ٹینس، لاہور : ۲۳۳ -
- اکمل المطالع، دہلی : ۱۵۶، ۲۰۰ -
- اعلام باڈو، آغا باقر : ۱۳۹ -
- انجمن ترقی اردو پاکستان : ۱۹۰ -
- انجمن ترقی اردو دہلی : ۲۹، ۹۵ -
- انگلستان پریسٹ : ۶۸ -
- اورینٹل کالج، لاہور : ۲۳۲، ۲۳۰، ۶ -
- ایسٹ انڈیا پکستانی : ۱۱، ۱۹، ۲۹، ۶۳ -
- ۱۶۵، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۸۳ -
- ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰ -
- ۲۱۲ -
- ایف سی کالج، لاہور : ۶۱، ۲۵۳ -
- پشش پریسٹ : ۶۰ -
- پکستان ٹیبل ٹینس، دہلی : ۲۳۳، ۲۵۳ -
- پنجاب پبلک لائبریری، لاہور : ۴۳ -
- پکستان رائٹرز گزٹ، کراچی : ۲۵۶ -
- پنجاب یونیورسٹی، لاہور : ۶۱، ۲۲، ۲۶، ۵۲ -
- ۱۸۸، ۲۰۳، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲ -
- ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۲ -
- ترقی اردو بورڈ، کراچی : ۲۲، ۶ -
- ٹیمپو تعلیمی بورڈ، لاہور : ۶، ۲۳۹ -
- جامعہ سندھ، جام شورو : ۶، ۲۳۱، ۲۳۳ -
- ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۳ -
- جامعہ تہذیب اسلامیہ، نئی دہلی : ۲۳۲، ۲۳۳ -
- چھاپہ خانہ گلشن نوبار : ۲۹ -
- دار البقاء (درس گاہ) : ۱۵۰ -
- دہلی سوسائٹی : ۱۹، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۳۶ -
- دہلی کالج : ۱۹، ۵۵ -
- دہلی یونیورسٹی : ۲۳۸ -
- رضا لائبریری، ساہیوالہ : ۲۳۴، ۲۳۲ -
- ریڈیو پاکستان، پشاور : ۲۳۸، ۲۳۵ -
- سندھ یونیورسٹی، دیکھیے : جامعہ سندھ -
- سنگھ میل پبلی کیشنز، لاہور : ۱۱، ۲۲۶، ۲۳۶ -
- سینٹری کالج، سہیوالہ : ۲۳۲ -
- شعبہ اردو، ایف سی کالج، لاہور : ۶ -
- پنجاب یونیورسٹی، لاہور : ۶، ۲۳۲، ۲۳۴ -
- جامعہ طہ اسلامیہ، نئی دہلی : ۲۳۲ -
- ۶۳۳ -

- مجلہ ترقی ادب لاہور : ۲۳ : ۹۰-۹۱-  
 مدرسہ روشن الدولہ : ۱۹۵-  
 مسلم یونیورسٹی، دیکھیے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی  
 مطبع حیدری، لاہور : ۱۵۹ : ۲۰۲-  
 مطبع سراجی، دہلی : ۲۰۰-  
 مطبع سید الاخبار، دہلی : ۱۹۳ : ۸۸-  
 مکتبہ میری لائبریری، لاہور : ۱۸۵-  
 مطبع نشریہ سوسائٹی، اردو ہیل کھنڈ، بریلی :  
 ۲۳ : ۷۲ : ۷۳-  
 مطبع مجتہائی، میرٹھ : ۱۵۹-  
 مطبع محمدی، دہلی : ۱۵۵-  
 مطبع ارتقوی، دہلی : ۱۹۰-  
 مطبع مفید غلامی، لاہور : ۱۰ : ۷۴ : ۷۵-  
 ۳۱ : ۳۸ : ۳۳ : ۳۴ : ۳۵ : ۳۶ : ۳۷-  
 ۷۴-  
 مطبع نو کشتور، لکھنؤ : ۲۳ : ۲۰۳-  
 خدمت پریس، لاہور : ۲۰-  
 ندوۃ المصنفین، دہلی : ۵۳-  
 نیشنل آرکائیوز آف لندن : ۱۳۰-  
 نظامی پریس، ہالہولڈ : ۱۵۹-  
 شہید ذوالجلیل یونیورسٹی : ۷۲۳ : ۷۵۶-  
 مشہور یونیورسٹی : ۲۳۰ : ۲۲۳-  
 سید کاکی، سہیل : ۲۳۲-  
 عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد : ۷۵۹-  
 گورنمنٹ کاکی، بہاول نگر : ۶۱-  
 گورنمنٹ کاکی، لاہور : ۲۳۲-  
 گورنمنٹ کاکی، ڈال پور : ۲۲۰ : ۲۷۱-  
 ۲۲۵-  
 مشہور فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور : ۵۲-  
 مشہور مصافت، کراچی یونیورسٹی : ۲۳۱-  
 شیخ غلام علی ایڈمنسٹریٹو پبلشنگ، لاہور : ۱۸۹-  
 عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن : ۲۵۹-  
 علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ : ۲۳۴ : ۲۲۳-  
 فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، رینگ، پنجاب  
 یونیورسٹی، لاہور : ۲۳۱-  
 کتاب خانہ ضیاء الدین اصغری : ۱۵۲-  
 کتب خانہ خاص، نیشنل ترقی ادب پاکستان : ۱۹۰-  
 کتب خانہ مجلس ترقی ادب، لاہور : ۱۹۰-  
 کمپنی مہار، کمپنی راج، کمپنی، دیکھیے :  
 ایسٹ انڈیا کمپنی -  
 کورٹ آف ڈائریکٹرز : ۱۰-  
 گورنمنٹ کاکی، بہاول نگر : ۶۱-  
 لاہور : ۲۳۲-  
 ڈال پور : ۲۲۵ : ۲۳۱ : ۲۷۱-  
 لٹریٹری سوسائٹی، اردو ہیل کھنڈ، بریلی : ۲۳ : ۷۴-  
 مسٹر گل رنگ پریس، لکھنؤ : ۱۰ : ۷۴-

## المكان:

Year	U.S. should take action (%)	U.S. should not take action (%)
1997	75	25
1998	65	35
1999	75	25
2000	65	35
2001	75	25
2002	65	35
2003	75	25
2004	75	25

11/11/2014

1994, 1995, 1996, 1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 26

<sup>2</sup> 1980年12月24日，在《人民日报》发表。

1 2 3 4 5 6 7 8 9 10 11 12 13 14 15 16 17 18 19 20 21 22 23 24 25 26 27 28 29 30 31 32 33 34 35 36 37 38 39 40 41 42 43 44 45 46 47 48 49 50 51 52 53 54 55 56 57 58 59 60 61 62 63 64 65 66 67 68 69 70 71 72 73 74 75 76 77 78 79 80 81 82 83 84 85 86 87 88 89 90 91 92 93 94 95 96 97 98 99 100 101 102 103 104 105 106 107 108 109 110 111 112 113 114 115 116 117 118 119 120 121 122 123 124 125 126 127 128 129 130 131 132 133 134 135 136 137 138 139 140 141 142 143 144 145 146 147 148 149 150 151 152 153 154 155 156 157 158 159 160 161 162 163 164 165 166 167 168 169 170 171 172 173 174 175 176 177 178 179 180 181 182 183 184 185 186 187 188 189 190 191 192 193 194 195 196 197 198 199 200 201 202 203 204 205 206 207 208 209 210 211 212 213 214 215 216 217 218 219 220 221 222 223 224 225 226 227 228 229 230 231 232 233 234 235 236 237 238 239 240 241 242 243 244 245 246 247 248 249 250 251 252 253 254 255 256 257 258 259 260 261 262 263 264 265 266 267 268 269 270 271 272 273 274 275 276 277 278 279 280 281 282 283 284 285 286 287 288 289 290 291 292 293 294 295 296 297 298 299 300 301 302 303 304 305 306 307 308 309 310 311 312 313 314 315 316 317 318 319 320 321 322 323 324 325 326 327 328 329 330 331 332 333 334 335 336 337 338 339 340 341 342 343 344 345 346 347 348 349 350 351 352 353 354 355 356 357 358 359 360 361 362 363 364 365 366 367 368 369 370 371 372 373 374 375 376 377 378 379 380 381 382 383 384 385 386 387 388 389 390 391 392 393 394 395 396 397 398 399 400 401 402 403 404 405 406 407 408 409 410 411 412 413 414 415 416 417 418 419 420 421 422 423 424 425 426 427 428 429 430 431 432 433 434 435 436 437 438 439 440 441 442 443 444 445 446 447 448 449 450 451 452 453 454 455 456 457 458 459 460 461 462 463 464 465 466 467 468 469 470 471 472 473 474 475 476 477 478 479 480 481 482 483 484 485 486 487 488 489 490 491 492 493 494 495 496 497 498 499 500 501 502 503 504 505 506 507 508 509 510 511 512 513 514 515 516 517 518 519 520 521 522 523 524 525 526 527 528 529 530 531 532 533 534 535 536 537 538 539 540 541 542 543 544 545 546 547 548 549 550 551 552 553 554 555 556 557 558 559 560 561 562 563 564 565 566 567 568 569 570 571 572 573 574 575 576 577 578 579 580 581 582 583 584 585 586 587 588 589 590 591 592 593 594 595 596 597 598 599 600 601 602 603 604 605 606 607 608 609 610 611 612 613 614 615 616 617 618 619 620 621 622 623 624 625 626 627 628 629 630 631 632 633 634 635 636 637 638 639 640 641 642 643 644 645 646 647 648 649 650 651 652 653 654 655 656 657 658 659 660 661 662 663 664 665 666 667 668 669 670 671 672 673 674 675 676 677 678 679 680 681 682 683 684 685 686 687 688 689 690 691 692 693 694 695 696 697 698 699 700 701 702 703 704 705 706 707 708 709 710 711 712 713 714 715 716 717 718 719 720 721 722 723 724 725 726 727 728 729 730 731 732 733 734 735 736 737 738 739 740 741 742 743 744 745 746 747 748 749 750 751 752 753 754 755 756 757 758 759 760 761 762 763 764 765 766 767 768 769 770 771 772 773 774 775 776 777 778 779 780 781 782 783 784 785 786 787 788 789 790 791 792 793 794 795 796 797 798 799 800 801 802 803 804 805 806 807 808 809 810 811 812 813 814 815 816 817 818 819 820 821 822 823 824 825 826 827 828 829 830 831 832 833 834 835 836 837 838 839 840 841 842 843 844 845 846 847 848 849 850 851 852 853 854 855 856 857 858 859 860 861 862 863 864 865 866 867 868 869 870 871 872 873 874 875 876 877 878 879 880 881 882 883 884 885 886 887 888 889 890 891 892 893 894 895 896 897 898 899 900 901 902 903 904 905 906 907 908 909 910 911 912 913 914 915 916 917 918 919 920 921 922 923 924 925 926 927 928 929 930 931 932 933 934 935 936 937 938 939 940 941 942 943 944 945 946 947 948 949 950 951 952 953 954 955 956 957 958 959 960 961 962 963 964 965 966 967 968 969 970 971 972 973 974 975 976 977 978 979 980 981 982 983 984 985 986 987 988 989 990 991 992 993 994 995 996 997 998 999 1000 1001 1002 1003 1004 1005 1006 1007 1008 1009 1010 1011 1012 1013 1014 1015 1016 1017 1018 1019 1020 1021 1022 1023 1024 1025 1026 1027 1028 1029 1030 1031 1032 1033 1034 1035 1036 1037 1038 1039 1040 1

171-174: 174 070 000

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

© 2004 Blackwell Publishing Ltd, *Journal of Internal Medicine* 255: 103–110

المجلة ١٤٣٠ هـ

Figure 1 consists of seven bar charts, one for each country: Australia, Canada, France, Germany, Italy, Japan, and the UK. Each chart displays the percentage of respondents for four levels of agreement with the statement: 'The government should do more to help people who are struggling financially'. The levels are: Strongly agree, Agree, Disagree, and Strongly disagree. The data is as follows:

Country	Strongly agree	Agree	Disagree	Strongly disagree
Australia	75%	20%	5%	0%
Canada	65%	30%	5%	0%
France	55%	35%	10%	0%
Germany	60%	30%	10%	0%
Italy	50%	40%	10%	0%
Japan	45%	45%	10%	0%
UK	70%	25%	5%	0%

— 14 —

پیشہ ورانہ تعلیم : ۱۹۰۲ء

1997-1998

**Abstract**

• **FFA** • **FFI** • **FFJ**

- ۱۳ -

— 184 —

Age Group	Total (%)	Male (%)	Female (%)	Male (%)	Female (%)
18-24	12	10	14	11	13
25-34	35	33	37	34	36
35-44	28	26	30	27	29
45-54	18	16	20	17	19
55-64	8	7	9	8	10
65+	3	2	4	3	5

REF ID: A6051



— pp. 4/198 : 16/2

— 14 —

— **1997** —

— 14 —

1948 1949 1950 1951

**— 1980 —**

**تعارف و تعارف**

\* ٢٠١٩ - ٢٠٢٠ : ١٠٠٪

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26



ملفوظات مولانا محمد رفیع کمالی

1944-1945

www.ck12.org

المجلس الأعلى للبحوث والدراسات الإسلامية

ملفوظات مولانا محمد رفیع کمالی

100

[illegible]

© 2004 Blackwell Publishing Ltd *Journal of Internal Medicine* 255: 103–110

- تهرانی : ۱۹۲۹ء -  
 ٹرنک : ۱۹۰۰ء -  
 جامعہ نگر، ننک وہلی : ۲۲۳ -  
 جہان نثار خان کا چھترہ ادبی : ۱۵۱/۱۵۰ء -  
 جہانا : ۱۳۱۰ء - ۱۲۴۰ء -  
 جہانسی : ۹۸ء -  
 جہانگیر آباد : ۱۹۳ -  
 جھنگر : ۱۸۵۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 جے پور : ۱۹۹ -  
 چاؤڑی ادبی : ۱۹۰۰ء -  
 چکر : چاند پور چکر ادبی : ۱۹۳۰ء - ۱۹۳۰ء -  
 : ۱۳۱۰ء - ۱۵۰۰ء -  
 چھترہ : ۱۹۹ -  
 حصار : ۱۹۹ -  
 حیدر آباد (دکن) : ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 حیدر آباد (سندھ) : ۲۱۹ء - ۲۲۰ء -  
 خاص بازار ادبی : ۱۵۰ -  
 خاص چندہ کارچہ ادبی : ۱۵۰/۱۵۰ء -  
 خاص بازار ادبی : ۱۵۰ -  
 دارالحجۃ اور آباد : ۲۰۰ -  
 دیہاتے شہر : ۱۹۲ -  
 درجہ ادبی : ۱۹۰ -  
 درجہات : ۱۰۰/۱۰۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 ادبی : ۱۳۰/۱۳۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 : ۱۳۰/۱۳۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 ۱۹۲۹ء - ۱۹۲۹ء - ۱۹۲۹ء -  
 بدخانی کشادہ ادبی : ۱۵۲ -  
 پرہیز : ۱۹۰/۱۹۰ -  
 پرہیز : ۲۰۰ -
- ۱۹۵۰/۱۹۵۰ -  
 بندر سس : ۲۰۰ -  
 بنگلہ : ۲۰۹ -  
 بنار گڑھ : ۱۹۵۰/۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 بیدار : ۲۰۹ -  
 بیدار بنگر : ۸۰/۸۰ -  
 بھرت پور : ۲۰۰/۲۰۰ -  
 بھوپال : ۲۳۲/۲۳۲ -  
 بیگم کا بنغ : ۱۵۰ -  
 بیل گارہ کھنڈ : ۵۹ -  
 پانڈوی : ۱۰۵/۱۰۵ء - ۱۹۵۰ء -  
 پارس : ۱۳۰/۱۳۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 پاکستان : ۱۹۰/۱۹۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 : ۲۲۹/۲۲۹ -  
 پاک و چند : ۱۰ -  
 اپنی چند : ۱۹۹ -  
 پٹنہ : ۱۰۰/۱۰۰ -  
 پٹنہ : ۱۳۰/۱۳۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 پشاور : ۲۱۹/۲۱۹ء - ۲۳۵ء - ۲۳۵ -  
 پنجاب : ۱۳۰/۱۳۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 : ۱۳۰/۱۳۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 : ۱۳۰/۱۳۰ء - ۱۹۵۰ء - ۱۹۵۰ء -  
 بدخانی کشادہ ادبی : ۱۵۲ -  
 پرہیز : ۱۹۰/۱۹۰ -  
 پرہیز : ۲۰۰ -





فلک پیرا دہلی : ۱۵۱ -

فیروز پیر جگر : ۸۷ -

فیل خان : دہلی : ۱۵۱ - ۱۵۱ -

قادی کا کنواں : دہلی : ۱۵۱ -

قاسم جان کی لگی : دہلی : ۱۳۹ -

قلعہ دارالخجی : الدہ آباد : ۳۰۸ -

قلعہ سلفی : دہلی : ۱۳۹ - ۱۵۱ - ۱۵۱ - ۱۵۱ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ -

قلعہ کا لاجپور کی دروازہ : ۱۵۱ -

کابل : ۱۵۱ - ۱۵۱ -

کابل دروازہ : ۱۵۱ - ۱۵۱ - ۱۵۱ -

کابل : ۱۳۹ -

کابل : ۱۳۹ - ۱۳۹ -

کراچی : ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

کرنال : ۱۱۰ -

کشمیری دروازہ دہلی : ۱۵۱ - ۱۵۱ - ۱۵۱ -

کشمیری کشتی : دہلی : ۱۵۱ -

کشتی : ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

کشتی دروازہ : دہلی : ۱۵۱ -

کشتی قاسم : ۱۳۹ -

کشتی بلاتی بیچ : دہلی : ۱۵۰ -

کشتی : ۲۵۴ -

کشتی آواز گڑھ پ : ۱۵۰ -

کشتی : ۱۰۱ -

کشتی : ۳۵ -

کشتی : ۱۱۱ - ۱۱۱ -

کشتی : ۱۵۵ -

کشتی : ۱۵۱ - ۱۵۱ -

کشتی : ۱۵۱ -

کشتی : ۱۵۱ - ۱۵۱ - ۱۵۱ - ۱۵۱ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ - ۱۳۹ - ۱۳۹ -

۱۵۱ - ۱۳۹ -

کشتی : ۱۵۱ - ۱۵۱ - ۱۵۱ -



# اسماء اللسان :

٢٢٢ ٢٢٣ ٢٢٤ ٢٢٥ ٢٢٦ ٢٢٧ ٢٢٨ ٢٢٩

٢٣٠ ٢٣١ ٢٣٢ ٢٣٣ ٢٣٤ ٢٣٥ ٢٣٦ ٢٣٧  
٢٣٨ ٢٣٩ ٢٤٠ ٢٤١ ٢٤٢ ٢٤٣ ٢٤٤ ٢٤٥

فارسی قدیم : خالص فارسی : ١٠ ١١ ١٢ ١٣

١٤ ١٥ ١٦ ١٧ ١٨ ١٩ ٢٠ ٢١ ٢٢ ٢٣ ٢٤ ٢٥

٢٦ ٢٧ ٢٨ ٢٩ ٣٠ ٣١ ٣٢ ٣٣ ٣٤ ٣٥ ٣٦ ٣٧

٣٨ ٣٩ ٤٠ ٤١ ٤٢ ٤٣ ٤٤ ٤٥ ٤٦ ٤٧ ٤٨ ٤٩

٥٠ ٥١ ٥٢ ٥٣ ٥٤ ٥٥ ٥٦ ٥٧ ٥٨ ٥٩ ٦٠ ٦١

هندوستانی : ٦٢ -

ہندی : ٦٣ ٦٤ ٦٥ -

ہندی (اُردو) : ٦٦ ٦٧ ٦٨ ٦٩ ٧٠ ٧١ ٧٢ -

اُردو : ٧٣ ٧٤ ٧٥ ٧٦ ٧٧ ٧٨ ٧٩ ٨٠ ٨١ ٨٢ ٨٣ ٨٤

٨٥ ٨٦ ٨٧ ٨٨ ٨٩ ٩٠ ٩١ ٩٢ ٩٣ ٩٤ ٩٥ ٩٦

٩٧ ٩٨ ٩٩ ١٠٠ ١٠١ ١٠٢ ١٠٣ ١٠٤ ١٠٥ ١٠٦ ١٠٧ ١٠٨

١٠٩ ١١٠ ١١١ ١١٢ ١١٣ ١١٤ ١١٥ ١١٦ ١١٧ ١١٨ ١١٩ ١٢٠

١٢١ ١٢٢ ١٢٣ ١٢٤ ١٢٥ ١٢٦ ١٢٧ ١٢٨ ١٢٩ ١٣٠ ١٣١ ١٣٢

١٣٣ ١٣٤ ١٣٥ ١٣٦ ١٣٧ ١٣٨ ١٣٩ ١٤٠ ١٤١ ١٤٢ ١٤٣ ١٤٤

١٤٥ ١٤٦ ١٤٧ ١٤٨ ١٤٩ ١٥٠ ١٥١ ١٥٢ ١٥٣ ١٥٤ ١٥٥ ١٥٦

١٥٧ ١٥٨ ١٥٩ ١٦٠ ١٦١ ١٦٢ ١٦٣ ١٦٤ ١٦٥ ١٦٦ ١٦٧ ١٦٨

انگریزی : ١٦٩ ١٧٠ ١٧١ ١٧٢ ١٧٣ ١٧٤ ١٧٥ ١٧٦ ١٧٧ ١٧٨ ١٧٩ ١٨٠

١٨١ ١٨٢ ١٨٣ ١٨٤ ١٨٥ ١٨٦ ١٨٧ ١٨٨ ١٨٩ ١٩٠ ١٩١ ١٩٢

١٩٣ ١٩٤ ١٩٥ ١٩٦ ١٩٧ ١٩٨ ١٩٩ ٢٠٠ ٢٠١ ٢٠٢ ٢٠٣ ٢٠٤

دکن : ٢٠٥ ٢٠٦ ٢٠٧ ٢٠٨ ٢٠٩ ٢١٠ ٢١١ ٢١٢ ٢١٣ ٢١٤ ٢١٥ ٢١٦

دیجنس (اُردو) : ٢١٧ ٢١٨ ٢١٩ ٢٢٠ ٢٢١ ٢٢٢ ٢٢٣ ٢٢٤ ٢٢٥ ٢٢٦ ٢٢٧ ٢٢٨

عربی : ٢٢٩ ٢٣٠ ٢٣١ ٢٣٢ ٢٣٣ ٢٣٤ ٢٣٥ ٢٣٦ ٢٣٧ ٢٣٨ ٢٣٩ ٢٤٠

٢٤١ ٢٤٢ ٢٤٣ ٢٤٤ ٢٤٥ ٢٤٦ ٢٤٧ ٢٤٨ ٢٤٩ ٢٥٠ ٢٥١ ٢٥٢

٢٥٣ ٢٥٤ ٢٥٥ ٢٥٦ ٢٥٧ ٢٥٨ ٢٥٩ ٢٦٠ ٢٦١ ٢٦٢ ٢٦٣ ٢٦٤

فارسی : ٢٦٥ ٢٦٦ ٢٦٧ ٢٦٨ ٢٦٩ ٢٧٠ ٢٧١ ٢٧٢ ٢٧٣ ٢٧٤ ٢٧٥ ٢٧٦

٢٧٧ ٢٧٨ ٢٧٩ ٢٨٠ ٢٨١ ٢٨٢ ٢٨٣ ٢٨٤ ٢٨٥ ٢٨٦ ٢٨٧ ٢٨٨

٢٨٩ ٢٩٠ ٢٩١ ٢٩٢ ٢٩٣ ٢٩٤ ٢٩٥ ٢٩٦ ٢٩٧ ٢٩٨ ٢٩٩ ٣٠٠

٣٠١ ٣٠٢ ٣٠٣ ٣٠٤ ٣٠٥ ٣٠٦ ٣٠٧ ٣٠٨ ٣٠٩ ٣١٠ ٣١١ ٣١٢

٣١٣ ٣١٤ ٣١٥ ٣١٦ ٣١٧ ٣١٨ ٣١٩ ٣٢٠ ٣٢١ ٣٢٢ ٣٢٣ ٣٢٤

# Books etc., (*English*)

- 
- A History of the Indian Mutiny**, by Holmes : 65
- A Lady's Escape from Gwalior**, 65.
- Bombay Telegraph** : 63.
- Forty Years in India**, by Lord Roberts : 64.
- Ghalib, Life and Letters**, by Ralph Russel and Khurshid-ul-Islam : 9.
- History of Indian Journalism**, by Natarajan : 29.
- History of the Indian Mutiny**, Vol. I, by Charles Ball : 66, 209.
- History of the Indian Mutiny**, Vol. II, by Charles Ball : 212, 213.
- History of the Indian Mutiny**, Vol. II, by Kay & Malletson, 66, 100.
- History of the Sepoy War**, Vol. II, by Sir John Kay : 67
- History of the Sepoy War**, Vol. III, by Sir John Kay : 210.
- Indian and Home Memories**, by Sir Henry Cotton : 64.
- Indian Empire**, by Barnes : 29.
- Life of Lawrence**, Vol. II, by Baswarth Smith : 63, 65.
- My Diary in India in the Year 1856-59**, Vol. I : 64.
- Narrative of the Indian Revolt** 66.
- Parliamentary Papers**, Vol. 44, pt. I : 10.
- Red Pamphlet**, by G. B. Malletson : 210.
- Russell's Diary**, 65, 211, 212.
- The Chaplain's Narrative of the Siege of Delhi** : 63.
- The Time**, London, 25th August, 1858 : 68
- Up among the Pandies**, by Lieut. Majendie : 64, 212

بابائے اردو کی حیات اور خدمات پر ہماری اہم کتابیں :

## ذکرِ عبد الحق

ڈاکٹر سید معین الرحمن

”ذکرِ عبد الحق“ کو دیکر ایسی خوش ہوئی گریں سے باہر ہے۔ ذکرِ عبد الحق کا ادیبانِ معین صاحب کا کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ معین الرحمن صاحب نے ان تمام سرگامیوں کو بڑی خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے جن کے بغیر عبد الحق کی داستان مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس کام کے لئے معین صاحب تمام نیکو نیت ادیبانِ عبد الحق کے شکریے کے مستحق ہیں۔ مشفق خواجہ

ذکرِ عبد الحق میں معین صاحب نے عقیدت اور تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ ابن النشا

## بابائے اردو۔ احوال و افکار

ڈاکٹر سید معین الرحمن

”بابائے اردو۔ احوال و افکار“ سے جید خوش ہمت ہوا۔ یہ کام مستقل تصنیف سے ہر جہاز یا دہشت طلب اور صبر آزمایا۔ معین الرحمن صاحب نے اسے نہایت خوش اسلوبی اور جامعیت سے انجام دیا۔ اس کتاب میں کے لئے ان کا مسامحت نہیں کرتے۔ مولانا خلیفہ رسول قمر مرحوم

## نقدِ عبد الحق

ڈاکٹر سید معین الرحمن

ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب کی شخصیت شخص سے یہ معین الرحمن صاحب نے مولوی صاحب کی ادبی زندگی کے کئی کئی حصوں میں مقالہ کا انتخاب کیا ہے۔ انتخاب کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن داخلِ قریب نے مولوی صاحب کے بارے میں لکھی گئی کئی چیزیں لکھی ہیں جو درست سے گنجلانے اس کی داد دینا غلام کا۔ فقیر عبد الحق ”عربی تریب اور ہونہ مات کے تفرق کے متعلق سے ہمارے سربراہ علم میں ایک خوشگوار بحث ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی

سنگ میل پبلی کیشنز — اردو بازار — لاہور

# آپ بیتی۔ رشید احمد صدیقی

مرتبہ: ڈاکٹر سید معین الرحمن

ڈاکٹر سید معین الرحمن صاحب کے ذوق و شوق اور ملتے ملتے اس تالیف کو رشید صاحب اور اعلیٰ گزرا کا ایک عجیبانہ رقعہ بنا دیا ہے۔ کیا کیا صورتیں جلد میں پس پڑی ہیں، سمجھنا کھوں میں پھر گئیں! کیا کہیں، سمجھنا ہوں حتیٰ صحبت اہل کشت کو؟

اپر وزیر، خواجہ منظور حسین (دھگیا)

ڈاکٹر سید معین الرحمن نے جس کاوش اور ہاشاشی سے رشید احمد صدیقی کی آپ میں تشکیل دی ہے وہ ناقص نہیں ہے۔

مختار مسعود

ڈاکٹر سید معین الرحمن صاحب نے رشید احمد صدیقی کی مختلف تحریریں کی مدد سے ان کی ایک خوبصورت مربوط آپ بیتی مرتب کی ہے، اس شہد سے یہ آپ بیتی آئندہ زبانِ ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو اس سے پہلے اس سلسلے پر کسی نے انجام نہیں دیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی

## مُطَالَعَةُ يَلْدَم

ڈاکٹر سید معین الرحمن

یَلْدَم کے ساتھ اب تک نقادوں اور ادبی مآخذوں نے جو شدید، انصافی برقی سخر، خوشی ہوئی کریدیں اور تحسینیں لے اس کی طوٹ ترجمہ کی اور یَلْدَم کو سیرج کا موضوع بنایا۔ معین صاحب نے انتہائی محنت اور اظہارِ دلچسپی کے ساتھ سچا ہر اور مفید کام کیا اور بڑی ضروری خدمت انجام دی۔ اس کی بے حد ضرورت تھی۔

قرۃ العین حیدر

معین صاحب نے ہمارے ادب اور معاشرے میں بجا و حیدر یَلْدَم کے بلند مقام کو اس خوبی سے نمایاں کیا، کہ میری ادبی مجلس اور قومی ضرورتوں میں ہر پر جھانکتے ہیں۔

پروفیسر حمید احمد خاں

یَلْدَم غارِ افسانے اور ادب کے شریکِ سلب کو کہہ دیا ہے اس کے احزان اور گہرائی کی ایک اس سے بڑھ کر محکم نہیں ہے جس سے یَلْدَم کو صحت دینا چاہئے۔

پروفیسر سیدنا وحید

سنگِ میل پبلی کیشنز - چوک اردو بازار - لاہور

”باغ و بہار کا تنقیدی اور کرداری مطالعہ“

فہرست مضامین

تاریخ و سہار کے اس حقیقی مطالعہ میں مذہب و ایمان کے گہلوں کے تجزیے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ اس میں اس تجزیے کا اپنا بہت ہی نیا ہے۔ قرد و موس کو آج تک کسی نے قفسے کے ظاہر سے دیکھا کہ اس کے باطن تک ساری مثال کی ہے۔ گہرائی و عمیق کا ایسا تجربہ جو اسے پہلے سے زیادہ اہم بنا دے۔ اسے بہترین مطالعہ کہنا چاہئے۔ اردو زبان میں اس کی یہ کتاب اس میں ادبی اور نفسیاتی منظر سے کتاب کی جس نگاہ میں لکھا گئی ہے۔

سید وقار عظیم

حضرت سیدہ عیسیٰ نے "باغ و بہار" کا ایک بالکل نئے انداز میں تنقید میں اور کوئی مطالعہ پیش کیا ہے اور ہر جگہ اپنی تنقید کا ثبوت دیا ہے۔ یاقینت "باغ و بہار" کے مطالعات میں ایک بڑا واقعہ، بہت جاندار اور قابلِ تفسیر کامر ہے۔

\_\_\_\_\_ میرزا ادیب

ذہرا حسینؑ اسلامیکالج برائے خواتین، لاہور میں آئندہ کلاسی دیتی ہیں۔ شاہدہ اورادیرہ دونوں حیثیت سے جانی پہچانی ہیں۔ انھوں نے حب لکھا ہے، پوری چھان بین اور احتیاط سے لکھا ہے، دختر داری اور افتاد کے ساتھ لکھا ہے۔ بانگ و بہار کا تنقیدی اور کرداری مطالعہ ذہرا حسین کا بھرپور تنقیدی اور تحقیقی کام ہے۔ بانگ و بہار نگاروں کا جب تک پوری طرح تحقیق و تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا تھا، اس کتاب سے یہ کی پوری ہو گئی۔ ذہرا حسین نے بانگ و بہار کا مطالعہ جس زوئے نظر سے کیا ہے، وہ بالکل منفرد ہی ہے۔ انھوں نے بعض ایسی راہوں کا نشان دہی کیا ہے جن سے نگار اب تک غفلت رہے۔

ڈاکٹر فرمان فستق پوری

اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ میرا حق پر اب تک جکھم ہو چکا ہے۔ ذہن میں نے اس سب کو نظر میں رکھا ہے اور اس پر بیشتر عہدہ سنا کر کے اپنی انگلیاں دائے قائم کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ میرا حق کے مطالعہ کی کچھ نئے گوشے سامنے لاتی ہیں۔ افسانے کی اہمیت کے اس دور میں یہ کتاب اہل ادب پر ”بانگ درا“ کی نئی اہمیت بخلائی واضح کیے گی۔

\_\_\_\_\_ التورسدايد

سنگ میل پبلکیشنز۔ چوک اردو بازار۔ لاہور



